علمی ادبی اخلاقی

مذہبی تاریخی

ماہنامہ

المعرفت

حیدرآباد دکن





مدیر

حشمت علی ممتاز الافاضل

المعرفۃ حیدرآباد

مدیر
حشمت علی
ممتاز الفاضل

چندہ سالانہ
چھ روپے
ششماہی تین روپے
امراء سے حسب حیثیت

جلد ۷ | ماہ جنوری سنہ ۱۹۷۱ | شمارہ ۱۰

جناب احسنؔ

شانِ ابوطالبؑ

نہیں حاصل جسے دنیا میں عرفانِ ابوطالبؑ
وہ پہچانے خدا کے واسطے شانِ ابوطالبؑ

ابوطالبؑ کی خدمت سے ہو کوئی منحرف لیکن
بھلا سکتا نہیں اسلام احسانِ ابوطالبؑ

محمدؐ سے نہیں پیارا کوئی بھی مجھ کو دنیا میں
دلیلِ دین و ایماں ہے یہ فرمانِ ابوطالبؑ

کہے بیٹے کو جس کے کلِ ایماں ہادیٔ برحق
وہ ہیں شیرِ خدا مولا علیؑ جانِ ابوطالبؑ

پڑا ہے وقت جب بھی کوئی توحید و رسالت پر
اڑے ہیں کفر کے آگے دلیرانِ ابوطالبؑ

قسم ربِ دو عالم کی یہ ایک واضح حقیقت ہے
ابھی تک جاری و ساری ہے فیضانِ ابوطالبؑ

یہ ایک زندہ حقیقت ہے زمانے بھر نے مانا ہے
نرالی شان رکھتا ہے گلستانِ ابوطالبؑ

دعا کر بارگاہِ ایزدی میں بندۂ عاصی
رہیں محفوظ آفت سے غلامانِ ابوطالبؑ

نہیں اپنے ہی ایماں کی خبر احسنؔ جنہیں اب تک
وہ ہم سے پوچھتے ہیں آج ایمانِ ابوطالبؑ

پبلشر حشمت علی نے زاہد پریس قلعہ دروازہ حیدرآباد سے چھپوا کر دفتر المعرفۃ ٹنڈو طیب حیدرآباد سے شائع کی

حضرت علیؑ نے سامراجی قوتوں کے خلاف جہاد کیا

آپ ۳۳ سال تک رسول مقبول کی تعلیم و تربیت سے بہرہ اندوز ہوئے

علامہ ابن حسن جارچوی

چھٹی صدی عیسوی میں عرب بت پرستی، کفر و ضلالت کا مسکن بن چکا تھا مگر اس اندھیرے میں کچھ چراغ ابھی روشن تھے ہاشم کی نسل کے کچھ افراد ابھی تک ابراہیم کے دین پر قائم تھے اور کعبے کے تین سو ساٹھ بتوں کے بجائے "وحدہٗ لاشریک لہٗ" کی عبادت کرتے تھے۔ علیؑ جن کا ذکر آج ہمارا موضوع بحث ہے۔ اسی خاندان میں پیدا ہوئے ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل کو خانہ کعبہ میں پیدا ہونے والے اس بچہ کے والد کا نام عمران اور کنیت ابوطالب ہے اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد ہے

"تخم تاثیر اور صحبت کا اثر" مشہور ہے کسی جسم نامی کے بنانے یا بگاڑنے میں توارث نسلی اور ماحول کو بڑا دخل ہے نسل کے اعتبار سے حضرت علیؑ آل ابراہیم سے تعلق رکھتے ہیں جس کی ہدایت و شجاعت، علم و فضل بذل و ایثار کی دھوم، سارے عالم میں مچی ہوئی ہے۔ ابوطالب جیسے باپ اور فاطمہ بنت اسد جیسی ماں کی آغوش تربیت کسی کو نصیب ہوگی کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان اور اللہ کا آخری پیامبر بھی انہیں آغوش میں پلا اور پھولا پھلا تھا۔

علیؑ کی خوش قسمتی کا اندازہ تاریخ محمد اسعادی کی اس عبارت سے لگایئے۔

تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے آغوش رسول مقبول میں نشو و نما پائی اور آپ ہی نے ان کی

تربیت کی۔ جب اس بچہ کو نہلانے دھلانے کی ضرورت ہوتی تو آپ خود نہلاتے اور پاک وصاف کرتے اور بھوک لگتی تو دودھ پلادیتے جب وہ سونے لگتے تو ان کا جھولا جھلاتے جاگ اٹھتے تو لوری دیتے۔

توارث نسلی اور ماحول دونوں کے اعتبار سے علیؑ خوش قسمت تھے اس لئے وہ انسانی ترقی کے تمام مدارج پر فائز ہوئے۔ علیؑ پیدا ہوئے تو پرانی دنیا اپنی عمر کے آخری سانس لے رہی تھی اور ایک عظیم الشان معاشی، معاشرتی اور سیاسی انقلاب کے تمام عناصر جمع ہو رہے تھے قیصر وکسریٰ کا جاہ وجلال عروج وکمال پر پہنچ کر مائل بہ زوال تھا ایران وروم کے نظام مجلسی میں تخریبی جراثیم پیدا ہو چلے تھے۔ اصلاح طلب اور صلح پسند لوگوں کی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ کب باران رحمت نازل ہو اور دنیا کی مردہ رگوں میں زندگی کا خون دوڑنے لگے یکایک کفر کی گھٹا میں بجلی چمکی اور وحی الٰہی کا موسلا دھار پانی برسنے لگا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ علیؑ کی تربیت اس انقلاب آفریں انسان کامل کی آغوش میں ہوئی جس کو قدرت نے فرسودہ نظام مجلسی کو درہم برہم کرکے نظام نو کی بنیاد رکھنے کے لئے منتخب کیا تھا۔ آنکھ کھولتے ہی چہرۂ رسولؐ پر سب سے پہلے نظر ڈالی اور مسلسل ۲۳ سال تک شب وروز سوتے جاگتے آپ اس قائد انسانیت اور رہبر ملت کی تعلیم و تربیت سے بہرہ اندوز ہوتے رہے نتیجہ یہ تھا کہ تعلیم قرآنی کی روح اور پیام الٰہی کی حقیقت سے جس طرح آپ واقف تھے کوئی اور واقف نہ تھا۔

علیؑ جب اس عمر میں داخل ہوئے جس کو سن شعور کہتے ہیں تو روم وایران کا سامراجی نظام دم توڑ رہا تھا اس کی تباہ کاریاں عالم آشکار ہو چکی تھیں مستقل فوجوں اور عیاشیوں کا کی گاڑھی کمائی سے بھرے ہوئے خزانوں کے بل بوتے پر سامراجی قوتیں جو آفت ڈھا رہی تھیں ان، پیچ نگاہ کے سامنے تھے ایک طرف یہ تھا اور دوسری طرف رسولؐ مقبول ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھ رہے تھے جہاں اللہ کی حاکمیت کا اعتراف ضروری تھا۔ دستور اساسی چند انسانوں کا بنایا ہوا یا کسی ایک جابر آدمی کے منہ سے نکلا

ہوا نہ تھا بلکہ خود اللہ کا بھیجا ہوا تھا جس میں کسی نسل یا قوم کی برتری یا مخصوص حقوق کے لئے گنجائش نہ تھی، مامور من اللہ، نگراں امت قانون سازی نہیں بلکہ قانون الٰہی کا نفاذ کرسکتا تھا اور خود اس قانون کی زد سے بچا ہوا نہ تھا۔ اسلامی جہانبانی اور نظام معاشرت و معیشت کے جو نکتے حضرت علیؑ نے رسولؐ اکرم سے سیکھے تھے اس وقت دنیا کے لئے حیرت انگیز تھے اور آج بھی جبکہ کاروان انسانیت بہت دور نکل آیا ہے لوگ ان نکتوں پر عمل کرتے ہوئے جھجکتے ہیں حضرت علیؑ نے اپنے گرد و پیش نظر ڈالی اور نظام کہنہ اور نظام نو کو جانچا اور پرکھا، پرانا نظام حکومت جو روم و ایران میں رائج تھا ان کے نزدیک ناقابل قبول ٹھہرا انہوں نے اسلامی نظام کو نافذ کیا۔

یہ وہ عہد ہے جس کو پورا کرنے کا بندہ خدا علیؑ امیر المومنین نے مالک بن حارثؓ اشتر کو مصر کا والی بناتے وقت حکم دیا۔ یا فرائض ان کے یہ تھے کہ وہ اس ملک کا خراج وصول کریں اس کے دشمنوں سے جہاد کریں اور اس کے شہروں کو آباد کریں میں ان کو حکم دیتا ہوں کہ خدا سے ڈریں اور اس کی اطاعت کو مقدم رکھیں

کوئی شخص اتباع رسولؐ کے بغیر معراج انسانیت پر فائز نہیں ہوسکتا

اور ان واجب اور سنت احکام کا اتباع کریں جن کا حکم اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے کہ کوئی شخص بغیر اس کے اتباع کے معراج سعادت پر فائز نہیں ہوسکتا اور اس کا انکار کرنے اور اسکو ضائع کرنے ہی سے شقی ہوتا ہے اور یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ اپنے دل، ہاتھ اور زبان سے اللہ کی نصرت کریں، بس جو اس کی نصرت کرے اس کی نصرت کا، اور جو اس کی عزت ملحوظ رکھے اس کے اعزاز کا وہ متکفل ہوتا ہے۔

اور تم کو وہی امر سب سے زیادہ پسند ہونا چاہئے جو بلحاظ وقت سب سے زیادہ وسط میں واقع ہے بلحاظ عدل سب سے

باقی صفحہ پر

حیدرِ کرار

آپ کے نقشِ قدم آئینِ حیات کے ہر گوشے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں

آپ بیک وقت بے مثال فقیہہ، فاضل، صف شکن سپاہی اور حق پرست سیاستدان اور عابدِ شب زندہ دار تھے

وہ سراپا عدل تھے اور عمر بھر عدل کی تلقین کرتے رہے

مولودِ کعبہ اور شہیدِ مسجدِ کوفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یوم شہادت کے سلسلہ میں ہر سال ۲۱ رمضان المبارک کو چوک نواب صاحب اندرون موچی دروازہ سے شبیہہ ذوالجناح کا ماتمی جلوس نکالا جاتا ہے جو اپنے مقررہ راستہ چوہٹہ مفتی باقر، چوک پرانی کوتوالی، کشمیری بازار، ڈبی بازار، واٹر ورکس، شاہی محلہ بازار حکیماں اور بھاٹی دروازہ سے ہوتا ہوا شام کے وقت کربلا گامے شاہ میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ماتمی جلوس کے ہمراہ منتظمین کے علاوہ ڈپٹی مجسٹریٹ اور پولیس بھی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ سالہا سال سے جاری ہے۔

جناب سرورِ کائنات کی ولادت کے ۳۰ سال بعد تاریخ عالم کے اس دور میں جب کرۂ ارض کی بیشتر آبادی جہالت و پستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گھری ہوئی تھی اور اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے صفحۂ ہستی پر نہیں ابھرا تھا، کہ اس وقت کی محدود دنیائے اسلام میں خاندان بنی ہاشم میں ایک اور ہستی نمودار ہوئی جو ذہنی تقدس کے ساتھ ساتھ آسمانی علم و فضل پر بھی آفتاب درخشاں بن کر چمکی اور شہرتِ عام و بقائے دوام پائی یہ لازوال و بے مثال شخصیت مذہبی، سیاسی و علمی حلقوں میں علیؑ بن ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت علیؑ نایاب بے خداداد قابلیت کے مالک تھے اور اپنے وقت کے نابغۂ جلیل تھے۔ وہ بیک وقت عالمِ دین، سیاست داں اور

عظیم ما بہ جنگ تھے۔ جب کوئی مورخ یا تذکرہ نگار آپ کی عظمت کا تجزیہ کرنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو وہ آپ کے اوصاف کمالات کی فراوانی اور مختلف قسم کی خصوصیات انسانی کو دیکھ کر بہوت و متحیر ہو جاتا ہے روحانی معلم سے لے کر اخلاقی معلم، راعی سے لیکر رعایا، حکمراں سے لیکر علمبردار، مفسر سے لیکر فلسفی، حکیم سے لے کر صوفی غرض آئین حکومت، آئین سیاست، آئین انسانیت، آئین روحانیت آئین اخلاق، آئین تعلیم، آئین تبلیغ اور آئین حیات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں حضرت علیؑ کا نقش قدم دوسروں کی رہبری نہ کرتا ہو انسانی زندگی اور افکار و اعمال کے تمام گوشوں میں حضرت علیؑ کی کامل ترین شخصیت نے ایسا بلند معیار قائم کر دیا ہے جس کی صرف تقلید کی جا سکتی ہے ان کی روحانی حیثیت سے قطع نظر خالص انسانی اعتبار سے بھی حضرت علیؑ کی سیرت ایسا کامل معیار ہے کہ انسانیت کی نجات اس سے وابستہ کی جا سکتی ہے جتنی دانشوری اور بصیرت قدرت نے انھیں عطا کی تھی شاید اس دور میں کسی اور کو نہ ملی ہو گی تاریخ

کے طالب اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ حضرت علیؑ سے محبت کرنے والے کچھ کم نہ تھے اور دوسری طرف آپ کے دشمن بھی ریگزار عرب کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے تھے اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی ذات گرامی خیر مجسم تھی۔ آپ سراپا عدل تھے اور عمر بھر اس کی دعوت دیتے رہے جو لوگ عدل و خیر کے طالب تھے انہوں نے آپ کے ساتھ محبت اختیار کی اور جو لوگ عدل و خیر کے طالب تھے انہوں نے آپ کے ساتھ محبت اختیار کی اور جو لوگ برائیوں اور ظلم کے حامی تھے انہیں مجبوراً علیؑ کی عداوت اختیار کرنی پڑی۔

محط کے بعد

حضرت علیؑ نے حق و صداقت، عدل و انصاف اور علم و آگاہی کیلئے سخت ترین صعوبتیں برداشت کیں اور دین اسلام کے فروغ کیلئے کانٹوں پر چل کر ایسے نقش قدم چھوڑے جو ہمیشہ درخشاں و تابناک رہیں گے۔ دعوت ذو العشیرہ سے شب ہجرت کے بستر تک اور بدر و احد سے صفین و جمل کے میدانوں تک اور بیت ام ہانی سے محراب مسجد کوفہ تک حضرت علیؑ کی زندگی کا ایک ہی محور تھا یعنی اعلیٰ ترین

مقصد زندگی کی تبلیغ و اشاعت۔ حضرت علیؑ
۱۳ رجب المرجب بروز جمعہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے
اور پیدائش کے بعد اس وقت تک اپنی آنکھیں نہ
کھولیں جب تک رسولِ خدا نے خانہ کعبہ میں پہنچ
کر اس مبارک نومولود کو اپنی آغوشِ شفقت میں
نہ لیا۔ نومولود نے مسکرا کر اپنی آنکھیں کھول دیں
اور اس طرح سب سے پہلے آپ نے رسول اللہ
کے چہرۂ اقدس کی زیارت کی۔ اس کے بعد بنت
اسد اپنے بچے کو لے کر گھر چلی آئیں۔ ماں باپ نے
بیٹے کے مختلف نام رکھے۔ آنحضرت نے فرمایا۔
میں اپنے بھائی کو علیؑ کے نام سے پکاروں گا
ابوطالب نے جب یہ سنا تو اسے حکم ربی خیال کرکے
سر جھکا لیا۔ قبل بعثت سرور کائنات صلعم بھی
حضرت ابوطالب کی سرپرستی میں زندگی بسر فرما
رہے تھے اس طرح حضرت علیؑ کو رسول اللہ کی
آغوش محبت میں اٹھنے بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی
حضرت علیؑ کی پیدائش کو تھوڑے ہی دن گزرے
تھے کہ مکہ میں خوفناک قحط پڑا۔ ابوطالب کا کنبہ
بڑا تھا چنانچہ اس وقت رسولِ خدا نے اپنے
چچا سے حضرت علیؑ کو بالکل مانگ لیا اور اب علیؑ
کی خبرگیری و تربیت حضورؐ کے ذمہ ہوگئی اور آپ نے
حضرت علیؑ کی پرورش بالکل ماں کی طرح کی
حضرت علیؑ کو حضورؐ کی خدمت میں ہمہ وقت
رہ کر آپ سے ہر طرح کا روحانی و اخلاقی فیض
حاصل ہوا جس کے نتیجے میں حضرت علیؑ شروع
ہی سے فضائل و اخلاق کے سانچے میں ڈھلتے
چلے گئے۔ حضرت علیؑ قریباً گیارہ برس کے تھے
کہ جناب رسالت مآب پر پہلی وحی نازل ہوئی
آپ نے گھر آکر اس کا ذکر کیا تو حضرت
خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ حضرت علیؑ نے بھی
آپ کے نبی ہونے کی تصدیق کی اور نبوت
کا اقرار کیا۔

جوں جوں رسول اللہ کی نبوت کا چرچا
ہوتا گیا اور مسلمانوں کی تعداد میں معتدبہ
اضافہ ہونے لگا تو کفار قریش کی رسول اللہ سے
دشمنی بھی روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی تھی
چنانچہ وہ رات بھی آگئی جس کے اندھیروں میں
چھپ کر رسولِ خدا کو مدینہ کا رخ کرنا پڑا۔ حضرت
ابوطالب اور حضرت خدیجہ انتقال فرما چکے تھے
کفار قریش نے رسالت مآب کو عالم خواب میں
قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور رات کی تاریکی میں
آپ کا مکان چاروں طرف سے آمادۂ قتل مسلح

مشرکین نے گھیر لیا اس موقعہ پر آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ آج مشرکین میرے قتل پر آمادہ ہیں میں فرمان خداوندی کے مطابق مدینہ جا رہا ہوں اور تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کے سو جاؤ۔ میرے اہل و عیال سے خبردار رہنا اور میرے پاس اہل مکہ کی جو امانتیں ہیں وہ ان کے مالکوں کو دے کر تم بھی میرے پاس مدینہ چلے آنا۔ چنانچہ حضرت علیؑ فرمان رسالت بجا لائے، اور جناب رسالت مآب کفار مکہ کی آنکھوں میں خاک جھونک کر بخیریت مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے گھر کے باہر کفار مکہ ننگی تلواریں لئے رات بھر پہرہ دیتے رہے مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ خانہ رسولؐ میں داخل ہو کر بستر رسولؐ پر سوتے ہوئے فرد کو کسی قسم کا گزند پہنچائے کہ علی الصبح وہ ہمت کر کے خانہ رسولؐ میں داخل ہوئے چادر اٹھائی، تو بستر رسولؐ پر ان کے بجائے تاجدار ہل اتیٰ علیؑ کو تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے بڑے اطمینان سے محو خواب دیکھا کفار سمجھ گئے کہ وار خالی گیا اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ایک شخص نے حضرت علیؑ کو بیدار کیا اور دریافت کیا کہ محمدؐ کہاں ہیں؟ حضرت علیؑ نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ کیا تم محمدؐ کو میرے سپرد کر گئے تھے جو مجھ سے پوچھتے ہو۔ کفار قریش علیؑ کے اس جواب سے سخت تلملائے لیکن انہیں یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ حضرت علیؑ سے مزید کوئی استفسار کرتے اور وہ اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے۔ یہاں حضرت علیؑ کی فراست اور علمی قابلیت کی داد دینی پڑتی ہے کہ کفار قریش کے دریافت کرنے پر اگر وہ یہ کہتے کہ مجھے معلوم نہیں تو ایسا کہنے سے وہ جھوٹ بولنے والوں میں شمار ہوتے اور اگر یہ کہتے کہ محمدؐ مدینہ تشریف لے گئے ہیں تو کفار ان کا پیچھا کرتے۔ انہوں نے ایسا جملہ کہا جس سے نہ وہ جھوٹے بنے اور نہ رسولؐ کی ہجرت کا ذکر آیا۔ انہوں نے فرمایا کیا تم محمدؐ کو میرے سپرد کر گئے تھے۔ جو مجھ سے پوچھتے ہو۔ اس سپردگی اور پوچھنے میں اتنی زبردست علمی فراست تھی کہ کفار کو مزید کسی استفسار کی جرأت نہ ہوئی اور اسی طرح حضرت علیؑ نے بستر رسولؐ پر سو کر رضائے الٰہی حاصل کر لی۔

شب ہجرت اور علی جہاد بالنفس

شب ہجرت کے بعد حضرت علی فرمان رسالت بجا لائے اور وہ تمام امانتیں جو کفار مکہ نے

جناب رسالت مآب کے پاس رکھی ہوئی تھیں ان کے مالکوں کو واپس کیں اور سامان سفر درست کر کے مع دیگر متعلقین کے جو تھے دن مدینہ کی راہ لی۔ یورپ کا مشہور مورخ کاس دی پرسیوال لکھتا ہے کہ یہ جون کا مہینہ تھا اس شدت کی گرمی میں حضرت علیؑ کو عرب کی ریتلی اور سنگلاخ زمین پر ۱۲۵ میل پا پیادہ چلنا پڑا جس سے آپ کے تلوؤں میں چھالے پڑ گئے تھے جب اس حالت میں آپ مدینے کے قریب قبا کی آبادی میں داخل ہوئے اور حضور نے آپ کو اس حالت میں آتے دیکھا تو بے ساختہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دوڑ کر بھائی سے لپٹ گئے۔

حیدر کرار کا جہاد بالسیف

جہاد بالسیف کے متعلق مورخین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اسلام کی تمام لڑائیوں میں علی بن ابی طالب نے کل صحابہ سے زیادہ دین کی نصرت کی اور ہر جگہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دشمنوں سے جہاد فرمایا۔ علیؑ کے لئے منزل افتخار میں غیرت بھی کچھ کم نہیں کہ آپ خاص خدا کے گھر میں پیدا ہوئے اور جب جوان ہوئے تو یکم ذی الحجہ ۲ھ کو جناب رسالت مآب نے اپنی دختر حضرت فاطمہ زہرا سے آپ کا عقد کر کے آپ کی فضیلت کو دوچند کر دیا حضرت علیؑ نے اپنی زرہ بیچ کر چار سو مثقال چاندی مہر میں ادا کی عقد کے بعد کچھ دن تو فاطمہ زہرا رسول خدا کے گھر رہیں پھر ۲۲ ذی الحجہ کو رخصت ہو کر حضرت علیؑ کے گھر تشریف لے آئیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علیؑ سے اس منصب عظیم کو قبول کرنے کے لئے اصرار کیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ آخر مہاجرین و انصار کے مسلسل اصرار و تقاضوں پر رضامند ہو گئے۔ لیکن زمام خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بڑی شدید کشمکشوں سے گزرنا پڑا آئے دن نت نئے فتنے اور طرح طرح کی شورشیں سر اٹھاتی رہیں مگر ان شر انگیز حالات کے باوجود آپ نے ملک کی ترقی اور دین کی خدمت کے لئے جو کچھ ان سے ہو سکا اس سے دریغ نہیں کیا۔ آپ کے زمانۂ امن میں دریائے فرات پر پل باندھا گیا جو نومسلم مرتد ہو گئے تھے ان کی پوری طرح سرکوبی کی گئی

حضرت علیؓ اس ذات گرامی کے تربیت یافتہ تھے جس کو قوم نے اپنے ایام جاہلیت میں "الامین" کا خطاب دیا تھا۔ اس لئے علی ابن ابی طالب بھی ابتدا ہی سے امانت و دیانت کے تقاضوں کو پہچانتے تھے اپنے دور خلافت میں بھی آپ کے فقر و سادگی کا دہی عالم رہا اور آپ کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی نہ دولت کدے پر کسی قسم کا پہرہ چوکی تھا نہ امیرانہ ٹھاٹ باٹ۔ غذا جو کی روٹی اور لباس پیوند لگے کپڑے۔ اس پر فیاضی۔ سخاوت اور دریا دلی کا یہ عالم کہ خود فاقے کرتے لیکن سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ اس وقت جب کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں مسلمانوں کیلئے زر و جواہر اگل رہی تھیں مسلمانوں کا یہ خلیفہ اور امیر ایک معمولی عام آدمی کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا حضرت علیؓ کی ذات میں عجیب جامعیت، محبوبیت اور مرکزیت پائی جاتی ہے کہ صوفی، ارباب نحو، اہل فصاحت، یہاں تک کہ پہلوان اور سپہ گر آپ کی ذات سے نسبت پر فخر کرتے ہیں۔

بقیہ حضرت علیؓ ص زیادہ عمومیت رکھتا ہو اور رعایا کی رضامندی کا سب سے زیادہ جامع ہو کیونکہ عامۃ الناس کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر و بے سود بنا دیتی ہے اور عامۃ الناس کی رضامندی کے ساتھ خواص ناراضگی ناقابل التفات ہو جاتی ہے تمام رعایا میں طبقہ خواص سے زیادہ احسب فول برائیاں رکھنے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔

۱۔ خوشحالی کے وقت والی کے لئے سب سے زیادہ بار خاطر

۲۔ مصیبت کے وقت سب سے کم مدد کرنے والا۔

۳۔ انصاف وعدل سے نفرت کرنے والا

۴۔ سوال کرنے میں بیجا اصرار کرنے والا

۵۔ اگر عطیات لیں تو سب سے کم شکر گذار

۶۔ نہ ملیں تو قبول عذر میں بہت سست۔

۷۔ حوادث زمانہ پر سب سے کم صبر کرنے والا۔

خالد بزمی ایم اے

قرآن میں ہو غوطہ زن!

اس دور میں ہر شخص ہے سرگشتہ و حیران — تشکیک کی زد میں ہے مسلمان کا ایمان

اسلام میں الحاد کے پیوند کی ترغیب — تعمیر کے پردے میں ہے تخریب کا سامان

خود اپنے ہیں اسلام میں تفریق کے درپے — بے دینی و الحاد کے جاری ہوئے فرمان

ابلیس کے احکام کی تبلیغ و اشاعت — ذہنوں سے فراموش ہے اللہ کا پیمان

ہر صاحبِ ایماں کا مقدر ہوئی تشویش — ہر سمت مسلط ہے عجب طرح کا ہیجان

کچھ وہ بھی ہیں اغیار کے چنگل میں گرفتار — بنتے ہیں جو آیاتِ الٰہی کے نگہبان

جس دین کو اکملت لکم حق نے کہا تھا — اس دین پہ ہے کوتاہیٔ تکمیل کا بہتان

قوا انفسکم حکمِ خداوندِ جہاں ہے — امڈا چلا آتا ہے ہلاکت کا وہ طوفان

اس دور میں جو چیز محافظ ہے ہماری — قرآن ہے، قرآن ہے، قرآن ہے قرآن

ایمان کی حفاظت تجھے مطلوب اگر ہے — قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان

اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار (اقبال)

اعلمیت مسلم ہوگئی

آیات اللہ حضرت حجۃ الاسلام آقا سید محمد کاظم صاحب شریعتمدار مدظلہ مقیم قم (ایران)

حضرت آیۃ اللہ محسن حکیم کے بعد نائب امام مجتہد اعظم اور مرجع تقلید ہیں

مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی کا بیان

پاکستان مجلس علماء کے ناظم اعلیٰ مولانا سید نجم الحسن کراروی نے جو کہ پاکستان مجلس عمل علماء شیعہ اور پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی کراچی کے بھی ناظم اعلیٰ ہیں اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ ہمارے یہاں نائب امام، مجتہد اعظم اور مرجع تقلید کا تعین کسی انتخاب سے نہیں ہوتا بلکہ صلاحیت و قابلیت کی بنیاد پر ہوا کرتا ہے۔ اس کا قدیم الایام سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ آئندہ مرجع تقلید قرار پانے والا عالم، مجتہد اعظم حتی "کی موجودگی میں ہی ابھر جاتا ہے اور جب وہاں کے تمام علماء کسی میں مرجعیت و اعلمیت کے آثار پاتے ہیں تو اسے فوقیت دے کر اور علماء سب کے سب پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مقدس اور پاکیزہ طریقہ ہے جس سے اختلاف کی بنیاد ختم ہوجاتی ہے اور موجودہ مجتہد اعظم کی وفات کے فوراً بعد وہ منظر عام پر آجاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہی طریقہ اور یہی اصول آیۃ اللہ العظمیٰ آقا سید محسن الحکیم طباطبائی کی وفات کے بعد بھی بروئے کار لانا چاہیے تھا لیکن خدا برا کرے عراق کی لادینی حکومت کا کہ اس نے آقا سید محسن حکیم کو نظربند اور کثیر علماء کو گرفتار کرکے ہمارے اس دیرینہ اصول کو کمزور کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آقا محسن حکیم کی وفات کے بعد اعلمیت و مرجعیت

معرضِ اختلاف میں پڑ گئی اور ساری دنیا کے مقلدین شدید ترین الجھن میں پڑ گئے کیونکہ مرجعیت سیاسی غرض کے تحت ایک سے زائد علماء دین دائر کردی گئی۔ مولانا نجم الحسن نے کہا کہ اب ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ آقا محسن حکیم کے انتقال کے فوراً بعد مثل سابق کسی کی اعلمیت و مرجعیت کا اعلان نہیں ہوسکتا تھا۔ بنابریں ان علما کے لئے جو عراق و ایران سے دور ہیں یہ امر ناگزیر ہوگیا کہ وہ "اہل خبرہ" کی طرف رجوع کریں اور مکمل اطمینان و یقین کے بعد اپنے اپنے حلقوں میں ان کے نام نامی و اسم گرامی کا اعلان کریں۔ انہوں نے کہا کہ یہی دشواری تھی جس کی وجہ سے پاکستان میں مرجع تقلید کے نام کے اعلان میں کئی ماہ گزر گئے۔

مولانا سید نجم الحسن کراروی نے کہا کہ اب مکمل تحقیق اور پورے اطمینان و ایقان کے بعد اعلان کیا جاتا ہے کہ

"پاکستان کے شیعوں کے لئے آقا محسن حکیم کے بعد آیۃ اللہ العظمیٰ مجتہد اعظم، فقیہ اکبر سرکار شریعت مدار حضرت مولانا آقا سید محمد کاظم قمی دام ظلہ العالی نائب امام اور مرجع تقلید ہیں۔"

مولانا نے کہا کہ اس اعلان کو تائید ملت جعفریہ خطیب اعظم حضرت مولانا سید محمد دہلوی (کراچی) استاذ الاساتذہ علامہ سید محمد قاسم پرنسپل شارع العلوم (حیدرآباد) حجۃ الاسلام علامہ طالب جوہری پرنسپل جامعہ امامیہ (کراچی) حجۃ الاسلام علامہ سید محمد یار شاہ شیخ الجامعہ باب العلم (ملتان) علامہ سید ثمر حسن (حیدرآباد) علامہ حشمت علی (حیدرآباد) الحاج مولانا نسیم السبطین (لاہور) الحاج مولانا اختر عباس شیخ الجامعہ جامع المنتظر (لاہور) مولانا سید امداد حسین شیرازی وائس پرنسپل باب العلوم (ملتان) مولانا ناصر عباس (حیدرآباد) مولانا سجاد حسین (سیالکوٹ) مولانا نظیر حسینی فاضل عراق (سرگودھا) مولانا سید ابوالحسن شیرازی (لاہور) مولانا سید علی غضنفر رضوی (لاہور) وغیرہم کی تائید حاصل ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حجۃ الاسلام حضرت

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

حج عبادت بھی ہے
اور
ایک عالمی مجلس مشاورت بھی

(محمود فاروقی)

عالم اسلام کے مسلمانوں کا یہ نمائندہ اجتماع ملت اسلامیہ کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اس مقام عظمت میں جمع ہو کر اپنے احوال و مسائل کیلئے ایک دوسرے سے مشورے کریں اور مسلمانان عالم کی فلاح و بہبود کیلئے اور اللہ کے دین کی اشاعت کیلئے ایک مشترک لائحہ عمل تجویز کریں۔ حج کی یہ خصوصیت اسلام کے ہمگیر مزاج سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے کیونکہ اللہ کا دین ایک بین الانسانی مسلک کو پیش کرتا ہے جس میں رنگ اور نسل، قوم اور وطن زبان اور معاشرت کے امتیازات کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور وہ طبقاتی گروہی تعصبات سے بالاتر ہو کر بعد کی انسانیت کو اپنا موضوع قرار دیتا ہے۔ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہی یہ ہے کہ اللہ ایک ہے سارے جہان کا مالک ہے۔ وہ کسی ایک قوم، کسی ایک ملک، کسی ایک گروہ کا خدا نہیں، بلکہ تمام انسانوں کا خالق اور رب ہے اور جس طرح اس نے ہوا، پانی، روشنی کو تمام انسانوں کے لئے بلا کسی امتیاز کے وقف کر رکھا ہے، اسی طرح اس نے اپنے دین کو بھی دنیا جہان کے انسانوں کے لئے نازل کیا ہے۔

وہ نبی جو سب سے پہلے عالمی قیادت اور امامت　عالم کے منصب پر فائز کئے گئے وہ حضرت ابراہیم

علیہ السلام تھے آپ کی دعوت توحید نے اس دور کی متمدن دنیا پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں اور آپ کی تعلیمات کا پرتو چین سے لے کر مصر تک تہذیبی، علمی، قانونی اور سیاسی ارتقاء کی صورت میں نظر آتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سے انسانیت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے اور پہلی بار دنیا عالمی اخوت کے اسلامی جذبہ سے آشنا ہوتی ہے اور ایک انسانی مرکزیت کا احساس اس دور کی تمام قوموں میں پیدا ہو جاتا ہے مسلک ابراہیمی کی وسعت اور ہمہ گیری کا تقاضہ تھا کہ دنیا بھر کے توحید پرستوں کے عالمی اجتماع کے لئے ایک بین الاقوامی مرکز تجویز کر دیا جائے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم سے شہر قدیم مکہ میں اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی اور ہر سال چند دنوں کو اس اجتماع کیلئے مخصوص کر دیا کہ ساری دنیا کے مسلمان ان دنوں میں یہاں جمع ہوں اور اسلام کی بین الاقوامی تنظیم اور تحریک کے مسائل پر باہم مشورے کریں اور اس طرح یہ اجتماع مسلمانان عالم کے اتحاد کا ذریعہ بن جائے۔

اس عالمی تحریک کا احیاء صدیوں بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہوا اور پھر ایک بار کعبہ مشرکوں کے تسلط سے نکل کر مسلمانان عالم کا مرکز بن گیا اور جس طرح مسلک ابراہیمی نے دنیا کے ملکوں اور تہذیبوں کو متاثر کیا تھا۔ حضور اکرمؐ کی دعوت توحید نے اپنے عہد کی متمدن دنیا کے علم و فکر اور احوال و مسائل پر دور رس اثرات مرتب کئے اور اسلام اس دور کی ترقی یافتہ تہذیبوں اور قوموں کا دین بن گیا اور صدیوں تک عالمی قیادت اور انسانی قیادت اسلام کے علمبرداروں کے ہاتھ میں رہی اور مکہ بین الاقوامی شہر اور مسلمانان عالم کے اتحاد و یکجہتی کا مرکز بنا رہا۔

صدیوں کے عروج و اقتدار کے بعد جب ملت اسلامیہ روبہ زوال ہوگئی تو ملت اسلامیہ ایک بے جان تنظیم کی صورت میں تو باقی رہی مگر اس کی تحریکی صلاحیت ختم ہو گئی بغیر تحریک کے تنظیم ایک جسد بے روح ہوتی ہے اور روح ہی تمام اعضاء و جوارح کو منظم اور مربوط رکھتی ہے اور جب روح نکل جاتی ہے تو جسم منتشر و پراگندہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام کی تحریکی قوت کے زائل ہوتے ہی یہ ملت پراگندہ اور منتشر ہو گئی اور

اس کی مرکزیت کا خاتمہ ہو گیا۔

نماز روزہ زکاۃ حج وغیرہ ملت اسلامیہ کے اجتماعی اور تنظیمی ادارے ہیں جو افراد کی تو الگ الگ اسلامی زندگی کے لئے تربیت دیتے اور اجتماعی طور پر پوری ملت کو اسلام کی عالمی تحریک سے وابستہ اور مربوط رکھتے ہیں مگر تحریکی شعور کے مردہ ہو جانے کے بعد ان عبادتوں کے جو اجتماعی فائدے تھے ان سے ملت اسلامیہ محروم ہو گئی اور اسلام مسلمانوں کا اجتماعی مسلک نہیں رہا بلکہ ان کا انفرادی دین بن کر رہ گیا۔

حج کا اجتماع آج بھی مسلمانان عالم کے اتحاد و اخوت کی علامت ہے اگر ہر سال منعقد ہونے والی مشاورت اسلامی تحریک کے احیاء و فروغ کا ذریعہ بن جائے تو مسلمانان عالم نہ صرف ترقی کے منازل طے کر سکتے ہیں بلکہ وہ اقوام عالم کی رہنمائی اور سیادت کے فرائض بھی انجام دے سکتے ہیں۔

بقیہ اعلمیت مسلم ہو گئی۔ آغا سید مہدی الحکیم مدظلہ العالی نے کراچی میں اس کے متعلق گفتگو کر لی ہے۔ مولانا کرزوی نے کہا کہ تقلید اعلم واجب ہے اور آغا سید محمد کاظم کی اعلمیت مسلم ہو چکی ہے لہٰذا شیعوں کو چاہئے کہ ان کی تقلید کریں تاکہ ان کے اعمال و عبادات ضائع نہ ہوں وما علینا الا البلاغ۔ اعلم دوران آقائے سید محمد کاظم شریعت مدار مدظلہ کا پتہ یہ ہے:- ادارۂ تبلیغات اسلام شہر قم (ایران)

صہبا اختر

عید

سربلندی بھی عجب، عالمِ مستی بھی عجب
کوئی دیکھے تو مرے وادی و کہسار کی عید

سائے سائے میں درخشاں مئے عشرت کے ایاغ
گوشے گوشے میں فروزاں درو دیوار کی عید

مشک آسودہ ہوا پر کرمِ گلُ نفشاں
شفق آلود فضا میں لب و رخسار کی عید

پہلوئے ماہ وشاں میں مہ و انجم کو نشاط
سایۂ سرو قداں میں گل و گلزار کی عید

شب فروزاں آگ میں جلتے ہوئے لمحوں کے چراغ
نیم خواب آنکھوں میں رقصاں، دل بیدار کی عید

بھول سکتی ہے کہاں شانِ براہیمیؑ کو
دین کی راہ میں ہر حق کے پرستار کی عید

نئے مفہوم بھی رکھتی ہے بنام ملت
راہِ تسلیم میں یہ صبر کے اظہار کی عید

ان شہیدوں کو فراموش نہ کرنا ہرگز
جن شہیدوں کا تصدق ہے یہ ایثار کی عید

عرصۂ جنگ میں چمکی جو مثال خورشید
آج کی عید ہے، اس عزم کی تلوار کی عید

فخر کر قوم کی ثابت قدمی پر اے دل
عید کے ساتھ منا، قوم کے کردار کی عید

مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ

گزشتہ سے پیوستہ

بھوک، افلاس، ناداری، بیروزگاری

مساوات کے خواب دیکھنے والے ایک سراب ہے جس کی طرف قوم کو دعوت دے رہے ہیں ناممکن کو ممکن اور دشوار کو سہل بنانا اس کا کام ہستی ہی رہ کر کسی کے بس کی بات نہیں ہے مجسٹریٹ اور مستغیث میں جج اور فریقین میں دفتر کے انچارج اور چپراسی میں کیونکر برابری ہو گی اس پر کبھی غور کیا ہے مریض ڈاکٹر کا محتاج ہے خود اپنا علاج کر کے صحتیاب نہیں ہو سکتا معالج کے در پر جانا ضروری ہے روزگار کی بحث اور پیٹ کا سوال چونکہ سب سے اہم انسانی زندگی میں ہے اس لئے اس محل پر مساوات کی بحث چھیڑ کر نظام عالم سے بے خبر ہونے کا پکا ثبوت ہے اگر ہم سرفہرست کو دیکھتے ہیں جو قدرت نے ہماری خورد و نوش کی خود قرار دی ہے تو ایک طرف فواکہات انگور، انار، سیب اور دوسری طرف چنے اور جوار۔ اول الذکر جن کے دسترخوان کی زینت ہیں وہ چنے اور جوار کی طرف راغب نہیں اور اس کسان کو میوہ جات کا ذائقہ ہی نہیں معلوم۔ لہذا ثابت ہوتا ہے کہ روزگار میں بھی گوناگوں اور درجہ بدرجہ بلند و پست شان ہے لہذا مساوات کا نعرہ ایک دھوکہ ہے۔

امیر گھرانے کا سپوت اگر عقل و دانش سے خالی ہوا تعلیم کے قریب نہ گیا تو اس کو باپ دادا کے دسترخوان کی نعمت دیکھنے کو ملے گی اور وہ چنے کی روٹی کھائے گا۔ اور کسان اگر فکر و نظر کی بستی میں گیا تعلیم سے خوگر ہوا تو وہ اعلیٰ غذائیں کھا سکتا ہے: مساوات کا وجود نہیں ہے۔ خوش قسمتی سے اس وقت یہ آوازیں مسلمانوں کے ذہن سے نکل رہی ہیں جو کتاب و سنت کا راگ الاپتے ہیں لہذا ان کو سمجھانا تو کچھ دشوار امر نہیں ہے قرآن کے با اعلان فیصلے ہیں کہ روزگار میں مساوات نہیں ہے اور ہمارا دسترخوان خدمت گار کے ہاتھ میں نہیں ہے نہ ہوٹل میں ہے۔ یہ قدرت میں ہے۔ جو آیات قبل کی قسطوں میں پیش کیں اس کے علاوہ سورہ ملک ۶۷ آیت ۲۱ ملاحظہ ہو آیا کون ہے وہ شخص جو تم کو رزق دیتا ہے اگر اپنا دیا ہوا رزق بند کر لے (پھر بھی یہ لوگ

متاثر نہیں ہوتے) سرکشی پر جم گئے ہیں (قرآن مجید اردو ترجمہ ص ۹۴۳ سورۂ تکویر پارہ ۲۹) فہم میں قصور اور معنی قرآن کو نہ سمجھنا سرکشی نہیں تو کیا ہے اس سے واضح آیت اور کھلا ہوا ثبوت عصر حاضر کے اقتباسات کے لئے سورہ نحل کی آیت ۷۱ اللہ نے تم میں بعضوں کو بعضوں پر رزق میں فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں ہیں کہ وہ (مالک و مملوک) سب اس میں برابر ہو جائیں (سورہ نحل پ ۱۴ ص ۳۸۹ قرآن ترجمہ علامہ تھانوی علیہ)

عصر حاضر کے دور اختلافات میں اس سے بہتر فیصلہ کن آیت نہیں ہے۔ جو افتراق پسند انسان کی زبان بندی کرتی ہے گھر میں ہے۔ تراجم لاتعداد ہو چکے ماہ رمضان کے متبرک ایام میں تراویح میں بھی بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے اب بھی اگر معانی سمجھ میں نہ آئیں تو کتاب و سنت سے آشنا آئین کیا بن سکتے ہیں گذشتہ ۴۰ سال قبل اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء میں جناب مولانا سید ابن حسن صاحب جارچوی اور ابوالبراءۃ علامہ سید ظفر مہدی صاحب جائسی مدیر سہیل یمن لکھنؤ میں باہمی اختلاف کے موقعہ پر الواعظ میں استاد کے خلاف جو مقالات اور جائسی مرحوم کے نکل رہے تھے اسی وقت مدیر نے اپنی رائے محفوظ رکھی تھی طرفین کے علمی اقتدار کی حرمت میں آج سورہ نحل کی پیش کردہ آیات کو دیکھ کر روزی پر خدا کا بھرپور تسلط ثابت کرنے کے بعد مسلمانوں

کو وہ حدیث یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جس نے خدا کے ۹۹ نام کا احصار کر لیا وہ جنت میں پہنچ گیا۔ کیا ان ناموں میں سے یا رزاق یا رازق کے معانی پر کبھی غور نہیں کیا۔ رزاق تم ہو یا خدا

شبہ اگر تم یہ کہو کہ خدا کا نام خیر الرازقین بھی ہے تو یہ ہمارے دعاوے کے منافی نہیں ہے اس کا نمونہ احسن الخالقین ہے جس طرح کسی شئے کا بنانے والا مجازاً خالق ہے اسی طرح ماں بچہ کو دودھ پلا کر مجازی رازق طلبہ کے وظائف یا علمی مشاہیروں کو اور تنزاق اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ خورد و نوش میں مدد دیتے ہیں اور مجازی رزاق ہیں حقیقت صرف خدا کی ذات سے خاص ہے

خدا جسم و جسمانیات سے منزہ اور پاک ہے وہ راشننگ خود تقسیم نہیں کرتا کبھی درخت کے پھلوں کو ذریعہ قرار دیا۔ کبھی پستان مادر کو کبھی میزبان کے دل میں شفقت پیدا کر کے کبھی سخی و جواد کو رحیم قرار دے کر محتاج کو روزی دی۔ اور تقسیم روزی میں سب سے بڑی ذمہ داری معاشرہ میں یہ ہے کہ کچھ افراد اس کے لئے واجب النفقہ قرار پاتے ہیں مثلاً شوہر پر بیوی کا نفقہ اور جملہ اخراجات واجب اب نہ لڑکی پر فکر معاش کے لئے ایم اے کی ڈگری یونیورسٹی سے حاصل کرنا ضروری ہے نہ انٹرویو کے لئے دفاتر کی دوڑ اور اپنے جمال سے فائدہ اٹھا کر امیدوار لڑکوں پر کامیابی میں سبقت لے جانے کی

بقیہ ص ۲۳ پر

اسلامی دستور ہی انسانیت کیلئے مرہم ہے

جناب افتخار حسین خاں صاحب کراچی

پاکستانی قوم اس وقت عجیب کشمکش اور الجھن میں گرفتار ہے صوبائی عصبیت کی گھمبیر گھٹن فرقہ وارانہ عفریت، طبقہ وارانہ منافرت کا زہر اور ان سب کے ساتھ اسلام اور سوشلزم کا ٹکراؤ۔ یہ وہ افکار ہیں جنہوں نے اتحاد قومی اور پاکستانی فکری اساس کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جن جذبات اور احساسات کے ساتھ پاکستان حاصل کیا گیا تھا اور جس اتحاد و یگانگت کے ساتھ قائد اعظم کی قیادت میں قوم ایک مرکز پر جمع ہو گئی تھی وہی جذبہ اور جوش تعمیر اور استحکام پاکستان کے کام آتا۔ مگر آج اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ ہے اور لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول کر وحدت ملی کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔

اس وقت بھی ایک ہی نعرہ اور ایک ہی نقطہ اتحاد تھا اور آج بھی اس انتشار سے جو شے ہمیں محفوظ و مامون بنا سکتی ہے وہ ہے اسلام اور صرف اسلام۔ اسلام کی اعلیٰ اقدار لازوال بھی ہیں اور آفاقی بھی۔ اسکے اصول زندہ جاوید بھی ہیں اور کائنات پر حاوی بھی۔ اس کا دستور ہی انسانیت کا ماویٰ اور ملجا ہے۔ اس کے بنیادی مسائل کو نہ کسی طبقہ اور وقت میں محدود کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ وہ کسی فرقہ اور جماعت کیلئے مختص ہیں۔ وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ اسلامی عظمت اور سربلندی کیلئے اسلامی فرقوں میں حقیقی اتحاد کی کوشش کی جائے اور مسلم فرقے سر جوڑ کر بیٹھیں اور اسلامی دستور کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔

سب سے پہلے ہمیں یہ غور کرنا چاہیے کہ پاکستانیوں کے فکری اور ذہنی انتشار کی وجہ کیا ہے بائیس خاندانوں میں پورے ملک کی دولت کیسے جمع ہو گئی اور ایک عام پاکستانی کی اقتصادی حالت دن بدن کیوں گرتی جا رہی ہے اسکے پس پردہ کون سا ہاتھ کام کر رہا ہے صوبائی عصبیت کو کس نے ہوا دی اور قومی مفاد کے سودے بازی

کا چشمہ کہاں سے پھوٹتا ہے میرے احباب
مجھے معاف فرمائیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تمام مفاسد
"بیوروکریسی" کی کوکھ سے پیدا ہوتے ہیں اور ہم
افسر شاہی کے ہاتھوں تباہ ہیں اب وہ نظام زندگی
ہے جو اسلام کے مقابلہ میں پیش کیا جا رہا ہے یعنی
سوشلزم سے میں اسلئے خائف نہیں ہوں کہ وہ
اسلام پر غالب آ جائیگا مجھے اس کا بھی ڈر نہیں ہے
کہ روٹی کپڑے کے عوض وہ میرے ضمیر کی آزادی اور
روح کا سکون چھین لے گا اور نہ مجھے اس بات کی فکر
کہ اکثریت کا لاشعوری جذبہ ہمیشہ کیلئے میری ذہنی
اور فکری امنگوں کا گلا گھونٹ دیگا مجھے تو سب سے
بڑی پریشانی اس بات کی ہے کہ سوشلزم میں
"بیوروکریسی" یعنی افسر شاہی بے لگام ہو کر اپنے کمال
عروج اور پورے اقتدار کے ساتھ حکمرانی کرتی ہے
اور یہ وہ ناسور ہے جس کا علاج لینن جیسا کامریڈ
نہ کر سکا اور نوکر شاہی کے ہاتھوں اپنی بے بسی کا
رونا روتے روتے آخر خود مر گیا اور اب چین میں ماؤ
کو ثقافتی انقلاب کے پردے میں اسی نوکر شاہی کے مقابلے
میں ڈٹنا پڑا۔ مگر بے بس یاد رکھئے سوشلسٹ ملکوں
کا یہ وہ مرض ہے جس کی کوئی دوا نہیں لہٰذا میں
اپنے سوشلسٹ دوستوں سے یہ دریافت کرنا چاہتا
ہوں کہ اس بیوروکریسی اور
کو پہلے کچھ کم تباہ اور برباد کیا ہے۔
مزید اس چکی میں پیس کر ہمیں ریزہ ریزہ کر دینا
چاہتے ہیں۔

قوم کے سوشلسٹ نوجوان ہم سے پوچھتے ہیں
کہ یہ مانا کہ اسلام کے اصول دائمی اور لاجواب،
اسلامی آئین بے نظیر اور بے خلل ہے مگر اس کے
کرتا دھرتا کون ہوں گے۔ یہ ہمارے علماء کرام کیا
انہیں واقعی اسلام اور دین سے محبت ہے کیا
انہوں نے اجتماعی اتحاد کا ثبوت فراہم کیا ہے
کیا ان کے حلقے سے کبھی کوئی ایسی ہمہ گیر تحریک
شروع ہوئی جو معاشرہ کو سدھار سکتی۔ اگر ایسا ہوا
ہوتا تو ہماری حالت دن بدن بد سے بدتر کیوں ہوتی۔

ہم سے یہ بھی دریافت کیا جاتا ہے کہ سلف
صالحین میں اگر علماء کا آپس میں تقابل کیا جاتا تھا
تو زہد و تقویٰ میں سادگی اور قناعت پسندی میں اور
اگر پرکھا جاتا تھا تو علم و عمل کے عظیم معیار پر، مگر
آج علماء آپس میں ایک دوسرے سے اپنا مقابلہ
کرتے ہیں تو اس امر میں کہ کس کے پاس کتنی دولت
ہے کون ہر روز اچھی سے اچھی موٹر پر نکلتا ہے کس
کے قبضے میں کون کون سے سیٹھ اور جاگیردار ہیں اور

سجادہ گھیج کو

اسلام ملک سے معاشرہ کی اصلاح

ہو اجب یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے یہ بھی علماء ہیں کہ جن کی بہو بیٹیاں نہ صرف اپنے ملک کے بازاروں میں ہی آزادانہ نہیں گھومتیں بلکہ لندن اور امریکہ کی مارکیٹوں میں بھی انہیں دیکھا جا سکتا ہے اور یہ اس پر مطمئن ہیں۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

میرے خیال میں اس وقت یہ ضروری ہے کہ اسلام کا بول بالا کرنے کیلئے پہلے اپنے گھر کی اور پھر قوم کی اصلاح کی جائے۔ اگر مصلحین ہی سرمایہ داروں کے کاسہ لیس اور دولت مندوں کے چشم ابرو پر ناچنے والے بنے رہے تو نتیجہ ظاہر ہے اس وقت ضرورت ہے ایسے علماء کرام کی جنکی طرح سیٹھ صاحبان اور بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی خوشنودی نہ ہو بلکہ اسوۂ رسولؐ اور تاسی آلؐ پیغمبر ہو جن کے دل میں عوام کا درد، ملک کی فلاح کا خیال اور قوم کی حقیقی عظمت کا احساس ہو جو اپنوں کو بیگانہ بنانا نہ جانتے ہوں بلکہ غیروں کو اپنا بناتے ہوں۔

یاد رکھئے ابھی وقت نہیں گزرا ہے تئیس سال کا عرصہ قوموں کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا اگر ہم اب بھی فرقہ واریت سے پاک، صوبائی عصبیت سے مبرا ہوکر پاکستان کی فلاح کو بنیاد بنائیں اور دل میں کشادگی اور نگاہوں میں وسعت پیدا کر کے آگے بڑھیں تو پاکستان کو ایک فلاحی مسلم ریاست بنانے میں انشاءاللہ کامیاب ہو جائیں گے، اور یقیناً خداوند بزرگ و برتر ہماری مدد کرے گا۔

بقیہ بھوک، افلاس ناداری

خوشی تمہارے اخراجات ہونے والے شوہر پر ہیں اور اگر یہ کہو کہ نا اتفاقی ہوئی یا قبل از وقت شوہر مر گیا تو یہ ڈگری ملازمت میں کام آئے گی تو کیا رازق خدا نہیں ہے اور عقد ثانی سے کس نے روکا۔ علم کا ایک شعبہ دستکاری کیلئے ہے نہ؟ اس قسط کا حاصل یہ ہے کہ معاشرہ میں کچھ وہ ہیں جن کا نفقہ دوسرے پر واجب ہے اور یہ حکم بھی رازق عالم کا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ شریعت اسلام معاشیات سے خاموش ہے صحیح نہیں ہے بیماریوں کا بھی اسلام میں خاص حل ہے ۔۔۔

پریس ریلیز

انجمن حیدری رجسٹرڈ حیدرآباد کے جنرل سکریٹری پروفیسر سید واحد حسین نقوی اطلاع دیتے ہیں کہ سجادہ نشین جہانیاں پوٹھ و سرپرست انجمن حیدری رجسٹرڈ حیدرآباد معمولی علالت کے بعد مورخہ ۵ر دسمبر ۱۹۷۰ء بروز ہفتہ بوقت ۷ بجے صبح بعمر ۱۱۲ سال اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ دین حقہ کی تبلیغ واشاعت کے لئے مرحوم کی بڑی گراں قدر خدمات ہیں۔ آپ کی ذات جامع الصفات تھی۔ آپ سخاوت اور حق گوئی کے بے پناہ ورثہ کے مالک تھے۔

سینکڑوں کی تعداد میں حیدرآباد کے معزز شہریوں نے جنازہ میں شرکت کی اور بنہایت عزت واحترام کے ساتھ مرحوم کو ان کے آبائی قبرستان دادن شاہ میں ان کے والد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

انجمن حیدری اپنے شفیق سرپرست سید دادن شاہ نقوی بخاری جیسی نیک ہستی کے انتقال پر ملال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتی ہے اور مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ اس غم میں برابر کی شریک ہے

سید واحد حسین نقوی جنرل سیکریٹری انجمن حیدری حیدرآباد

حقیقت یہ ہے کہ جناب محترم سید دادن شاہ صاحب نے ہمیشہ مذہب کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھا اور ہر مقام پر اسی دین حقہ امامیہ کی تبلیغ کرتے رہے حیدرآباد کے شیعوں پر مرحوم نے کربلا کے لئے زمین دے کر بڑا احسان عظیم کیا ہے خداوند عالم مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ مومنین کرام ایسی محسن قوم شخصیت کے لئے جتنا بھی کار خیر کریں وہ کم ہے۔ قارئین کرام مرحوم کیلئے ایک سورہ فاتحہ ضرور پڑھیں۔ (ادارہ المعرفتہ حیدرآباد)

کتب غفرت

ممتاز الافاضل

نماز دین کا ستون اور جنت کی کنجی ہے

لی درخواست مقررہ فارم پر دفتر جامعہ ایمانیہ ... کی
چاہئے۔ تفصیل کے لئے ایک روپے کے ...
وغیرہ حاصل کیجئے۔

پتہ :۔ مہتمم جامعہ ایمانیہ ۱۵۴۔
... سوسائٹی کراچی

نماز دین کا
جنت کی کنجی

لمعرفة

حیدرآباد (مغربی پاکستان)



دینی علمی

ادبی

اخلاقی

ماہنامہ

مدیر

ست علی ممتاز الافاضل



مسجد باب الاسلام
تشریف لایئے شوروم نمبر ۲
روپا چند بیلانا
مسجد آرام باغ
پانجرہ پور روڈ
تشریف لایئے شوروم نمبر ۱ ٹیلیفون ۳۱۸۹۸
میز۔ کرسی۔ مسہری
"لکی فرنیچر ورکس"
کی خدمات حاصل کریں۔

حضرت حجت نمبر

ماہنامہ العرفان کا دورِ جدید

المعرفت

ٹنڈو طیب حیدرآباد

مدیر
حشمت علی
ممتاز الافاضل

چندہ
سالانہ ۔ ۵ روپے
ششماہی ۳ روپے
فی پرچہ سوا روپیہ

پہلا سال | دسمبر جنوری سنہ ۱۹۶۵ء شعبان و رمضان سنہ ۱۳۸۴ھ | نواں (۹) و دسواں (۱۰) شمارہ

فہرست مضامین

حشمت علی ممتاز الافاضل پرنٹر پبلشر نے نامی پریس حیدرآباد سے چھپوا کر دفتر المعرفت ٹنڈو طیب حیدرآباد سے شائع کیا۔

اب اگر انسان بھی ایسا ہو جائے کہ جس دروازہ سے ملے اسی
کو خدا سمجھ لے۔ جس شخص کے ہاتھ سے ملے اسی کو سجدہ کرنے کے لئے
تیار ہو جائے تو اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔

انسانی علم کی منزل بلند ہے۔ اُسے احساسات و
مشاہدات کی چار دیواری کو پھاند کر ماوراء تک پہنچنا چاہیئے۔
اسی لئے قرآن میں آیا ہے۔

ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدًی للمتقین
الذین یؤمنون بالغیب۔

یہ قرآن جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہدایت
ہے ان فرض شناسوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

اب آج فخر اس کا ہے کہ ہم تو وہی مانتے ہیں جسے آنکھوں
سے دیکھتے ہیں۔ مگر یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے۔ مادی علوم
ہی کو ملاحظہ کر لیجیے۔ کیا مادہ آنکھوں سے دکھائی دیا ہے۔
کیا اُن ذرات مادہ کا جس سے اس عالم کی تخلیق کا مفروضہ
انھوں نے بنایا ہے کبھی مشاہدہ ہوا ہے۔ صرف اس کے آثار اور
لوازم آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اور ان سے یہ مادہ کے وجود
کے قائل ہوئے ہیں۔ پھر ہم کب کہتے ہیں کہ یہ خالق کو بے دیکھے
مانیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ آثار کو دیکھیں اور مؤثر کے وجود
کو تسلیم کریں۔

یہی اصول قدیم میں بھی کارفرما تھا اور یہی دورِ جدید
میں بھی ہے۔

ہمارے اطبائے یونانی نبض دیکھ کر بخار کی
تشخیص کرتے تھے اور ڈاکٹر تھرمامیٹر میں بخار کو دیکھتے ہیں
مگر کیا تھرمامیٹر میں اس مریض کے جسم کا بخار موجود ہوتا ہے۔
یہ تو یہاں ہوتا ہے جو نظر آتا ہے مگر اس میں عادۃً تلازم کا پتہ
چل گیا ہے۔ مقدار حرارت اور پارہ کی حرکت میں تلازم
کے عقلی تقاضے کی مدد سے پارہ کی مقدار حرکت کو دیکھ کر اس
جسم کی مقدار حرارت کا پتہ چلایا جاتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہی
اثر کو دیکھنا اور مؤثر کا پتہ لگانا۔

یہ سبب کی تلاش بچہ میں آغاز فطرت سے ہوتی
ہے جس وقت سے اس نے پہلے ہر چیز کو سمجھنا اور پوچھنے
پر قدرت کے بعد دریافت کرنا شروع کیا کہ یہ کیا ہے؟
یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟۔ یہ تصورات کا ذخیرہ ہے۔ جو
اس کا دماغ فراہم کرتا ہے اور پھر سلسلہ شروع ہوتا ہے
کیوں کا۔ یہ کیوں ہے وہ کیوں ہے۔ وہ کیوں ہے یہ کیوں
کیوں کا سلسلہ بعض وقت اتنا طولانی ہوتا ہے کہ غریب شفیق
ماں باپ جواب دینے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ وہ تشنگی
ہے جو اس کی فطرت ہر شے کے سبب کے معلوم کرنے کے لئے
محسوس کرتی ہے۔ اب بچپن سے تو اس کی فطرت نے کہا ہے
ہے کہ ہر شے کا ایک سبب اور ہر اثر کا ایک مؤثر ہوتا ہے
اب بڑے ہونے کے بعد جب وہ اس پوری موجودات کی بابت پوچھے تو
آپ کہیں کہ وہ تو از خود پیدا ہو گئی ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ اس
سے آگے کوئی موجود نہیں ہے۔ کوئی سبب نہیں جو اسے نیستی
سے ہستی میں لایا ہو۔ تو یہ اس کی فطرت کی مخالفت نہیں تو
اور کیا ہے؟ اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ دین الٰہی فطرت ہے۔
یعنی اس کا سرچشمہ خود انسانی فطرت کے مقتضیات ہیں۔
جس کے خلاف کوئی کوشش مستقل طور پر کبھی کارگر نہیں
ہو سکتی۔

آپ تاج محل کو دیکھ کر اس کے صناع کی تعریف
کرتے ہیں حالانکہ اس صناع کو دیکھا نہیں۔ ریل۔ ہوائی جہاز
ٹیلیفون۔ ریڈیو اور تمام مشینیں جو رائج ہیں ان کے موجدین
کو داد دی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ موجد آنکھوں کے سامنے نہیں
ہے پھر آخر اس عالم کائنات کے مجموعہ کو دیکھ کر اس کے خالق کو
اگر تسلیم کیا جائے تو یہ نئی بات کیا ہے اور اس کا انکار کیوں

سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد لکھنؤ

ایمان بالغیب

آج کل کی متمدن دنیا کا سرمایۂ نازش یہ بن گیا ہے کہ جس کو دیکھتے ہیں اس کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا علم مشاہدات کے تابع ہے ان دیکھی باتوں پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علم کو مشاہدات میں محدود بنا لینا انسانی امتیاز نہیں ہے۔

یہ سب مانتے ہیں کہ انسان دوسری تمام چیزوں کی نسبت بلند ہے مگر یہ بلندی آخر کس اعتبار سے ہے اگر جسمیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پہاڑ انسان سے بدرجہا بلند ہیں۔ نشو و نما کے لحاظ سے دیکھئے تو درختوں میں جتنی جلدی نشو و نما ہوتی ہے۔ انسان میں نہیں ہوتی۔ احساسات کے اعتبار سے دیکھئے تو بہت سے جانور انسان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ چیل کی نگاہ انسان کی نظر سے کہیں تیز ہے۔ بعض حیوانات کی قوت شامہ بدرجہا زیادہ قوی ہے۔ اگر انسان کا جوہر امتیاز ان چیزوں میں منحصر ہو تو وہ کائنات کے دوسرے اشیاء سے پیچھے نظر آتا ہے۔ پھر بلند کیونکر سمجھا جاتا ہے۔

اب اگر انسان کو اشرف المخلوقات مانا جاتا ہے۔ تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس میں ان چیزوں کے ماورا کوئی جوہر ایسا ہے جو دوسروں میں نہیں ہے۔ اب اس جوہر خاص کی تلاش کیجئے۔ کہا جائیگا کہ یہ علم و عمل ہے مگر علم کے معنی اگر فارسی میں "دانستن" اور اردو میں جاننے کے ہیں۔ تو کون کہتا ہے کہ جانور کچھ نہیں جانتا۔ وہ جس جگہ رہتا ہے اس جگہ کو جانتا ہے۔ اگر اُسے کسی دوسری جگہ کھڑا کر دیا جائے تو وہ بے چین رہیگا اور اُسے قرار نہیں آئیگا۔ جب تک اپنی جگہ پر نہ آ جائے۔ جس کے ہاتھ سے غذا پاتا ہے، اُسے خوب پہچانتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اُس کے سامنے ہو تو اُس سے غذا نہیں مانگے گا۔ نگاہِ طلب اُسی پر پڑیگی۔ اپنے کھانے کی غذا کو جانتا ہے کہ اُسے کیا کھانا چاہیئے، اپنے حفظانِ صحت کے اصول کو جانتا ہے۔ اسی لئے جنگل میں کسی جانور کو کبھی بیمار نہیں دیکھا گیا۔ وہ تو غیر فطری ماحول میں جب کوئی آدمی انہیں پال لیتا ہے۔ اُس وقت بھی کبھی بیمار ہوا کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی بغیر پرکار کے متوازی خانے بناتی ہے۔ مچھلی دریا میں تیرنا جانتی ہے بلکہ یہ باتیں انسان نے حیوان ہی سے سیکھی ہیں۔ لہٰذا جاننا انسان سے مخصوص نہیں ہے۔ حیوان بھی بہت سی باتیں جانتا ہے۔ پھر وہ کیا علم ہے جو انسان سے مخصوص ہو؟

اس پر غور کرنے سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ حیوان کا علم مشاہدات و محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے۔ میں نے کہا کہ جس کے ہاتھ سے غذا ملتی ہے وہ اُسے پہچانتا ہے۔ مگر بس اسی کو پہچانیگا۔ مثلاً ملازم کے ہاتھ سے غذا ملتی ہے تو اسی کو جانیگا۔ اصل مالک کو نہیں پہچانے گا۔

کیا جاتا ہے ؟

سب سے بڑی خالق کی نشانی جو اپنے سے قریب ترین ہے وہ اپنا نفس ہے۔ سورج اور چاند اور تمام کارگاہ عالم ہستی کا ادراک جسمانی آنکھوں سے ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی دیکھنے سے معذور ہو تو شاید وہ پھر خالق کی معرفت سے بھی قاصر سمجھا جائے مگر انسان کو خود اپنا علم نہ دیکھ کر ہوتا ہے نہ اپنی آواز سن کر نہ اپنا مزا چکھ کر نہ اپنے کو ہاتھ سے چھو کر اور نہ ناک سے سونگھ کر بلکہ خود اپنا وجود ہی اپنا پتہ دیتا ہے اور یہی خود خالق کی نشانی ہے۔ لہٰذا خالق کے جاننے کا بھی آنکھ کان ہاتھ وغیرہ کے احساسات پر انحصار نہیں ہے بلکہ صرف دل و دماغ درکار ہے۔ اگر تمام قوائے احساس معطل ہیں اس لئے آسمان و زمین آفتاب و مہتاب غرض کائنات عالم کی کوئی چیز نہیں دیکھ سکتا تب بھی خود اپنے وجود کو تو محسوس کرتا ہے اور یہی خالق کے وجود کا اعتراف کرانے کے لئے کافی ہیں ......

ہاں! کہا جاتا ہے کہ بغیر دیکھے یقین نہیں ہو سکتا جس کا مبہم ذہنی گمان ہو سکتا ہے مگر یقین بھی ایک نادیدہ چیز ہے آثار ہی کے ذریعہ سے پہچانا جا سکتا ہے بلکہ جہاں تک ہم اندازہ کرتے ہیں انسان پر حقائق اشیاء اپنے وجود اصلی کے ساتھ اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ انکا اثر باعتبار مراتب ادراک ہوتا ہے۔ فرض کیجئے راستے میں شیر ہے اور آپکو اس کا تصور نہیں ہے تو بلا خوف و دہشت راستے سے گذر جائیں گے۔ لیکن اگر کسی نے کہہ دیا کہ شیر ہے تو چاہے وہ واقعتاً نہ بھی ہو آپ پر خوف و دہشت طاری ہو جائے گا۔ ایک بچہ اپنے باپ سے ڈرتا ہے جب تک باپ گھر میں موجود ہے وہ کوئی شرارت نہیں کرتا جوں ہی باپ گھر سے نکلا اور اس نے آفت برپا کی لیکن اگر کسی نے کہہ دیا کہ وہ دیکھو آ گئے تمہارے باپ تو فوراً وہ چونک پڑے گا یہ کہنے چونکا دیا باپ کے آنے کے تصور اور احتمال نے اب جتنا یہ تصور قوی ہو اتنا اثر زیادہ ہوگا۔ مثلاً اس کے کسی ہم سن نے کہا تو وہ فوراً مڑ کر دیکھے گا۔ اور اگر ماں نے یا کسی بزرگ نے جس کی بات کو وہ مذاق پر محمول نہیں کرتا۔ کہہ دیا تو وہ بے تحاشہ بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ معلوم ہوا کہ کردار مدارج اور اک کے مطابق ہوتا ہے ......

اب ذرا خدا کے ماننے والوں کا کردار دیکھئے! دیکھئے کہ وہ یقین کا مظہر ہے یا نہیں ......

یہاں تو اس کردار میں یہ نظر آتا ہے کہ مشاہدہ بے اثر ہے اور اس کے مقابلے میں یہ غیب کا اعتقاد اثر انداز ہے۔

شب ہجرت رسولِ خدا کا بستر اور حضرت علیؑ ابن ابی طالب کا آرام کی نیند سونا جبکہ مکان کے گرد کھنچی ہوئی تلواریں تھیں۔ یہ دشمنوں کا محاصرہ۔

یہ چمکتی ہوئی تلواریں۔ یہ انکی دہشتناک باتیں سب عالم شہود کی چیزیں تھیں اور ان کا تقاضا کیا تھا؟ خوف و اضطراب پیدا کرنا۔ اب اس کے برخلاف اگر حضرت علیؑ مطمئن ہیں ان میں اضطراب کا نام و نشان نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ ایمان بالغیب کا اثر ہے جو مشاہدات پر غالب ہے ......

کربلا کے میدان میں سامنے کم از کم تیس ہزار کا لشکر یہ ایک مشاہدہ تھا۔ بندش آب مشاہدہ و احساس تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی تشنگی اور ان کی العطش کی صدائیں عالم شہود کی چیزیں تھیں۔

اپنے ساتھ بی بیوں کا ہونا اور انکی بے سروسامانی سامنے کی بات تھی بلکہ عباسؑ و علی اکبر کا شباب۔ قاسم کی کمسنی۔ بچوں کے حسین چہرے یہ سب مناظر آنکھوں کے سامنے تھے۔ اور ان تمام باتوں کا تقاضہ یہ تھا کہ بیعت



حجۃ الاسلام حضرت آیت اللہ آغائے محسن حکیم مدظلہ
اعلم دوران ۔ نجف اشرف



حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد محسن
صاحب قبلہ مجتہد وکیل خصوصی حضرت
آغائے محسن حکیم مدظلہ و سرپرست
ادارہ مرکز حقوق شرعیہ کراچی۔

مٹیاری قدیم سے دینی مرکز ہے۔ مگر اس شہر میں حقیقی محافظین کا نام لینے والا کوئی نہیں تھا آخر سرکار کربلا نے حضرت حر کی طرح جناب سید زین العابدین شاہ کے پورے گھرانے کو اپنا لیا ہے جہاں ہر سال یوم حسین اور جشن میلاد النبی بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔



عالیجناب سیادت مآب الحاج سید زین العابدین شاہ صاحب زمیندار مٹیاری



بڑے جوشیلے محب اہلبیت جناب سیٹھ علی بھائی یوسف علی صاحب ماری والا چیف کیشر سنٹرل بینک آف انڈیا اسٹیشن روڈ حیدرآباد



سندھ کی سب سے پرانی اور بڑی انجمن امامیہ حیدرآباد کی مجلس منتظمہ کے اراکین

یزید کے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی زندگی کا تحفظ کیا جا
لیکن غیبی طاقت پر ایمان تھا جو اس بیعت سے روک رہا
تھا۔ وہ تقاضے مشاہدات کے تھے جو مغلوب ہوئے اور یہ
غیب پر ایمان تھا جس نے ہر سخت سے سخت مصیبت کو
خوشگوار بنا دیا ......

آخر وقت سینہ کے اندر لگی ہوئی آگ۔ پیاس
کی شدت سے خشک زبان اور تڑپتے ہوئے ہونٹ۔
زخموں کی کثرت اور فواروں کی صورت سے اُبلتا ہوا خون
اور سب کے آخر میں گلوئے خوشکیدہ پر خنجر کی چلتی ہوئی دھار
یہ سب کچھ ایک طرف تھا اور اُن دیکھی ذات پر ایمان ایک
طرف تھا اب بھی کیا کسی کو اس تصور کا حق باقی رہتا ہے کہ
بے دیکھے یقین نہیں ہو سکتا ......

بس یہی فلسفہ امام غائب کے ایمان بالغیب میں
مضمر ہے۔

بقیہ شب برات

صفحہ　سے آگے

نے فرمایا:۔

شعبان کی درمیانی رات میں دنیاداروں کے اعمال
آسمان پر اٹھائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بنی کلب کی
بکریوں کے بالوں کی برابر گنہگاروں کو آتش دوزخ سے
نجات دیتا ہے مطلب یہ کہ اس رات گنہگاروں کی بخشش
عام کرتا ہے۔ سوائے اُن گنہگاروں کے جن کا بیان کیا گیا
اسی بنا پر اس رات کا نام شب برات یعنی آتش
دوزخ سے نجات و رستگاری کی رات۔

خلاصہ یہ کہ اس رات کو عبادت، استغفار اور
توبہ میں گذارنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق

تہدیہ

حضرت شہنشاہ زمان سلطان دوران ولی عصر
امام انس وجان قائم آل محمد صلوات اللہ علیک وعلی
آبائک اجمعین۔ یہ حقیر ادنا چیز پیشکش حاضر خدمت ہے
سرکار والا یہ آپ کی نسبت پرعظمت کا اثر تھا کہ مجھ
جیسے ضعیف وناتواں کی آواز پر اہل قلم حضرات نے تاما
کچھ مجھ پر احسان فرمایا ہے کہ جس کا شکریہ ادا کرنا میرے
بس کی بات نہیں۔ شاہا بس آپ ہی کی بارگاہ سے
مضمون نگار حضرات اور شعرائے کرام کو وہ صلہ ملے گا کہ
جوادنیٰ سے ادنیٰ بھی دنیا کی بڑی سے بڑی بارگاہ کے
صلہ سے افضل و اعلیٰ ہوگا۔

شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را

فریاد:۔ اے محمد کے دین کے محافظ۔ اے علی
کی آن بان کے مالک اے فاطمہ کے جگر گوشے اے
حسن مجتبیٰ کے نور چشم اے شہید کربلا کے خون
ناحق کے حقیقی وارث آپ کو ہم سے زیادہ علم ہے کہ
آپ کی شیعہ قوم کیسے کیسے خطرناک طوفانوں سے گزر
رہی ہے کیسے کیسے سخت ترین امتحانات درپیش ہیں
اور کس طرح آپ کے جد کے مشن کو مٹانے کی
کوششیں ہو رہی ہیں لہٰذا اب حضور والا سے عرض ہے
کہ ہمکو دشمنوں سے پہلے ان منافقوں سے بچائیے
جو قومیت کے پردے میں ہمارے عزت وناموس۔ ہمارے
دین وایمان اور ہماری عزیز ترین دولت عزاداری کی
تجارت کر کے ملت جعفریہ کو تباہ وبرباد (باقی صفحہ پر)

وجود حضرت حجت علیہ السلام

(از رشحات قلم حقیقت رقم استاد العلماء مولانا سید محمد قاسم صاحب مد ظلہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علی اھلھا۔ اللہ اور بندوں کا وجود تسلیم کرنے کے بعد اس امر سے انکار ناممکن ہے کہ اللہ نے بندوں کو عبث و بیکار پیدا نہیں کیا ان کے پیدا کرنے کی کوئی غرض ہے کیونکہ حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثاً یعنی کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو عبث و بیکار پیدا کیا ہے۔ جب بندوں کے پیدا کرنے کی غرض اللہ کی طرف عائد نہ ہوئی تو پھر بندوں کی طرف عائد ہوگی۔ یہ امر بھی ظاہر ہے کہ بندوں کو پیدا کرنے کی غرض بندوں کو ضرر پہنچانا نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ عقلاً قبیح ہے کہ حکیم مطلق نے بندوں کو اس لئے پیدا کیا ہو کہ ان کو ضرر پہنچایا جائے جب بندوں کو پیدا کرنے کی غرض بندوں کو ضرر پہنچانا نہ ہوئی اور ان کو عبث و بیکار بھی پیدا نہیں کیا تو فقط یہی صورت رہ جاتی ہے کہ بندوں کو پیدا کرنے کی غرض بندوں کو نفع پہنچانا ہے نفع دو قسم کا ہوتا ہے نفع منقطع (ختم ہو جانیوالا نفع) اور نفع دائمی (ہمیشہ باقی رہنے والا نفع) یہ امر بھی بعید از عقل ہے کہ بندوں کو نفع منقطع کے لئے پیدا کیا ہو کیونکہ نفس انسانی کے لئے فنا نہیں ہے پس اس کے پیدا کرنے کی غرض بھی غیر فانی ہونی چاہئے بیان بالا سے ظاہر ہوا کہ بندوں کو پیدا کرنے کی غرض وہ نفع دائمی ہے جو بندوں کی طرف عائد ہوتا ہے۔ اسی نفع دائمی کو اصطلاح شرع میں ثواب کہا جاتا ہے ثواب اس نفع دائمی کو کہتے ہیں جو استحقاق کے بعد تعظیم کے ساتھ پہنچایا جائے۔ ثواب کے مفہوم میں چونکہ تعظیم داخل ہے اسی لئے ابتداءً کسی کو ثواب نہیں دیا جا سکتا کیونکہ غیر مستحق تعظیم کی تعظیم عقلاً قبیح ہے پس بندوں کو ثواب پہنچانے کے لئے ضروری تھا کہ ان کو مکلف بنایا جائے تاکہ بندے بوساطت تکلیف کے مستحق تعظیم ہو جائیں۔ ہماری اس مختصر سی

یکم جنوری ۱۹۶۵ء

کو جمعہ ہے لہٰذا پاکستانی عوام سے گذارش ہے کہ وہ پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کیلئے دعا فرمائیں۔

(ادارہ)

تمہید سے ثابت ہوا کہ بندوں کو کچھ احکام کا مکلف بنایا جاتا ہے تاکہ بندے ان احکام پر عمل کرکے مستحق ثواب ہوجائیں۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ براہ راست خدائی احکام اس تک پہنچ سکیں۔ اللہ کے احکام بندوں تک پہنچنے کے لئے کسی واسطہ کی ضرورت ہے اصطلاح شرع میں اس واسطہ کو نبی یا رسول کہا جاتا ہے احکام بجالانے کے لئے رسول کا بتایا ہوا طریقہ شریعت کہلاتا ہے۔ رسول مبلغ شریعت ہوتا ہے جس طریقہ سے شریعت کے لئے اللہ کے بنائے ہوئے ایک مبلغ کی ضرورت ہے اسی طریقے سے شریعت کی حفاظت کے لئے اللہ کے بنائے ہوئے ایک محافظ کی ضرورت ہے اور جس طرح شریعت کا مبلغ انسانوں کا بنایا ہوا کوئی شخص نہیں ہوسکتا اسی طرح شریعت کا محافظ بھی انسانوں کا بنایا ہوا کوئی شخص نہیں ہوسکتا کیونکہ شریعت کی حفاظت اگر کسی گنہگار کے متعلق کردی گئی تو شریعت زیادتی و کمی سے محفوظ نہ رہ سکے گی۔ (محافظ شریعت قرآن مجید نہیں ہے اگر قرآن مجید محافظ شریعت ہوتا تو رسول کے بعد مسلمانوں کے مختلف العقائد تہتر فرقے نہ بنتے مسلمانوں کے یہ تہتر فرقے جن کے عقائد مختلف ہیں قرآن مجید سے متمسک ہیں) اسی محافظ شریعت کو امام کہا جاتا ہے پس جب تک رسول خدا کی لائی ہوئی شریعت باقی ہے اس وقت تک ہر زمانے میں اس شریعت کی حفاظت کے لئے اللہ کے بنائے ہوئے محافظ کی ضرورت ہے کوئی زمانہ ایسا نہ پایا جائیگا جس میں شریعت موجود ہو اور اللہ کا بنایا ہوا محافظ شریعت موجود نہ ہو ہم اپنے اس بیان کی تائید میں قرآن مجید کو پیش کرتے ہیں سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ٥

یعنی خدا وہ ہے کہ جس نے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر اس لئے بھیجا کہ اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب قرار دے یہ امر اگرچہ مشرکوں پر ناگوار گذرے۔

اس آیت میں دلیل وبرہان کا غلبہ مراد نہیں ہے کیونکہ دلیل وبرہان کا غلبہ ہمارے رسول کے دین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ آدم علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی کے دین کو دیگر ادیان پر دلیل وبرہان کے لحاظ سے غلبہ حاصل تھا کیونکہ ہر نبی کا دین دین حق تھا اور اس کے مقابلہ میں دیگر ادیان باطل تھے پس معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں دین اسلام کے غلبے سے مراد غلبۂ ظاہری ہے۔ کیونکہ دین حق کا تمام ادیان باطلہ پر دلیل وبرہان کے لحاظ سے غالب ہونا ایک امر ضروری ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق یعنی دین اسلام دیکر اس لئے بھیجا کہ دین اسلام تمام ادیان باطلہ پر غالب آجائے روئے زمین پر دین اسلام کے علاوہ کوئی دین نہ رہے۔

ارباب بصیرت پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی شے کی علت غائی (غرض) جب تک وجود میں نہ آجائے اس وقت تک اس شے کو باقی رہنا چاہئے اس لئے کہ غرض کے وجود میں آنے سے قبل شے کی فنا کا لازمی نتیجہ ہے کہ شے کا بنانے والا جاہل تھا اسے یہ علم نہ تھا کہ شے کی موجودگی میں غرض وجود شے وجود میں نہ آئے گی تو گویا معاذ اللہ اللہ کو یہ

علم نہ تھا کہ حیات رسول میں دین اسلام کو یہ غلبہ حاصل نہ ہوگا کہ روئے زمین پر دین اسلام کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہے۔ تقاضائے عقل ہے کہ اجزائے رسالت میں سے کسی نہ کسی جزو کو ہر زمانہ میں اس وقت تک موجود رہنا چاہئے کہ جبتک دین اسلام کو یہ غلبہ حاصل نہ ہو کہ روئے زمین پر دین اسلام کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہے اسی نظریہ کے پیش نظر رسول خدا ارشاد فرماگئے ہیں کہ

اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَّ آخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَّ كُلُّنَا مُحَمَّدٌ ۔ یعنی ہمارا اول بھی محمد ہے اور درمیانی بھی محمد ہے اور آخری بھی محمد اور ہم سب کے سب محمد ہیں یعنی ہم سب اجزائے رسالت ہیں (یہ اور بات ہے کہ ان میں سے کسی کو نبی و رسول کہا گیا اور باقی کو نبی و رسول نہیں کہا گیا) ہم میں سے کسی نہ کسی کا وجود ہر زمانہ میں اس وقت تک ضروری ہے کہ جبتک دین اسلام کی غرض وجود میں نہ آجائے اور وہ غرض یہ ہے کہ روئے زمین پر دین اسلام کے علاوہ کوئی دین نہ رہے چنانچہ حضرت حجت عجل اللہ ظہورہ کے متعلق رسول خدا کا ارشاد ہے۔

يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا (ینابیع المودۃ)
یعنی قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے اس طریقے پُر فرمادیں گے جس طریقے سے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی یعنی تمام روئے زمین پر اسلام ہی کا دور دورہ ہوگا اسی مفہوم کی دوسری حدیث میں رسول خدا کا ارشاد ہے کہ يَفْهَمُ مَنْطِقَ الْحَيَوَانِ وَيَسِيرُ عَدْلُهُ فِي الْإِنْسِ وَالْجَانِّ۔ (ینابیع المودۃ)
یعنی قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام حیوانات کی زبان سمجھیں گے اور آپ کا عدل و انصاف تمام انسانوں اور تمام جنوں میں جاری ہوگا۔

حضرت کے وجود و غیبت کے متعلق اہل سنت میں بکثرت احادیث موجود ہیں۔ حضرت کے وجود و غیبت کے متعلق جو شبہات پیش کئے جاتے ہیں اگرچہ ان کا ازالہ علمائے کرام بارہا فرما چکے ہیں بطور تذکرہ ہم بھی ان شبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔

پہلا شبہ۔ غیبت اور موجود نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب۔ غیبت امام اور عدم وجود امام دونوں برابر نہیں ہیں کیونکہ موجود نہ ہونے کی صورت میں اللہ پر اعتراض لازم آئیگا کہ بندوں کی ہدایت اور شریعت کی حفاظت کے لئے کسی ہادی کو مقرر نہیں کیا اور غیبت کی صورت میں اللہ پر اعتراض لازم نہیں آتا بلکہ سبب غیبت مورد الزام ہوگا۔ امام کی غیبت کا سبب اللہ نہیں ہے بلکہ سبب غیبت بندے ہیں محقق طوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ وُجُوْدُ الْاِمَامِ لُطْفٌ وَّتَصَرُّفُهٗ لُطْفٌ اٰخَرُ وَغَيْبَتُهٗ مِنَّا ۔ امام کا وجود اللہ کا ایک لطف ہے اور امام کا برسر اقتدار ہونا اللہ کا دوسرا لطف ہے اور غیبت کا سبب بندے ہیں۔

دوسرا شبہ۔ غیبت کی کیا وجہ ہے۔

جواب۔ ہم اپنے پچھلے بیان میں ثابت کر چکے ہیں کہ بقائے شریعت محمدیہ محافظ شریعت کا وجود اللہ کی طرف سے ضروری ہے اس محافظ شریعت (جسکو امام کہا جاتا ہے) کے وجود کی عقل کے لحاظ

سے تین صورتیں ہو سکتی ہیں ان تین صورتوں میں سے کسی نہ کسی ایک صورت کے لحاظ سے امام کا وجود ضروری ہے۔ پہلی صورت۔ اللہ امام بنائے اور بندے اس کو قتل کرتے رہیں۔ اس صورت میں تسلسل لازم آئے گا اور لامتناہی اماموں کا وجود ماننا پڑے گا جو باطل ہے نیز ہر شخص میں امام ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ دوسری صورت۔ امام اپنی قوت مافوق البشر کے ذریعہ موجود رہے اور بندوں کا اس پر کوئی دسترس نہ ہو اس صورت میں بندوں کا مجبور ہونا لازم آتا ہے اور جبر منافی تکلیف ہے۔ تیسری صورت۔ امام موجود ہو کر غائب ہو جائے اور تا بقائے سبب غیبت غائب رہے۔ پہلی دونوں صورتیں چونکہ باطل ہیں لہٰذا تسلیم کرنا پڑیگا کہ امام موجود ہے اور غائب ہے امام کی غیبت تا بقائے سبب غیبت باقی رہے گی۔

تیسرا شبہ۔ امام علیہ السلام کی طول حیات کے متعلق کہا جاتا ہے۔

جواب۔ اصحاب کہف (جو نہ معصوم ہیں نہ نبی ہیں اور نہ اللہ کی طرف سے ہادی ہیں) کے متعلق قرآن مجید کی صراحت ہے کہ غار میں جاکر سو رہنے کے بعد تین سو نو برس کے بعد آنکھ کھلی قرآن کی آیت ملاحظہ ہو۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا۔ یعنی اصحاب کہف غار میں تین سو نو برس تک سوتے رہے پر مسلمانوں کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا لیکن امام ہادی معصوم (جن کی عمر اس وقت گیارہ سو انیس سال ہوتی ہے) کی طول حیات پر اعتراض ہے۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

حضرت عزیر پیغمبر کا تذکرہ سورۂ بقر میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا فَقَالَ أَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ

یعنی عزیر پیغمبر ایک قریہ کی طرف سے گزرے جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا۔ قریہ کے اس اجاڑ کو دیکھ کر عزیر نے کہا کہ اللہ اس قریہ والوں کو کس طرح زندہ کرے گا جن کے اعضا میں باہمی امتیاز نہیں ہے پس اللہ نے عزیر پر سو سال تک موت کو طاری کر دیا سو سال کے بعد پھر زندہ کیا اور دریافت کیا کہ اے عزیر کتنی مدت اس حالت میں رہے عزیر نے جواب دیا کہ ایک پورے دن یا دن کے کچھ حصہ تک میری یہ حالت رہی (صبح کے وقت عزیر پر موت طاری ہوئی تھی اور سو سال کے بعد دن میں سہ پہر کو زندہ کئے گئے تھے اس لئے بعض یوم کہا) اللہ نے جواب دیا کہ اے عزیر سو سال تک اس حالت میں رہے ہو ذرا اپنے کھانے اور پانی کی طرف تو دیکھو اس میں ذرا بھی تغیر نہیں ہوا۔ عزیر کے کھانے اور پینے کی چیزوں میں سو سال تک تغیر نہ آنے پر مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ایک ہادی کی طول حیات پر اعتراض ہے۔ اگر اسی تناسب کو مدنظر رکھا جائے کہ کھانے اور پینے کی اشیاء جو ایک یا دو روز میں تغیر پذیر ہو جاتی ہیں ان میں سو سال تک کوئی تغیر نہیں ہوتا تو ایک ہادی جس کی عمر طبعی عام انسانوں پر قیاس کرتے ہوئے کم از کم ساٹھ سال کی

ہو سکتی ہے وہ کتنی مدت تک زندہ رہ سکتا ہے۔

چوتھا شبہ ۔ امام علیہ السلام غائب رہ کر ہدایت کس طریقے سے فرماتے ہیں۔

جواب ۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ شیطان غائب رہکر گمراہ کرتا ہے شیطان گمراہ کرنے کے لئے کبھی سامنے نہیں آتا۔ مسلمان قرآن سے دریافت کریں کہ غائب رہ کر شیطان نے گمراہ کرنے کا طریقہ کیا ہے قرآن میں ارشاد ہے کہ یُوَسْوِسُ فِی صُدُورِ النَّاسِ یعنی شیطان انسانوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔ شیطان کے غائب رہکر دلوں میں وسوسے پیدا کرنے پر مسلمانوں کا ایمان ہے لیکن ایک ہادی کے غائب رہکر دلوں میں توفیقات پیدا کرنے پر مسلمانوں کو اعتراض ہے۔ خدائے عزوجل کے عدل کا تقاضا ہے کہ گمراہ کنندہ کے مقابلہ میں ایک ہدایت کرنے والا موجود رہے۔ اگر ہدایت کرنے والا ظاہر نہیں ہے تو کم از کم غائب رہکر ہی دلوں میں توفیقات نیک پیدا کرتا رہے۔

بقیہ :- تہدیہ

کرنے کی سعی نا مشکور کر رہے ہیں۔ اے حرم خدا و مصطفیٰ کے محافظ محراب و منبر کے عزت و وقار کو سنبھالنے اے قرآن و ایمان کے والی و وارث آیات الٰہی کو بیچنے والوں کی خبر لیجئے۔ یہ قوم پر بڑا سخت وقت ہے آپ کے حذر کی ملت جعفریہ کو کہیں کوئی سہارا نہیں ملتا اور اگر وہ کسی کو سہارا بنانا بھی ہے تو وہ بچانے کے بجائے ڈبونے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے۔ اے ولی عصر اس زمانے کے تختۂ مشق بنا جو فرقہ پرست لیڈروں اور بازیگر قسم کے علماء سے اپنی ملت کشتی کی حفاظت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ جلد آپ کا ظہور فرمائے۔

رہبر ملت ۔ خطیب اعظم آپ نے اس دور میں قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دے کر قوم پر بڑا احسان کیا ہے اور یہ آپ کے خلوص ہی کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کے گوشے گوشے کا شیعہ آپ کا ہمنوا اور آپ کی آواز پر لبیک کہتا ہے اور اپنی قوم کے کھوئے عزت و شرف کو سمجھتا ہے لیکن حضور والا آپ کو معلوم ہے کہ سولہ سترہ سال سے ہم کو ان منافقوں نے تباہ و برباد کیا ہے جو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے رہبران ملت کو دھوکہ دے کر بدنام و رسوا کرتے رہے ہیں اور خود مزے کے ڈنڈ کر رہے ہیں مگر ہم کو آپ پر یقین کامل اور وثوق معتبر ہے کہ آپ اپنے کو ان بازیگروں سے بچاتے ہوئے قوم کی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچا دیں گے۔ **رہبر ملت** ۔ آپ کو اچھی طرح علم ہے اگر خدا نخواستہ اس دفعہ بھی ان جعل سازوں کا داؤں چل گیا تو پھر ملت شیعہ کا نسلاً بعد نسل قیامت تک وجود ختم ہے پھر یہ ملت کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی لہٰذا خدا کے لئے قوم کی حالت پر رحم کرتے ہوئے اپنی خود اعتمادی سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھتے جائیے یہ چمگادڑیں خودی ختم ہو جائیں گی اللہ آپ کو پہلے ان منافقین سے بچائے اور جلد منزل مقصود تک پہنچائے۔

شکریہ ۔ میں ان تمام اہل قلم حضرات کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس نمبر کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے میں میری ہر طرح مدد کی اللہ ان کو جزائے خیر دے اور حضرت حجت علیہ السلام ان کو ہر بلا سے محفوظ رکھتے ہوئے بامراد کریں گے۔

خریداران سے ۔ لیجئے حضرات ہم نے سال تمام ہونے سے پہلے ہی سالنامہ آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا ہے کہ جو موجودہ دور میں آپ کو ہر موڑ پر (باقی صفحہ ۴۳ پر)

شاعرِ فرزانہ جناب رفیق رضوی صاحب　　　خاص المعرفت کیلئے

دیکھنے کی چیز ہے

کون کہتا ہے کہ نکہت ۔ دیکھنے کی چیز ہے
نفسِ گل اور گل کی صورت دیکھنے کی چیز ہے

ایک معمولی سے پردے میں الجھ کر رہ گئی !
ہم غریبوں کی بھی قسمت دیکھنے کی چیز ہے

مقتدی ہو اور نبوت ۔ سوچنے کا ہے مقام
مقتدا ہو اور امامت ۔ دیکھنے کی چیز ہے

دید سے محروم ہم، اور وہ ہمیں دیکھا کریں
یہ فسوں کاریٔ الفت ۔ دیکھنے کی چیز ہے

گاہ صحرا میں گئے ۔ اور گاہ دریا پہ گئے
جستجوئے اہلِ ہمت ۔ دیکھنے کی چیز ہے

ان کو پردے میں رکھا، الجھایا پردے سے مجھے
یہ طریقِ کارِ فطرت ۔ دیکھنے کی چیز ہے

کیا خصوصیت رہی، دیکھا جو رضوی وقت پر
وقت سے پہلے قیامت ۔ دیکھنے کی چیز ہے

وجود و غیبت امام مہدی علیہ السلام

علماء محققین اہل سنت کی نظر میں

(از جناب محسن علی صاحب ۔ جامشورو)

(۱) الشیخ العلامہ کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحہ بن الحسن القرشی النصیبی الشافعی اپنی کتاب مطالب السؤل میں فرماتے ہیں (الباب الثانی عشر) فی ابی القاسم بن الحسن الخالص بن علی المتوکل بن محمد القانع بن علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب المہدی الحجۃ الخلف الصالح المنتظر علیہم السلام (ملاحظہ ہو آخر کتاب) بعد ازاں فرماتے ہیں وہ بضعۃ الرسولؐ و طاہرۃ البتولؑ کی نسل طیب و طاہر ہے ۔ سرمن رائے میں ۲۵۵ھ میں ولادت ہوئی اور آپ کا نسب باپ کی طرف سے یہ ہے ۔ ابی ابو محمد الحسن الخالص بن علی المتوکل بن محمد القانع بن علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین الزکی بن علی المرتضیٰ امیر المؤمنین علیہم السلام اور آپ کی والدہ ام ولد صقیل ہیں جن کو حکیمہ وغیرہ بھی کہتے ہیں ۔ نام آپ کا محمدؐ ہے اور کنیت ابو القاسم ۔ لقب الحجۃ ۔ الخلف الصالح اور منتظر ہے ۔ اس کے بعد احادیث و روایات نقل کر کے مشتبہات و اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ یہ احادیث جو کثیر التعداد ہیں اور رجال کی کل معرج ہیں اور صحیح و متفق علیہ ہیں اور ان پر اجماع امت ہے کہ آنحضرتؐ ہی سے صادر ہوئی ہیں ۔ اور وہ صریح و صحیح ہیں اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مہدیؑ اولاد فاطمہؑ ذریت و عترت رسولؐ سے ہے اور وہی زمین کو عدل و داد سے پُر کریگا اور وہ اولاد عبد المطلب ہی سے ہے اور وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور اس میں کسی کو نزاع نہیں ہے ۔ مگر یہ اس پر دلالت نہیں کرتی ہیں کہ وہ مہدیؑ موصوف جس کے یہ صفات اور علامات ہیں ۔ وہی ابو القاسم محمد بن الحجۃ الخلف الصالح ہے ۔ کیونکہ اولاد فاطمہ بہت ہے اور ذریت رسولؐ کثیر ۔ اس لئے اس کے اثبات کے واسطے اور دلیل کی ضرورت ہے پس اس کا جواب یہ ہے کہ جب رسول خدا نے مہدیؑ کو اوصاف متعددہ سے موصوف کیا اور بتلا دیا ہے کہ وہ اولاد فاطمہؑ اور اولاد عبد المطلب سے ہے ۔ وہ روشن پیشانی اور بلند بینی ہے اور اس کا نام فلاں ہے اور نسب فلاں ہے اور ان سب اوصاف و صفات مذکورہ کو علامت قرار دیا ہے کہ جس میں یہ تمام باتیں جمع ہوں وہی شخص مہدیؑ ہے پھر ہم یہ صفات سوائے محمد بن الحسن الخلف الصالح کے سوا اور کسی میں نہیں پاتے ۔ اس لئے ضروری و لازم ہے کہ ہم اس بات کے قائل ہوں کہ وہی مہدیؑ موعود ہے نہ اور کوئی دوسرا ۔ اگر ان علامات اور دلائل کا وجود تو تسلیم کریں اور معلوم و مدلول کو تسلیم نہ کریں اور وہ ثابت نہ ہو ۔ تو ان کو علامت و دلائل قرار دینا غلط و باطل ہوگا اور آنحضرتؐ پر

کذب صریح لازم آئیگا۔ اور اگر یہ دلائل و علامات نہ ہوں گی تو اس کا کوئی عقلمند قائل نہیں ہو سکتا۔ الخ۔

ہم کہتے ہیں کہ عاقل بصیر پر پوشیدہ نہیں ہے کہ فی الحقیقت یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ جہاں یہ علائم و صفات مذکور ہیں وہاں صاف تصریح احادیث میں موجود ہے کہ مہدی موعود ابوالقاسم محمد بن الحسنؑ العسکری بن علیؑ بن محمدؑ بن علی بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علی بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔ یعنی کہ وہ ذریت رسولؐ اور اولاد فاطمہؑ سے گیارہواں فرزند ہے اور وہ سوائے حجۃؑ ابن الحسنؑ اور کوئی نہیں ہے اور اسی میں تمام صفات جمع ہیں۔ اگر احادیث و روایات میں بطور عموم ذریت و عترت رسولؐ کا لفظ ہوتا اور خاص تشخیص و تخصیص نہ ہوتی تو یہ اعتراض ہو سکتا تھا اور اس کا یہی جواب ہو سکتا تھا جو علامہ موصوف نے دیا ہے لیکن جب خاص تشخیص و تخصیص موجود ہے تو اس جیسے کسی اعتراض کو یہاں دخل نہیں۔ احادیث بالکل صاف و صریح ہیں کہ مہدیؑ موعود یہی جناب ہیں۔ وھو المطلوب۔

(۲) شیخ الاکبر محی الدین ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد بن عربی الحاتم الطائی الاندلسی فتوحات مکیہ کے تین سو چھیاسٹھویں باب میں فرماتے ہیں منزل وزراء المہدیؑ وہ مہدی جو آخر الزمان میں ظاہر ہوگا اور جس کی رسولؐ نے بشارت دی ہے اور وہ اہلبیت رسولؐ سے ہے بے شک وہ خدا کا ایک خلیفہ ہے جو اس وقت خروج کریگا۔ جبکہ زمین ظلم و جور سے پر ہو چکی ہوگی۔ پس وہ اس کو عدل و داد سے پر کر دے گا اور اگر دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تو خدا اس دن کو بڑھا دے گا یہاں تک کہ عترت رسولؐ سے وہ شخص مالک و والی زمین ہو جس کی درمیان رکن و مقام بیعت کی جائے گی۔ اور سب سے زیادہ نیک بخت اس وقت اہل کوفہ ہوں گے۔ وہ مال کو مساوی تقسیم کرے گا۔ اور رعیت میں عدل پھیلائے گا۔ اور قضایا فیصل کرے گا۔ وہ زمان فترۃ دین میں خروج کرے گا (یعنی جب کوئی حجت خدا ظاہر نہ ہوگی) جو اس کا انکار کرے گا۔ قتل کیا جائے گا۔ اور جو اس سے جھگڑے گا ذلیل ہوگا۔ وہ اس دین کو ظاہر کرے گا جو فی الحقیقت دین ہے۔ اور اگر رسولؐ خدا زندہ ہوتے۔ تو اسی دین پر حکم کرتے۔ یعنی خالص و حقیقی دین محمدیؐ کو ظاہر کرے گا۔ زمین سے کل مذاہب مختلفہ کو اٹھا دے گا۔ پس نہ باقی رہے گا مگر دین خالص۔ اس کے دشمن علماء مجتہدین ہوں گے۔ پس وہ از روئے کراہیت اس کے تحت حکم داخل ہوں گے۔ اس کے سطوت و تلوار کے خوف سے اور اس مال کی خواہش سے جو اس کے پاس ہوگا اور اس سے تمام مسلمان خوش ہوں گے۔ عارفین اہل حقائق و شہود اس کی بیعت کریں گے۔ اس کے کچھ خدا پرست مرد ہوں گے جو اس کی دعوت کو قائم کریں گے اور مدد دیں گے اور وہی وزراء مہدیؑ ہیں۔

وَهُوَ السَّيِّدُ الْمَهْدِيُّ مِنْ آلِ
مُحَمَّدٍ هُوَ الْوَابِلُ الْوَسْمِيُّ حِيْنَ يَجُوْدُ

اور وہ خلیفہ خدا مؤید من اللہ ہے۔ وہ حیوانوں کی آواز سمجھتا ہے اور اس کا عدل جن و انس سب میں پھیلیگا اور اس کے وزراء ایرانی ہوں گے۔ کوئی ان میں عربی نہیں ہے مگر سب عربی بولتے ہوں گے۔ اور اصل عبارت شیخ محی الدین عربی متعلق مہدیؑ یہ ہے۔

وَاعْلَمُوْا اِنَّهٗ لَابُدَّ مِنْ خُرُوْجِ الْمَهْدِيِّ لٰكِنْ لَا يَخْرُجُ حَتّٰى تَمْتَلِئَ الْاَرْضُ جَوْرًا وَّظُلْمًا فَيَمْلَاُهَا قِسْطًا وَّعَدْلًا وَلَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ وَّاحِدٌ طَوَّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَلِيَ ذٰلِكَ الْخَلِيْفَةُ وَهُوَ مِنْ عِتْرَةِ الرَّسُوْلِ مِنْ وُّلْدِ فَاطِمَةَؑ جَدُّهُ الْحُسَيْنُؑ بْنُ عَلِيٍّؑ وَوَالِدُهُ الْحَسَنُؑ الْعَسْكَرِيُّ ابْنُ الْاِمَامِ عَلِيٍّؑ النَّقِيِّ

ابن الامام موسی الکاظم ابن الامام جعفر الصادق ابن الامام محمد بن الباقر ابن الامام زین العابدین علی ابن الحسین ابن الامام علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنھم، یواطی اسمہ اسم رسول اللہ یبایعہ المسلمون ما بین الرکن والمقام یشبہ رسول اللہ فی الخلق وینزل عنہ فی الخلق ھو اجلی الجبھۃ اقنی الانف اسعد الناس بہ اھل الکوفۃ یقسم المال بالسویۃ ویعدل فی الرعیۃ یاتیہ الرجل فیقول یا مھدی اعطنی وبین یدیہ المال فتحثی لہ فی ثوبہ ما لا یزرع بالقرآن یمشی الرجل جاھلاً وجبانا وبخیلا فیصبح عالما شجاعا کریما یمشی الخضر بین یدیہ تعیش خمسا او سبعا او تسعا یقفو اثر الرسول لا یخطی لہ ملک یسددہ من حیث لا یراہ یحمل الکل ویعین الضعیف ویساعد علی نوائب الحق یفعل ما یقول ویقول ما یفعل ویعلم ما یشھد یصلحہ اللہ فی لیلۃ یفتح المدینۃ الرومیۃ۔۔ بالتکبیر مع سبعین الفا من المسلمین من ولد اسحق یشھد الملحمۃ العظمی مادبۃ اللہ بمرج عکا یبید الظلم واھلہ ویقیم الدین واھلہ وینفخ الروح فی الاسلام یعز بہ اللہ الاسلام بعد ذلہ ویحییہ بعد موتہ یضع الجزیۃ ویدعو الی اللہ بالسیف فمن ابی قتل ومن نازعہ خذل یظھر من الدین ما ھو علیہ فی نفسہ حتی لو کان رسول اللہ حیا لحکم بہ فلا یبقی فی زمانہ الا الدین الخالص عن الرای یخالف فی غالب احکامہ مذاھب العلماء فینقبضون منہ لذلک لظنھم ان اللہ تعالی لا یحدث بعد ائمتھم مجتھدا، وقال اعلم انہ لم یبلغنا ان النبی نص علی احد من الائمۃ ان یقفو اثرہ لا یخطی الا الامام المھدی خاصۃ فقد شھد لہ بعصمتہ فی خلافتہ واحکامہ کما شھد الدلیل العقلی بعصمۃ رسول اللہ فیما یبلغہ عن ربہ من الحکم المشروع لہ فی عبادہ ـ

یعنی فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ خروج مہدیؑ ضروری ولابدی ہے لیکن وہ نہ خروج کرے گا یہاں تک کہ زمین ظلم وجور سے پر ہو جائے۔ پس وہ اس کو عدل وداد سے پر کردے گا اور اگر دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تو خدا اس کو بڑھا دے گا کہ وہ خلیفۂ خدا مالک زمین ہو۔ اور وہ عترت رسولؐ اور اولاد فاطمہؑ سے ہے۔ اس کے جد بزرگوار حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں اور والد حسن عسکریؑ بن علی نقی بن محمدؑ تقی بن علی رضا بن موسی کاظم بن جعفر صادق بن محمدؑ باقر بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ علیہم السلام ہیں اور نام مہدیؑ موافق نام رسولؐ ہے۔ اور خلق میں اس سے کم۔ کیونکہ آنحضرت کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ روشن پیشانی بلند بینی ہے۔ سب سے زیادہ سعید اس کے عہد میں اہل کوفہ ہوں گے وہ مال مساوی تقسیم کریگا۔ اور رعیت میں عدل قائم کریگا۔ آدمی اس کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ مہدیؑ عطا فرمائیے اور اس کے آگے مال ہوگا اور وہ بلا شمار دونوں ہاتھ بھر بھر کر اس کے کپڑے میں ڈال

دے گا حتیٰ کہ وہ اٹھا سکے ۔ اور فترت دین کی حالت میں خروج کریگا ۔ البتہ اس کے ذریعہ فساد رفع ہوگا اور حق پیدا کریگا ۔ جو قرآن سے نہیں ہوتا ہے ۔ آدمی شام کریگا اس حال میں کہ جاہل نامرد اور بخیل ہوگا اور صبح کو عالم شجاع اور کریم ہو کر اٹھے گا نصرت اس کے آگے چلے گی وہ پانچ یا چھ یا سات سال زندہ رہے گا ۔ وہ رسولؐ کے بالکل قدم بقدم چلے گا اور کسی امر میں خطا نہ کرے گا ایک ملک مدد اس کے ساتھ ہوگا جو دکھائی نہ دیتا ہوگا وہ عاجز کا اٹھانے گا ۔ ضعیف کی اعانت کرے گا اور مصائب میں مدد دیگا ۔ وہ جو کہے گا وہ کریگا اور جو کریگا وہی کہے گا اور جو جانے گا اسی کی شہادت دے گا ۔ خدا ایک شب میں اس کا کام درست کر دے گا ۔ وہ شہر رومتہ الکبریٰ صدائے تکبیر سے ستر ہزار مسلمانوں کے ساتھ فتح کریگا جو اولاد اسحٰق سے ہوں گے وہ جنگ اعظم میں حاضر ہوگا جو مرج عکاس دعوت خدائی ہے اور اہل ظلم کو ہلاک کر دے گا ۔ اور دین اہل دین کو استحکام بخشے گا ۔ اسلام میں روح حیات پھونک دیگا بلکہ اس کے ذریعہ سے بعد ذلت اسلام کو عزت بخشے گا ۔ اور بعد موت زندہ کریگا ۔ وہ جزیہ اٹھائے گا اور تلوار سے دعوت اسلام دیگا ۔ جو انکار کرے گا قتل کیا جائیگا ۔ جو جھگڑے گا ذلیل ہوگا ۔ وہ اصل دین محمدیؐ کو ظاہر کرے گا ۔ کہ اگر رسولؐ ہوتے تو اسی پر حکم کرتے ۔ پس اس کے زمانہ میں دین خالص باقی رہ جائے گا وہ اکثر احکام میں مذاہب علماء کے خلاف ہوگا ۔ پس علماء اس سے تنگ دل ہوں گے ۔ کیونکہ ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ائمہ اربعہ کے بعد کسی مجتہد کو پیدا نہ کرے گا ۔ بعد ازاں لکھتے ہیں کہ " نبیؐ نے جو تصریح اپنی موافقت و مطابقت کی مہدیؑ کی نسبت فرمائی وہ کسی اور امام کی نسبت نہیں فرمائی ہے اور حضرت نے شہادت دیدی ہے کہ وہ اپنی خلافت اور اپنے احکام میں معصوم ہے ۔ جس طرح دلیل عقلی شاہد ہے کہ آنحضرت تبلیغ احکام شرعی میں معصوم ہیں (بلکہ جمیع امور میں اول عمر سے آخر عمر تک)"

(۳) الشیخ العارف الخبیر ابو المواہب عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی اپنی کتاب مستطاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اشراط قیامت مثل خروج مہدیؑ ۔ خروج دجال ۔ خروج دابۃ الارض طلوع آفتاب از مغرب ۔ رفع قرآن ۔ فتح سد یاجوج و ماجوج ضرور بالضرور واقع ہونے والی ہیں پھر فرماتے ہیں کہ ۔ اضمحلال دین گیارہویں قرن کے تیس سال بعد شروع ہوگا اور اس وقت خروج مہدیؑ کی امید ہے اور وہ فرزند امام حسنؑ العسکری ہیں ۔ اور ۱۵ شعبان کو ۲۵۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں ۔ اور باقی ہیں ۔ جب تک عیسیٰ بن مریمؑ سے ملیں ۔ اور ہمارے اس زمانہ تک سات سو چھ سال ہوتے ہیں ۔ الخ ۔

(۴) ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن محمد الکنجی السنی الشافعی کفایۃ الطالب والبیان فی اخبار صاحب الزمانؑ میں اسی کے قائل ہیں ۔ اور ائمہ اولاد علیؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ وَخَلَّفَ عَلِیٌّ الهادِیُّ مِنَ الوَلَدِ ابا محمد الحسنؑ (العسکری) آیتہ ۔ یعنی امام علیؑ بن محمدؑ التقی نے اپنی اولاد میں سے اپنے فرزند ابو محمدؑ الحسن کو چھوڑا ۔ پھر ان کی تاریخ ولادت و وفات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں وابنہ هو الامام المنتظر ۔ یعنی الحسنؑ العسکری کا فرزند ہی امام منتظر ہے ۔

(۵) الشیخ نور الدین بن محمد بن الصباغ السنی المالکی اپنی مشہور و معروف کتاب فصول المہمہ میں فرماتے ہیں الفصل الثانی عشر فی ذکر ابی القاسم الحجۃ والخلف الصالح ابن ابی

محمد الحسن الخالص هو الامام الثانی عشر و تاریخ ولادته و دلائل امامته و ذکر من اخباره وغیبته و مدة قیام دولته و ذکر نسبه و کنیته ولقبه وغیر ذالک ۔ یعنی یہ بارہویں فصل ابو القاسم الحجة الخلف الصالح ابن ابو محمد الحسن الخالص امام دوازدہم ۔ اور ان کی تاریخ ولادت و دلائل امامت و ذکر بعض اخبار غیبت و مدت سلطنت و ذکر نسب و کنیت وغیرہ کے بیان میں ہے بعد ازاں تاریخ ولادت و دیگر حالات کو ذکر کیا ہے ۔ اور ثبوت غیبت وجواز بقاء وجود میں علامہ گنجی شافعی کے دلائل کو ذکر کیا ہے ۔

(۶) الفقیہ الواعظ شمس الدین ابو المظفر یوسف بن قزعلی بن عبداللہ البغدادی الحنفی سبط ابو الفرج عبدالرحمان بن الجوزی تذکرۃ خواص الامۃ میں بعد ذکر حالات حضرت امام حسنؑ العسکری ان کی ولادت کے تذکرے میں لکھتے ہیں ۔

منهم م ح م د هو م ح م د بن الحسنؑ بن علیؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ یعنی جناب حسنؑ عسکری کی اولاد میں محمدؑ بن حسنؑ الخ ہیں ۔ پھر فرماتے ہیں کنیت آپکی ابو عبداللہ و ابو القاسم ہے ۔ اور وہی الخلف الحجۃ صاحب الزمانؑ امام قائم و منتظر ہیں اور وہی خیر الآئمہ ہیں ۔ اور عبدالعزیز بن محمود بن البزاز نے ابن عمر سے خبر دی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے ۔

آخر الزمان میں ایک شخص میری اولاد سے خروج کریگا جس کا نام میرا نام ہوگا ۔ اور جس کی کنیت میری کنیت ہوگی ۔ وہ زمین کو عدل وداد سے پُر کردے گا ، جب کہ وہ ظلم و جور سے پُر ہوچکی ہوگی ۔ اور یہ محمدؑ بن الحسنؑ المذکور وہی مہدیؑ ہے الخ ۔

(۷) الشیخ العارف سید علی الخواص علامہ شعرانی نے لواقح میں ان کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ منجملہ ان بزرگواروں کے ہیں ۔ جو وجود مہدیؑ اور ان کی غیبت کے قائل ہیں اور شرف ملاقات حاصل ہوا ہے ۔ اور شیخ حسن عراقی کی حکایت سے معلوم ہوتا کہ شیخ موصوف نے شیخ حسن عراقی کی تصدیق فرمائی ہے اور محمد مہدیؑ کے بارے میں اُن سے اتفاق ظاہر کیا ہے ۔

(۸) نور الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن قوام الدین الدشتی الجامی الحنفی صاحب شرح کافیہ شواہد النبوۃ میں حضرت مہدی علیہ السلام آئمہ اہلبیت سے بارہواں امام قرار دیتے ہیں اور عجائب احوال ولادت (مہدیؑ) محمدؑ بن الحسنؑ العسکری میں جناب حکیمہ خاتون دختر امام محمدؑ التقی کی روایت کو نقل کیا ہے ۔

(۹) حافظ محمد بن محمد بن محمود بخاری حنفی بمعروف خواجہ پارسا نے کتاب فصل الخطاب میں اور جعفر ، فرزند علیؑ النقی برادر جناب حسنؑ عسکری علیہ السلام کا حال اور اُن کے دعوائے امامت کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ اولاد جناب حسنؑ عسکری میں سے م ح م د بن الحسنؑ ہیں ۔ جو خواص اصحاب وا ہل ثقابت میں معلوم و معروف ہیں ۔ بعد ازاں حالات ولادت آنجناب کو لکھا ہے بعد ازاں حاشیہ کتاب پر ابن مسعود کی اس روایت کے ضعیف ہونے میں کامل بحث کی ہے کہ مہدی کے والد ماجد کا نام وہی ہے جو آنحضرتؐ کے والد ماجد کا نام تھا ۔ پھر مقتصد عباسی کی اس حکایت کو ذکر کیا ہے ۔ جو ملا جامی نے شواہد میں درج کی ہے اور بعض علامات ظہور مہدیؑ کو بیان کیا ہے ۔ اور آخر میں فرماتے ہیں ۔

والاخبار فی ذالک اکثر من ان تحصیٰ ومناقب المہدیؑ رضی اللہ عنہ صاحب الزمان الغائب عن الاعیان الموجود فی کل زمان کثیرۃ ۔

وتظاھر الاخبار علی ظھورہ واشراق نورہ۔
یعنی اس باب میں احادیث بے شمار ہیں اور مناقب مہدیؑ صاحب الزمان امام غائب موجود بہت ہیں اور اس کے ظہور واشراق نور پر احادیث کثیرہ دال ہیں وہ شریعت محمدیہ کو تازہ کرے گا۔ اور راہ خدا میں حق جہاد کو ادا کرے گا اور شہروں کو ظلم و کفر و شرک کی نجاست سے پاک کر دیگا۔ اس کا زمانہ زمانہ محکم و استوار ہے۔ اور اہل زمانہ بندگان مخلص ہر عیب سے پاک۔

بہ ختمت الخلافۃ والامامۃ وھو الامام من لدن مات ابوہ الی یوم القیمۃ وعیسی یصلی خلفہ ویصدقہ علی دعواہ ویدعو الی ملتہ التی ھو علیھا والنبی صاحب الملۃ۔

یعنی فرماتے ہیں اسی محمدؑ بن الحسنؑ المہدیؑ پر امامت خلافت ختم ہے وہ امام ہے اس وقت سے جب سے کہ ان کے والد نے وفات پائی تا روز قیامت۔ اور عیسیٰؑ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور اس کے دعوے کی تصدیق کریں گے۔ اور اس کی اور اس کے جد بزرگوار رسول مختارؐ کی ملت کی طرف دعوت دیں گے۔

(۱۰) حافظ ابو الفتح محمد بن الفوارس

نے اپنی کتاب اربعین جس میں چالیس حدیثیں فضائل اہلبیت نبوت و رسالت میں درج کی ہیں۔ بعد ذکر محمد ابن ادریس شافعی و تصدیق چہل حدیث فضائل اہلبیت ایک حدیث ذکر ائمہ اہلبیتؑ اور ان کے فضائل میں احمد بن نافع بصری سے نقل کی ہے۔ جس کا آخر یہ ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ جو چاہتا ہے کہ فائزین اور رستگاروں کی جماعت میں داخل ہو کر خدا سے ملاقات کرے۔ پس چاہئے کہ وہ حسن العسکریؑ کو دوست رکھے۔ اور جو چاہتا ہے کہ کامل الایمان و حسن الاسلام ہو کر خدا کے پاس جائے۔ وہ ان کے فرزند امام صاحب الزمان مہدیؑ کو دوست رکھے۔ ہیں، ان کے لئے بہشت کا ضامن ہوں۔ غرض موصوف امامت و وجود جناب مہدی محمد بن الحسنؑ عسکری کے معتقد ہیں۔

(۱۱) ابو المجد عبد الحق الدھلویؒ

محدث مشہور و معروف نے اپنے رسالہ مناقب ائمہ اہلبیتؑ میں لکھا ہے محمدؑ بن الحسنؑ العسکری خواص اصحاب اور اہل ثقاہت میں معلوم و معروف ہے۔ بعد ازاں قصۂ ولادت باسعادت امام زمانؑ کو مثل خواجہ پارسا درج کیا ہے۔ اور آپ امام موصوف کی ولادت کے قائل ہیں۔

(۱۲) سید جمال الدین عطاء اللہ بن سید غیاث الدین فضل اللہ اپنی کتاب

مستطاب روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔ کلام در بیان امام دوازدہم م ح م دؑ بن الحسن علیہما السلام تولد جہاں آں در درج ولایت و جوہر معدن ہدایت بقول اکثر اہل روایت در منتصف ۱۵ شعبان سنہ ۲۵۵ھ در سنہ دویست و پنجاہ و پنج در سامرہ اتفاق افتاد۔ و مادر آں عالی مقام ولد بود مسماۃ بصیقل یا سوسن و نرجس در حکیم و آں امام ذوی الاحترام در کنیت و نام با نام خیر الانام موافقت دارد۔ و مہدیؑ منتظر و الخلف الصالح و صاحب الزمان در القاب او منتظم است۔ و در وقت وفات پدر بزرگوار خود بود اینکہ بصحت اقرب است پنج سالہ بود۔ و بقول ثانی دو سالہ و حضرت واہب العطایا آں شگوفہ گلزار امامت را مانند یحیی بن زکریا سلام اللہ علیہما در حالت طفولیت حکمت کرامت فرمودہ و در وقت صبا مرتبہ بلند امامت رسانیدہ و صاحب الزمان و مہدیؑ در زمان معتمد خلیفہ عباسی در سنہ دویست و شصت و پنج یا شصت و شش در سرداب سر من رای از نظر برایا غائب شد۔

اس کے بعد محدث موصوف نے چند روایات اس تحقیق میں لکھی ہیں۔ مہدیؑ موعود یہی جناب ہیں۔ اس کے بعد کچھ تمجید و تعریف آنجناب لکھ کر ان اشعار سے متمسک ہوتے ہیں ؎

بیا اے امام ہدایت شعار
کہ بگذشت حد غم از انتظار
ز روئے جمالیں بیفگن نقاب
عیاں ساز رخسار چوں آفتاب
بروں آ ے از منزل اختفا
نمایاں کن آثار صبر و وفا

اس بیان سے اعتقاد محدث موصوف ظاہر ظاہر ہے۔

(۱۳) حافظ ابو محمد احمد بن ابراہیم بن ہاشم الطوسی البلاذری علیک حدیث مسلسل خود جناب امام عصر صاحب الزمانؑ محمدؑ بن الحسنؑ العسکری سے۔ روایت مقولات سے ملاحظہ ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس حدیث کو مسند از بن عقلہ سے نقل کیا ہے۔

(۱۴) ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن احمد بن الخشاب نے اپنی کتاب تاریخ موالید وفات آئمہ اہلبیت میں موافق علماء سابق الذکر امام دوازدہم محمدؑ بن الحسنؑ عسکری کا ذکر کیا ہے اور چند روایات تشخیص مہدیؑ میں لکھی ہیں کہ وہ صاحب الزمانؑ و مہدیؑ موعود ہے۔ کنیت ابو القاسم نام مادر گرامی صیقل و بعض روایات میں نام مادر گرامی حلیمہ دختر حسنؑ و سوسن ہے۔ اس کے دو نام خلف و محمد ہیں۔ آخر زمان میں ظاہر ہوگا اور اس کے سر پر ہمیشہ ابر سایہ رکھے گا اور ہر جگہ منادی سر پہ ذکر کرے گا کہ یہ مہدیؑ ہے۔

(۱۵) فاضل ملا قاری۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ذکر خلفاء اثنا عشر کر کے لکھتے ہیں۔ شیعوں کا اعتقاد ہے کہ اس حدیث میں بارہ خلفاء رسول سے مراد بارہ امامؑ ہیں، یعنی علیؑ بن ابی طالبؑ و حسنؑ بن علیؑ و حسینؑ بن علیؑ و علیؑ بن حسینؑ و محمدؑ بن علیؑ و جعفرؑ بن محمدؑ و موسیٰؑ بن جعفرؑ و علیؑ بن موسیٰؑ و محمدؑ بن علیؑ و علیؑ بن محمدؑ و حسنؑ بن علیؑ و م ح م دؑ بن حسنؑ مہدیؑ جیسا کہ زبدۃ الاولیاء خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں لکھا ہے اور اس سے ملا جامی نے شواہد النبوۃ میں اتفاق کیا ہے۔

(۱۶) قاضی جواد ساباطی بھی براہین ساباطیہ میں جو رد نصاریٰ میں ہے اسی کے قائل ہیں اور اعتقاد امامیہ ہی کو ترجیح دیتے ہیں کہ مہدیؑ محمدؑ بن الحسنؑ العسکری فرزند حسنؑ ثالث ہے۔

(۱۷) نصیر بن علی جہضمی۔ شیخ امام مسلم و بخاری نے تاریخ موالید آئمہ میں اولاد حسنؑ عسکری کا ذکر کیا ہے اور ایک روایت خود امام حسن عسکریؑ سے نقل کی ہے اور حدیث تولد جناب محمدؑ بن الحسنؑ از جناب حکیمہ بعد ازاں الواب امام قائم محمدؑ بن الحسنؑ کے حالات لکھے ہیں۔ الخ۔

(۱۸) ملک العلماء شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر دولت آبادی تفسیر بحر مواج تحت آیت الم (ا) میں تصدیق فرماتے ہیں کہ امامت دوازدہ امام حدیث سے ثابت ہے کہ اول علیؑ ابن ابی طالبؑ اور آخر مہدی آخر زمانؑ امام قائم و منتظر ہے اور روایت جابر بن عبد اللہ الانصاری کو ذکر کیا ہے اور تصدیق فرمائی ہے۔

(۱۹) الشیخ العالم المحدث علی المتقی

کنز العمال میں امامت آئمۂ اہلبیت کی مثل خواجہ پارسا و ملا جامی تصدیق فرماتے ہیں اور امام دوازدہم مہدیؑ محمد بن حسنؑ العسکری علیہ السلام کو جانتے ہیں۔

(۲۰) **عبد الرحمٰن صوفی**

مرآۃ الاسرار میں لکھتے ہیں۔ ذکر آں آفتاب دین و دولت آں ہادی جمیع امم و ملت آں قائم مقام پاک احمدیؐ امام برحق ابو القاسم محمد بن حسن مہدی رضی اللہ عنہ امام دوازدہم است از آئمۂ اہلبیتؑ مادرش ام ولد بود نرجس خاتون نام داشت۔ ولادتش شب جمعہ پانزدہم ماہ شعبان سنہ ۲۵۵ھ در سر من رائے عرف سامرہ واقع شدہ۔ و امام دوازدہم در کنیت و نام با حضرت رسالت پناہیؐ موافقت دارد۔ و القابش مہدیؑ و حجت و قائم و منتظر و صاحب الزمانؑ و قائم اثنا عشر و صاحب الزمانؑ در وقت وفات پدر خود پنجسالہ بود۔ کہ بر مسند امامت نشست۔ چنانچہ حق تعالیٰ یحییٰ بن زکریا علیہ السلام را در حالت طفولیت حکمت کرامت فرمود۔ و عیسیٰ بن مریم علیہ السلام را در وقت صبا بمرتبہ بلند رسانید ہمچنیں در صغر سن او را امام گردانید کمالات و خارق عادات او نہ چندانست۔ کہ دریں مختصر گنجائش دارد۔ بعد ازاں شواہد النبوۃ سے روایت حکیمہ درباب ولادت باسعادت آں جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام نقل کی ہے۔

(۲۱) **العالم المعروف فضل بن روزبہان**۔ شرح شمائل ترمذی میں اور توصیف و تعریف آئمۂ اولاد فاطمہؑ اور ان کے فضائل و مناقب کا ذکر کر کے آخر میں جملہ اہلبیتؑ پر سلام منظوم میں فرماتے ہیں ؎

سَلَامٌ عَلَی الْقَائِمِ الْمُنْتَظَر
اَبِی الْقَاسِمِ الْغُرِّ نُوْرِ الْهُدٰی
سَیَطْلُعُ کَالشَّمْسِ فِیْ غَاسِقٍ
یُنَجِّیْهِ مِنْ سَیْفِهِ الْمُنْتَضٰی
تَرٰی یَمْلَأُ الْاَرْضَ مِنْ عَدْلِهٖ
کَمَا مُلِئَتْ جَوْرَ اَهْلِ الْهَوٰی
سَلَامٌ عَلَیْهِ وَ اٰبَائِهٖ
وَ اَنْصَارِهٖ مَا تَدُوْمُ السَّمَاء

ظاہر و باہر ہے کہ محدث موصوف نے باوجود اپنے مذہب کے سنت پابند ہونے کے اقرار کیا ہے کہ جو مہدی موعود جو زمین کو عدل و داد سے پُر کریں گے وہ حضرت ابو القاسم محمد بن الحسنؑ امام دوازدہم ائمہ اہلبیت اولاد فاطمہ علیہم السلام ہے۔

(۲۲) ناصر باللہ عباسی وجود امام غائب ابو القاسم محمد بن الحسنؑ کا قائل تھا اور اسی نے سرداب موسوم بہ سر من رأی پر گنبد بنایا ہے اور کہتے ہیں اس قائم حاذق کا نام بک زمرۂ آئمۂ اہلبیت میں ذکر کیا ہے جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ میں کل یا اکثر ولادت باسعادت محمد بن الحسنؑ کے قائل اور اس پر اتفاق رکھتے تھے۔ اور خلیفہ موصوف خود سلک علماء و محدثین میں داخل ہے۔ اور بعض محدثین نے اس سے روایات نقل کی ہیں۔

(۲۳) **الشیخ سلیمان بن خواجہ کلاں قندوزی بلخی** حنفی یہی اعتقاد رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب مستطاب **ینابیع المودۃ** میں کمال سعی سے ثابت کیا ہے کہ مہدیؑ موعود ابو القاسم محمدؑ بن الحسنؑ العسکری علیہ السلام ہیں اور اکثر عارفین و البیتین و محدثین سے روایات نقل کی ہیں۔

(۲۴) **شیخ الاسلام شیخ احمد جامی** السنی۔ اپنی تصنیف لاجواب میں وجود امام مہدیؑ کے قائل ہیں۔ اور صاحب ینابیع نے ان کے فارسی

اشعار نقل کئے ہیں ؎

من زمہر حیدرم ہر لحظہ افزون صفا است

از پے حیدر حسنؑ مارا امام و رہنما است

اسی طرح امام حسنؑ عسکری علیہ السلام تک

ہر ایک امام کا ذکر کر کے آخر میں فرماتے ہیں ؎

عسکریؑ نور دو چشم عالم است و آدم است

ہم چو یک مہدیؑ سپہ سالار در عالم کجا است

شیخ موصوف کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ آپ ائمۃ اہلبیت کی تصدیق فرماتے ہیں اور مہدیؑ فرزند حسنؑ العسکری کو جانتے ہیں اور اس لئے حضرت اُن کی ولادت کے قائل ہیں۔

(۲۵) شیخ صلاح الدین الصفدری

شرح الدائرہ میں فرماتے ہیں کہ مہدیؑ موعود امام دو از دہم ائمۂ اثنا عشری ہیں جن کا اول علیؑ ابن ابی طالبؑ اور آخر مہدیؑ آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

(۲۶) شیخ عبدالرحمٰن البسطامی

کتاب درۃ المعارف میں قائل ہیں کہ مہدیؑ موعود جو زمین کو عدل و داد سے پُر کریگا فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام ابو القاسم م ح م د الحجۃؑ ہے۔

(۲۷) شیخ سعد الدین حموی

ولایت مطلقہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعد آنحضرتؐ بارہ اولیاء ہیں اور وہ ائمۃ اہلبیتؑ ہیں۔ بارہواں ولی ولی آخر الزمان و صاحب الامر مہدیؑ خاتم الاوصیاء ہے۔ اور ولایت انہی میں منحصر ہے۔

(۲۸) شیخ عامر بن عامر بصری اپنے قصیدہ ذات الانوار میں وجود مہدیؑ آخر الزمان اور ان کی ولادت کے قائل ہیں اور لکھتے ہیں النور التاسع فی معرفۃ صاحب الوقت ذاتہ ووقت ظہورہ۔ یعنی نواں نور امام صاحب الزمان کی ذات

اور ان کے وقت ظہور کی معرفت میں اور پھر اس شعر سے ابتداء کرتے ہیں ؎

اِمَامُ الْھُدیٰ حَتّٰی مَتیٰ اَنْتَ غَائِبٌ

فَمُنَّ عَلَیْنَا یَا اَبَانَا بِاَوْبَۃٖ

اے امام ہدایتؑ آپ ہم سے کب تک غائب رہیں گے! اب ہم پر اپنے رجوع و ظہور سے احسان فرمائیے اور ممنون بنائیے۔ الخ۔

(۲۹) شیخ صدر الدین قونوی صاحب

ینابیع المودت نے ان کا بھی ایک قصیدہ لکھا ہے جو شیخ موصوف نے شان مہدیؑ موعود علیہ السلام میں لکھا ہے اور غیبت و ظہور امام علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اور شیخ موصوف مثل امامیہ وجود مہدیؑ کے قائل ہیں۔ اپنے آخر وقت میں شیخ موصوف نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی کہ جو میری تصانیف طب۔ حکمت وغیرہ میں ہیں ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت فقراء پر تقسیم کر دینا۔ اور کتب تفاسیر و احادیث کی حفاظت کرنا۔ اور ہر ایک شب ستر مرتبہ کلمۂ طیب لا الٰہ الا اللہ بحضور قلب پڑھا کرنا۔ اور میری طرف سے حضرت مہدی علیہ السلام کو سلام بھیجنا۔

(۳۰) شیخ المشائخ مولانا جلال الدین الرومی

اپنے ایک قصیدہ میں جملہ ائمۃ اہلبیتؑ کی تعریف کر کے مہدیؑ آخر الزمانؑ سے اظہار عقیدت فرماتے ہوئے تحفۂ درود و سلام بھیجتے ہیں اور وجود ذی جود آنجنابؑ کے قائل ہیں۔

(۳۱) شیخ عطار حسب تحریر صاحب

ینابیع وجود مہدیؑ موعود کے قائل ہیں اور ان کو موجود و غایب جانتے ہیں اور اپنے ایک قصیدہ میں بعد ذکر یازدہ امام مہدیؑ موعود کی شان میں لکھتے ہیں ؎

صد ہزاراں اولیاء روئے زمیں
از خدا خواہند مہدیؑ را یقیں
یاالٰہی مہدیمؑ از غیب آر
تا جہاں عدل گردد آشکار

———X———

(۳۲) مولانا شمس الدین تبریزی

اس اعتقاد میں علماء و عرفاء سابقین کے ہم خیال ہیں۔

(۳۳) سید نعمتہ اللہ الولی مثل شمس موصوف قائل و معتقد وجود مہدیؑ موعود علیہ السلام ہیں۔

(۳۴) سید النسیمی یہی اعتقاد رکھتے ہیں (ملاحظہ ہو ینابیع المودۃ)۔

(۳۵) عارف کامل ہمدانی اپنی کتاب مودۃ القربیٰ کی دسویں مودت میں یہی اعتقاد ظاہر فرماتے ہیں۔

(۳۶) شیخ محمد الصبان المصری اسعاف الراغبین میں یہی عقیدہ ثابت کرتے ہیں۔

(۳۷) صدر العلماء موفق بن احمد ابو المؤید الخطیب المکی الخوارزمی کتاب مناقب میں یہی اعتقاد ظاہر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے کلمات سے مستنبط ہے اور اکثر احادیث مہدی آخر الزمانؑ فرزند حسن العسکریؑ کے باب میں کہ وہ اولاد حسینؑ سے ہیں۔ نقل کی ہیں۔

علاوہ علماء مذکورۃ الصدر اور بہت سے علماء مثل عماد الدین حنفی و ملا حسین الکاشفی و بعض مشائخ صوفیہ جن کا سلیمان قندوزی موصوف نے ذکر کیا ہے۔ یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام صدر الدین الحموینی کے کلام سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ وہ بھی وجود مہدیؑ کے قائل ہیں۔ چنانچہ ان کی کتاب فرائد السمطین سے بہت سی روایات علامہ سلیمان قندوزی نے ینابیع میں نقل کی ہیں۔ اور ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی الشافعی تصدیق فرماتے ہیں کہ اکثر اہل کشف و معرفت وجود مہدی موعود ابو القاسم محمدؑ ابن الحسنؑ کے قائل ہیں۔ اور ان کو امام موجود غائب جانتے ہیں اور ان کے طول عمر میں استحالہ و امتناع نہیں ہے۔ مثل خضرؑ و الیاسؑ و عیسیٰؑ بن مریمؑ۔ اسی طرح قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ و دیگر صوفیان وغیرہ۔

ان کلمات علماء اعلام میں غور و تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام غائبؑ کے اعتقاد میں شیعہ منفرد نہیں ہیں بلکہ کل اہل اسلام اس اعتقاد میں شریک ہیں اور جملہ احادیث و روایات و اقوال علماء میں من حیث المجموع نظر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ خبر ولادت و غیبت و وجود مہدیؑ موعود ابو القاسم محمدؑ بن الحسنؑ متواترات قطعیہ سے ہے۔ اور از روئے دیانت اسلامی کسی طرح ان کا انکار ممکن ہی نہیں۔ اس کا انکار گویا معظم احادیث نبویہ و روایات و تحقیقات علماء و مکاشفات عرفاء و اولیاء و اقطاب کا انکار ہے۔ علماء محققین کی بڑی تعداد اسی کی قائل ہے اور اکثر اہل کشف و معرفت میں سے تو شاذ و نادر ہی کوئی وجود غیبت کا منکر ہو۔ اور اکثر مشائخ اہل سنت و اہل کشف خدمت مہدیؑ میں حاضر ہوتے ہیں اور ان سے استفادہ و تربیت کیا ہے۔ بنا بریں یہ اعتقاد وجود غیبت امام منکرات و بدعات سے نہیں جیسا کہ بعض منکرین نبوت و کاذبین و منکرین اہل سفاہت سمجھتے ہیں بلکہ عین دیانت ہے اور اس کا انکار وہی کر سکتے ہیں جو اپنی بدعات کے مقابلہ میں قرآن و حدیث کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کے نزدیک قول پیغمبرؐ کی کوئی وقعت نہیں ہے اور در پردہ مثل منافقین سابقین تخریب اسلام

کو رہے ہیں۔ خدا انہیں ہدایت دے۔
غرض حق حقیقت یہی ہے کہ مہدیؑ موعود اہلبیتؑ رسولؐ و ذریت علیؑ و بتولؑ ہیں اور وہ محمدؑ بن الحسنؑ العسکریؑ الحجۃ المنتظر ہیں اور جب بہ احادیث و روایات کثیرہ و تصدیق علماء و محققین و عرفاء کاملین و حکماء متقین ثابت و محقق ہے کہ مہدیؑ موعود حجۃ ابن الحسنؑ علیہ السلام ہیں۔ تو پھر تمام مدعیان مہدویت گذشتہ و آئندہ جھوٹے ہیں

بقیہ :۔ مہدیت

کام آئے گا۔ مگر حضرات آپ بھی اپنا وعدہ پورا کر کے جلد از جلد سالانہ چندہ مبلغ پانچ روپے مرحمت فرما کر ہم پر احسان فرمائیں۔

اعتذار۔ حضرات قارئین کرام اگر اس نمبر میں کوئی اصولی غلطی رہ گئی ہو تو دوسرے صفحوں میں جگہ دیکر مطلع فرمائیں تاکہ اس کا ازالہ کیا جا سکے۔

نماز جمعہ کا اعلان

جناب سید اشتیاق حسین صاحب کراچی سے مطلع کرتے ہیں کہ مسجد سکینہ نیو کراچی نمبر ۵ میں روزانہ نماز بجماعت کے علاوہ نماز جمعہ بھی ٹھیک ۱/۲ ۱ بجے ہوتی ہے امامت کے فرائض جناب مولانا سید ہاشم صاحب قبلہ انجام دیتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ

ہماری قوم کے سچے ہمدرد جناب ڈاکٹر سید وزیر حسن صاحب رضوی یکایک حرکت قلب بند ہو جانے سے رحلت فرما گئے لہٰذا افراد قوم ایک سورۂ فاتحہ ضرور پڑھ دیں۔

مولانا سید محمد ہاشم صاحب قبلہ کے دوست جناب حکیم سید امجد حسین صاحب کی اہلیہ انتقال فرما گئی ہیں۔ ان کے لئے بھی ایک سورۂ فاتحہ۔

خاص الخاص توجہ فرمائیے۔

ادارۂ مرکز حقوق شیعہ جو سرکار حجۃ الاسلام مولانا سید محمد محسن صاحب قبلہ نائب خصوصی حضرت آغائے محسن حکیم مدظلہا کی سرپرستی میں خاموش مگر قوم کی ٹھوس خدمت کر رہا ہے اس ادارہ نے قوم کے اس پیسہ کو جو آنے دو آنے کر کے یوں ہی برباد ہو جایا کرتا تھا جمع کر کے تقریباً تیس ہزار کی رقم جمع کر لی ہے اور اب حصول زمین کی پوری کوشش جاری ہے کہ جس پر ایک بڑا ادارہ قائم کر کے قوم کے نادار اور لاوارث بچوں کو صاحب علم و ہنر مند بنایا جائے گا۔ آپ کا فرض ہے کہ پہلی فرصت میں دامے درمے اس ادارہ کی مدد کریں مزید معلومات امام بارہ مارٹن روڈ سے حاصل کیجئے یا ٹیلیفون [illegible] سے رجوع کیجئے۔

نئے سال کا کلنڈر

آپ کی محبوب ترین انجمن وظیفہ سادات کا نئے سال ۱۹۶۵ء کا کلنڈر حسب دستور تیار ہو گیا ہے جو ہر شیعہ کے استعمال سے اور مقامی انجمن کے دفتر سے ایک روپیہ میں دستیاب ہو کر آپ کے گھر کی رونق بن سکتا ہے۔ کلنڈر میں تمام ضروری چیزیں ہیں جیسے نیک و بد تاریخیں قمر در عقرب ولادت و شہادت وغیرہ اس مرتبہ اس کلنڈر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ رنگین رنگوں میں تین صفحات مرزا [illegible] آرٹسٹ پر تین ہی بلاکوں پر شائع کیا گیا ہے۔ ہر ورق نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے ان خصوصیات کو دیکھتے ہوئے ایک روپیہ کوئی زیادہ قیمت نہیں ہے ہمکو امید ہے کہ افراد (باقی ص)

یدا یدا ہی دھرمسیہ

ظہورِ امام العصرؑ والزمانؑ کے متعلق

شری کرشن جی کا فرمان!

(از قلم حقیقت رقم محقق دوران جناب حکیم سید محمود صاحب گیلانی دام ظلہٗ)

دنیا کے تمام ادیان و ملل پر نگاہ ڈالی جائے۔ تو ہر مذہب اور ہر قوم میں کسی نہ کسی رسول۔ پیغمبر۔ امام۔ اوتار۔ گرو وغیرہ کی "آمدِ ثانی" کا انتظار کیا جاتا ہوگا۔ چنانچہ مختلف مذاہب کے متبعین اپنے معتقدات کے لحاظ سے امام مہدیؑ۔ مسیح ابن مریمؑ۔ عزیرؑ۔ الیاسؑ۔ کلنکی اوتار۔ زرتشت۔ اور کرشن کے ظہور کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آخری زمانہ میں، جبکہ ساراجہان جرم۔ گناہوں۔ پاپوں۔ پرادھوں سے بھر چکا ہوگا تو مخلوق خدا کی اصلاح اور عصیان و عدوان کی بیخ کنی کے لئے خدا کی طرف سے کوئی ایسا مصلح، ریفارمر، رشی ضرور ظاہر ہوگا جو دنیا میں امن، امان۔ صلح و آشتی۔ اتحاد و اتفاق اور محبت و الفت قائم کریگا۔ اور جنگ و جدال۔ فساد و عناد عداوت و شقاوت کی جڑیں کاٹ دیگا۔

لیکن ـــ آج ہمیں دوسرے تمام ادیان و مذاہب اور ان کے مذکورہ اعتقادات کو نظرانداز کرکے صرف "ہندو دھرم" کا جائزہ لینا ہے۔ اور یہ دیکھنا ہے کہ وہ کرشن جی کے "ظہورِ ثانی" کے کیوں معتقد ہیں۔ اور ہزارہا سال سے اُن کے کیوں منتظر ہیں؟ ـــ کیا کرشن جی مہاراج نے واقعی کہا تھا کہ وہ دوبارہ آئینگے اور کلجگ میں اپنا روپ دھار کر دنیا سے پاپوں سے پرادھوں کو نشٹ کریں گے۔ اور کیا انھوں نے اپنی "آمدِ ثانی" کی نسبت اہلِ دنیا سے کوئی وعدہ بھی کیا تھا؟

اہلِ ہنود کی طرف سے غالباً یہ جواب ملے گا کہ ـــ ہاں! کرشن جی یہ ارشاد فرما گئے ہیں کہ ـــ "یدا۔ یدا۔ ہی دھرمسیہ" جس کے معنی یہ ہیں کہ ـــ میں آؤں گا۔ میں آؤں گا۔ جب دھرم کا ناش ہو چکا ہوگا" اور ان کے یہ الفاظ بھگوت گیتا میں درج ہیں۔

درست ہے یہ بات! کرشن جی کا یہ ارشاد ہندو دھرم کی اکثر کتابوں میں مسطور ہے اور اسی سے مغالطہ کھا کر یہ تصور بلکہ یقین کر لیا گیا ہے کہ وہ اپنا اصلی روپ دھار کر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور گناہوں سے بھرے ہوئے سنسار کو ظلم و ستم سے پاک کر دیں گے ورنہ حقیقت کچھ اور ہے۔ ایک ایسی حقیقت جس کی تہ تک اہلِ ہنود نہیں پہنچ سکے۔ اور اس راز کو نہیں پا سکے جو ان الفاظ میں پوشیدہ ہے۔

اہل علم اور تاریخ داں حضرات کو غالباً معلوم ہوگا کہ کرشن مہاراج کا اسم گرامی "کرشن" اُن کا ذاتی اور اصلی نام نہیں ہے بلکہ یہ اُن کا ایک صفاتی نام ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ سیاہ یا گہرا نیلا۔ ایک زہریلے سانپ کے ڈسنے سے جب اُن کے جسم کی رنگت سیاہی مائل نیلی ہوگئی۔ تو اُن کو بدن کی سیاہی یا نیلاہٹ کی مناسبت سے "کرشن" کہا جانے لگا۔ چنانچہ سنسکرت میں کسی چیز کی سیاہ قسم کے ساتھ، چاہئے وہ نیلے اور قرمزی رنگ کی ہو۔ کرشن کا اسم صفت لگا دیتے ہیں۔ مثلاً کرشن بادرما۔ (سیاہ بادل) کرشن دُھورت بڑھو (کالا دھتورہ) اور جس درخت یا جس لوٹی کے پھول کالے۔ نیلے یا قرمزی ہوں۔ اُسے کرشن تُشمیہ یا کرشن پُشپی کہتے ہیں — چنانچہ آج بھی کرشن جی کی تصویر جہاں کہیں بھی دیکھی جائے گی۔ سیاہی مائل نیلے رنگ کی نظر آئے گی۔ اور اسی لئے ان کو "نیل روپ بھاگوان" بھی کہا جاتا ہے۔

اتنا جان لینے کے بعد یہ بھی معلوم کیجئے۔ کہ کرشن جی نے یہ جو کہا ہے کہ "یدا یدا ہی دھرمسئیہ" یعنی جب بھی دین دھرم کی بربادی ہوگی۔ اُس وقت میں ظہور کروں گا۔ تو یہ اُنہوں نے ایک استعارہ اور اشارہ کے طور پر کہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوکہ — "میرے بعد جو بزرگ ترین ہستی آخری زمانہ یعنی کلجگ میں ظہور فرمائیگی۔ جبکہ ساری دُنیا گناہوں اور پاپوں سے بھری ہوگی۔ تو اُس آنے والی عظیم ہستی کا لباس اور جبہ! میرے جسم کے مانند سیاہ رنگ کا ہوگا" بلکہ اُنہوں نے تو یہاں تک فرمادیا ہے کہ کلجگ میں ظہور فرمانے والے امام آخرالزماں اُن بزرگوں ہی کی آل اولاد سے ہوگا جن کی پوشاکیں اور جن کے پرچم میرے بدن کے ہم رنگ ہوں گے یعنی سیاہ فام۔

چنانچہ کرشن جی فرماتے ہیں:۔

جب کبھی دھرم کا ناش ہونے لگتا ہے اور اُدھرم کی زیادتی ہوجاتی ہے۔ تب میں اوتار دھارن کیا کرتا ہوں۔ نیکیوں کی رکھشا دھرم کی بحالی اور گناہگاروں کی بربادی کے لئے، اُس وقت میں اوتار لیا کرتا ہوں۔

(شریمد بھاگوت گیتا ادھیائے ۴ ۱)

اس کا مطلب واضح ہے کہ آخری زمانہ میں جن معصومین المقدسین کا بھی ظہور ہوا۔ اُن کے باس اور اُن کے علم سیاہ رنگ کے تھے۔ جناب رسول گرامی پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے۔ تو آپ نے نہ صرف سیاہ دستار اور سیاہ جبہ کو زیب بدن فرمایا۔ بلکہ وہ مُزَّمِّل بنکر آئے اور حق تعالیٰ نے آپ کے لئے "کالی کملی" پسند فرمائی۔

امیرالمومنین امام المتقین جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ظہور فرمایا تو آپ نے سیاہ دستار اور سیاہ قبا کو پسند کیا۔ سیدۃ نساء العالمین ملکۂ جنت فاطمہ بنت محمدؐ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں تو سیاہ آنچل سیاہ کرتہ اور سیاہ برقع پہنتی رہیں۔ شہزادگان والا تبار فرزندان رسولؐ و دلبندان بتولؑ امام حسن و امام حسین علیہما السلام زینت گر کون و مکاں ہوئے۔ تو سیاہ پگڑیاں۔ سیاہ قمیصیں۔ سیاہ عبائیں زیب تن فرمائیں۔ پھر ان حضرات کی اولاد اطہار یعنی جناب سیدالساجدینؑ سے لیکر امام یازدہم جناب حسن عسکری تک نے بھی لباس سیاہ سے محبت فرمائی۔ علاوہ بریں جناب سیدالمرسلین اور حضورؐ کے اہلبیت کرام علیہم السلام کے علم اور پرچم جو رایۃ الاسلام کہلاتے تھے۔ برنگ سیاہ دیکھے گئے اور

جس وقت حضور مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے ان کا لباس مبارک اور ان کا علَم مقدس بھی سیاہ رنگ کا ہوگا۔

پس شری کرشن مہاراج نے یہ جو استعارۃً اپنی دوبارہ آمد کے متعلق کہا ہے تو اس کے معنی بالکل صاف ہیں کہ انہوں نے کلجگ میں ظہور فرمانے والے امام آخر علیہ السلام کے لباس اور عَلم کی سیاہ رنگت کو اپنے سیاہی مائل نیلے بدن کی رنگت سے نسبت دی ہے اور فرمایا ہے کہ آنے والے امام العصر کا شان یہ ہوگا کہ وہ لباس سیاہ میں ملبوس ہوں گے اور پرچم سیاہ کے حامل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اُن کے رفقائے کرام کے لباس اور جھنڈے بھی سیاہ ہوں گے۔ اور اسی لئے حضور مخبر صادق محمدؐ عربی فداہ امی وابی نے بھی ایک حدیث میں فرمایا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یقتتل عند کنزکم ثلثۃ کلھم ابن خلیفۃ ثم لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود قبل المشرق فیقتلونکم قتلا لم یقتلہ قوم ..... فقال اذا رأیتموہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المہدیؑ (ابن ماجہ باب خروج المہدیؑ)

ترجمہ:۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "مسلمانوں" کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ تین شہزادے تمہارے ایک خزانے کے پاس مارے جائیں گے۔ لیکن یہ خزانہ ان میں سے کسی کو نہ ملے گا۔ پھر اس کے کچھ مدت بعد مشرق کی طرف سے سیاہ جھنڈے نمودار ہوں گے۔ اور (وہ سیاہ جھنڈوں والے لوگ) تم کو ایسا ماریں گے کہ ایسی مار تم کو کبھی نہ پڑی ہوگی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے لوگو! جب تم اُس کے ظہور کو دیکھو۔ تو اُس کی بیعت کرو۔ اگرچہ تمہیں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل برف پر چلکر اس کے پاس جانا پڑے۔ کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ اور مہدیؑ ہے"۔

حضور خاتم النبیینؐ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ کے مندرجہ ارشاد مبارک کے ایک ایک لفظ پر غور فرمانے کی ضرورت ہے۔ اس میں حضور نے واقعہ کربلا کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور امام العصر کے ظہور کی علامت بھی بیان فرمادی ہے۔

جناب رسالت مآبؐ اُن نام نہاد "اہل اسلام" سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں جنہوں نے "مسلمان اور کلمہ گوئے رسول" ہوکر پیغمبر حق اور اُس کے آل اطہارؑ کو ستانے اور مٹانے پر کمریں باندھ رکھی ہیں۔ کہ "اے مسلمانو! تین شہزادے تمہارے خزانے (مالِ دُنیا سمیٹنے والی یزیدی حکومت) کے پاس مارے جائیں گے اور یہ خزانہ اُن میں سے کسی کو نہ ملے گا"۔ اس سے مراد شہزادہ علی اکبرؑ، شہزادہ علی اصغرؑ اور شہزادہ قاسمؑ ہیں۔ جن کو جاہ طلب یزیدیوں نے حصول اقتدار کے لئے شہید کیا۔ اور جناب رسول گرامیؐ نے "یہ خزانہ اُن میں سے کسی کو نہ ملیگا" کہکر آگاہ فرمادیا۔ کہ آل محمدؐ مال دنیا کے قریب بھی نہیں جاسکتے اور طلب جاہ کے لئے کسی شقی حکمران کی بیعت قبول نہیں کرسکتے۔ پھر حضور نے امام ہمام مہدی علیہ السلام اور ان کے فداکار ہمراہیوں اور ساتھیوں کی آمد کا نشان بتلاتے ہوئے فرمایا۔ کہ اس واقعہ کربلا کے کچھ عرصہ بعد اپنے معین وقت پر ایک گروہ سیاہ جھنڈے لئے ہوئے ظاہر ہوگا۔ یہ مہدی علیہ السلام کے رفقاء ہوں گے۔ جو اہلبیتؑ رسولؐ اور مومنین پر ظلم توڑنے والے کے پرزے اڑائیں گے۔ اور انہیں ایسی عبرتناک سزائیں دیں گے کہ دنیا لرز اُٹھیگی۔ اُس وقت امام مہدیؑ کا ظہور ہوگا۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ نہ صرف انکا لباس ہی سیاہ رنگ کا ہوگا بلکہ وہ بھی اور ان کے ساتھی

بھی سیاہ علم نکلے ہوئے ہوں گے۔ پس اے مسلمانو! اگر اُس وقت بھی ایمان کی کوئی رمق تم میں باقی ہو تو فوراً اُس خلیفۃ اللہ۔ اُس مہدی برحق کی طرف لپکو۔ اور اس کی بیعت کر کے نجات حاصل کرو اور جیسے بھی بن پڑے اسکی اطاعت میں سر جھکاؤ۔ اس کی متابعت کے بغیر تمہاری مغفرت نہ ہو سکے گی۔" حدیث مذکور میں جو کچھ جناب رسول خدا نے فرمایا ہے۔ قریباً قریباً یہی اشارہ شری کرشن نے اپنے اُپدیش میں کیا ہے۔ اور ایک جگہ اُنہوں نے یہ فرمایا ہے۔

" جب کلجگ کے آخر میں بہت سے پاپ ہو تے رہیں گے۔ تو نارائن جی دھرم کی رکھشا کی خاطر خود سنبھل دیش میں کلنکی اوتار دھارن کریں گے۔" (بھگوت گیتا اسکند ۱۲)

یہاں کرشن جی نے اپنی آمد کے بجائے زمانۂ آخر میں "نارائن جی" یعنی خدائے قدوس کے ظہور کا ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ کلجگ میں خود ذات رب العالمین ظاہر ہو گی اور وہ عصیان وطغیان کا خاتمہ کرے گی۔ اب ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ شری کرشن مہاراج نے امام مہدیؑ کی آمد کو ذات خدا کے ظہور سے کیوں تشبیہ دی ہے! یہ اسلئے! کہ از بسکہ آل محمدؐ صفات الہیہ سے متصف ہیں اور مہدی علیہ الصلوٰۃ بھی خدائی اوصاف کے سرمایہ دار ہوں گے۔ اس لئے ان کے ظہور کو خدا کا ظہور قرار دیا گیا ہے اور ــــ یہ کوئی کرشن جی ہی پر موقوف نہیں ــــ دیگر انبیائے کرامؑ نے بھی ظہور مہدیؑ کو ظہور الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ جیساکہ انجیل میں ہے ــــ " مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے (متی باب ۲۳ فقرہ ۳۹) اور عربی بائیبل میں ہے ــ اَنَا الرَّبُّ الْاَوَّلُ وَمَعَ الْاٰخِرِیْنَ اَنَا ھُوَ (یسعیاہ ۴۱-۴) جس کا ترجمہ اُردو بائیبل میں یوں ہے۔" میں خداوند پہلا خدا ہوں اور پچھلوں کے ساتھ بھی میں ہی ہوں۔" یہاں پچھلوں سے مراد آل محمدؐ ہیں جن کی تعریف میں یہی مضمون قرآن پاک میں یوں مرقوم ہے۔ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ تو اس سے یہ مطلب نکلا کہ خدا وند قدوس بہرحال آل محمدؐ کے ساتھ تھا اور آخر تک رہے گا۔ اور مہدیؑ علیہ السلام چونکہ خدا کی آواز خدا کا حکم خدا کا عمل ہوں گے۔ اس لئے ان کے ظہور کو خدا کے ظہور سے تشبیہ دی گئی ہے۔

پس کرشن جی کا یہ فرمانا کہ کلجگ میں ست جگ کا آغاز کرنے کے لئے "نارائن" یعنی ذات حق کا ظہور ہو گا۔ اور وہ پاپوں سے بھرے ہوئے سنسار کو پاک کریگا۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ جن امام مہدی علیہ السلام نے جلوہ فرما ہونا ہے۔ وہ چونکہ آل رسولؐ ہیں اور خدائی صفات کے حامل ہیں اسلئے ان کی تشریف آوری خدا تعالیٰ ہی کی آمد متصور ہو گی۔ جیساکہ ایک پنڈت جی نے گیتا کی شرح میں لکھا ہے۔

" یہ جو کہا جاتا ہے کہ کلجگ میں کرشن جی کا اوتار دھارن ہو گا۔ اور وہ پھر دنیا میں آئینگے یا یہ جو کہتے ہیں کہ کلجگ میں پرماتما روپ دکھائیں گے۔ تو ان سب باتوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایشور بھگوان کے گُن رکھنے والا کوئی مہا پرش آئیگا۔ جو ست جگ کا بانی ہو گا۔ اور وہ دھرم کے بگاڑ کو دور کرے گا اور ادھرمی کو مٹائیگا۔ اور کل سنساروں کے پاپوں کو دور کر کے سارے جگ میں شانتی پیدا کرے گا اور اشودوں کو شدھ کرے گا۔ اس کے کپڑے کالے ہوں گے اور پھریرا (جھنڈا) بھی کالا ہو گا اور وہ بڑی مہاتم ہستی ہو گی۔ ساری دنیا کا اس سے پربندھ ہو گا اور اس کے جھنڈے تلے سب کا ڈیرا ہو گا (کرشن جی کا گیان مؤلفہ پنڈت شری رام بنارسی)۔

مذکورہ عبارت نے کرشن جی کے اپدیش کا مطلب اور بھی صاف کردیا ہے اور اب یہ راز ڈھکا چھپا نہیں رہا۔ کہ "یدا یدا ہی دھرمستیہ" کے معنی یہ اور صرف یہ ہیں۔ کہ امام مہدی علیہ السلام کرشن جی کے رنگ بدن (سیاہ) لباس میں تشریف لائیں گے۔ ان کے رفقائے کرام کی پوشاک بھی سیاہ ہوگی اور وہ ہاتھوں میں سیاہ پرچم تھامے ہوں گے۔

شری کرشن جی کے "یدا یدا ہی دھرمستیہ" کہنے کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ مہاتما ساکی منی بدھ نے فرمایا ہے۔ انہوں نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے شاگرد خاص "آنند" کو تسلی دیتے ہوئے کہا:۔

"اے آنند! اس دنیا میں ایک ہی بدھ ہوکر نہیں آیا۔ جب وقت آئیگا تو میرے بعد ایک اور بدھ مبعوث ہوگا۔"

(کلیان دھرم)

اور ـــ جس طرح اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ آخری زمانہ میں اصلی مہاتما بدھ ہی دوبارہ مامور ہوں گے اسی طرح کرشن جی کے اپدیش ـــ "یدا یدا ہی دھرمستیہ" کے بھی یہ معنی نہیں کہ خود کرشن مہاراج ہی روپ دھارن کریں گے۔ یہ صرف اسراری باتیں ہیں ـ اور رموز کنایہ سے تعلق رکھتی ہیں ـــ اسی سلسلے میں کرشن جی نے یہ بھی کہا ہے کہ "کلجگ میں جب میں اوتار دھارن کروں گا تو اس وقت میرے دو نام ہوں گے۔ جبکہ اس وقت میرے کئی نام ہیں۔"

غور کیا جائے۔ تو کرشن جی کے اس ارشاد میں بھی ایک راز مضمر ہے اور انہوں نے اہل دنیا کو عصر آخر میں ظہور فرمانے والے امام گرامی کے اسم معظم سے آگاہ کردیا ہے۔ کہ "وہ دو ناموں والا ہوگا"۔ اسی طرح حضور پیغمبر اعظم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ "آخری زمانے کا امام ذُوالاِسْمَیْن ہوگا۔ یعنی دو نام رکھتا ہوگا۔ چنانچہ کون نہیں جانتا کہ اس امام موعودؑ اُس ذُودۂ رسالت کا ایک نام م ح م د ہے اور دوسرا نام م ہ د ی ہے اگر پھر بھی اس میں کوئی شبہ ہو۔ تو ڈاکٹر پی۔ آر۔ دت ایم۔ اے شاستری کا بیان سن لیجئے۔ لکھتے ہیں اور کس خوبی سے کہ:۔

"ست جگ قائم کرنے اور دنیا کو ظلم و گناہ سے دور رکھنے کے لئے جب شری کرشن جی مہاراج دوبارہ اپنا روپ دھاریں گے۔ تو اس وقت ان کا ایک شبہ نام "مہامت" ہوگا اور ان کا دوسرا نام "مہادی" ہوگا۔ لیکن ان کا نام "مہامت" اسی وقت پکارا جائیگا جبکہ وہ اوتار دھارن کریں گے" ماہنامہ "ویدک پرچار" آگرہ۔ بابت ماہ اگست دستمبر سنہ ۱۹۴۸ء جلد ۳ نمبر ۸-۹ صفحہ ۳۲)

ویدوں میں اسم پاک محمدؐ کو "مہامت" لکھا گیا ہے۔ اور مہدیؑ کو "مہادی" کہا گیا ہے۔ مسٹر پی۔ آر۔ دت مذکور نے معاملہ اور بھی صاف کردیا ہے۔ کہ آخری زمانہ میں کرشن جی اوتار دھارن نہیں کریں گے بلکہ امام العصر والزمان حضرت (م ح م د) مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ اور ان کو ہرگز "کرشن" نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ حضورؑ کو دو ناموں سے پکارا جائے گا۔

بہرحال جائے غور ہے۔ کہ جس کرشن نے مہابھارت کی جنگ میں آلی یا آلیا (علیؑ) سے امداد چاہی۔ اور امیر المومنینؑ کی نصرت و اعانت سے وہ کامران و فتحمند ہوا ـــ جس کرشن نے اسلام کے چہاردہ معصومینؑ

کے ذکر و فکر میں مگن رہ کر ان کے روپ سروپ کو اپنے دل میں جگہ دی۔ اور مشہور یہی کیا گیا کہ "کرشن جی چودہ روپ دھار سکتے ہیں"۔

جس کرشن نے خدا تعالیٰ کے دوازدہ آئمہ سے عشق کیا اور مودۃ القربیٰ کے بادۂ محبت میں سرشار رہا۔ مگر ڈھنڈورا یہ پیٹا گیا کہ "کرشن جی بارہ گوپیوں کے پریم میں مست ہیں"۔

جس کرشن نے علیؑ کی جنم بھومی (کعبہ) کی طرف کبھی پاؤں نہ کئے کہ بے ادبی نہ ہو جائے۔ جس کرشن نے حسین مظلومؑ کے واقعہ شہادت کو سامنے لا کر سوگ منایا اور آنسو بہائے۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ آخری زمانے میں ظہور فرمانے والے ایک جلیل القدر امامؑ کی مماثلت اور ہمسری کا دعویٰ کرے؟ — اُس نے جو کچھ کہا۔ اسراری زبان میں کہا۔ اشارہ اور استعارہ سے کہا۔ رمز اور کنایہ سے کہا — اور کہا تو یہی کہا کہ — کلجگ میں دُنی "کلنکی اوتار" دینی ناداش اور بھگوان جلوہ نمائے عالم ہوگا۔ جو شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پانی پلائیگا جو فساد و عناد۔ جنگ و قتال۔ شرارت اور ظلمت۔ ظلم و ستم۔ جرم و گناہ کا خاتمہ کر دے گا وہ سیاہ پیراہن۔ سیاہ عمامے اور سیاہ جھنڈے کے ساتھ نمودار ہوگا اور اس کے ساتھی بھی اسی جیسے لباس میں اس کے ہمراہ ہوں گے۔ اس کی بیعت اور اس کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہوگی اور اس کی فرمانبرداری کے بغیر نجات اور مغفرت ناممکن ہو جائے گی — یہ ہے مطلب کرشن جی کے فرمان ——

"بلا۔ بلا۔ ہی دھرم ستیہ" کا!

بقیہ:- کلنڈر

قوم بانہوں ہاتھ خریدار فرما کر اپنی انجمن کی مدد فرمائیے۔ اس کلنڈر کی خصوصی تیاری کا سہرا جناب سید قربان حسن صاحب عابدی جلالوی کے سر ہے ہم ان کی اس سعی مشکور پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اور اضافہ فرمائے۔ آمین۔

مطالبات

رہبر ملت خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلوی قومی مطالبات کی تسلی و کوشش میں منزل مراد تک پہنچ رہے ہیں انشاء اللہ بہت جلد وہ دن آرہا ہے کہ جب قوم شیعہ بھی اس عظیم ترین مملکت میں باطمینان زندگی گزار سکیں گے۔ مطالبات کے سلسلے میں حکومت نے ایک کمیٹی مقرر کرنے کا اعلان کر دیا ہے جس میں تین ہر سرکاری چیف سکریٹری مغربی پاکستان۔ سکریٹری تعلیمات اور ہوم سکریٹری ہوں گے اور پانچ نمائندے ہماری قوم کے ہوں گے جن کے نام خطیب اعظم پیش کریں گے ہمکو مکمل وثوق اور یقین کامل ہے کہ رہبر ملت اس موقع پر اپنی پوری ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ممبروں کے نام حکومت کو بھیجیں کیونکہ اگر خدانخواستہ کسی سودے باز۔ جعلساز اور قومی بازیگر کو لے لیا گیا تو پھر قوم کا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا۔ قوم میں مخلص ترین کارکنوں کی کمی نہیں ہے یہ موجودہ قوم کی ہی حیات و موت کا مسئلہ نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے شیعہ قوم کی نسل کشی ہوگی۔ قوم کا بچہ بچہ اس علم و یقین پر جا رہا ہے کہ قائد ملت جعفریہ سیاسی (باقی [illegible]

شعبان وہ اسلام کا ممدوح مہینہ — تقویم کی خوش وضع انگوٹھی پہ نگینہ
دنیا وہ اندھیرے میں اُجالے ہیں دو عملی — مغرب سے شب ماہ کی اوڑھے ہوئے کملی
وہ شب کہ شبِ قدر کو بھی دید کا ارماں — وہ چودہویں تاریخ کے ماتھے پہ چندرماں
چاندی سی جبیں چاند کی سجدوں سے مُطلاً — تسبیح ستاروں کی تجلی کا مُصلّاً
دل کو نگہِ شوق کا ہر بار تہو کا — پٹ کھولے ہوئے نیمۂ شعبان کا جھرو کا
وہ گوشۂ مشرق سے کوئی جھانکنے والا — پچھم میں وہ پورب کے تبسم کا اُجالا
بہکے ہوئے بھولے ہوئے کھوئے ہوئے دونوں — وہ تیرگی و نور سموئے ہوئے دونوں
جیسے کوئی پگھلائے ہوئے شیشہ کا ساگر — اس ڈھب کا اندھیرا کہ اک چیز اُجاگر
شبنم کے گہر رحمتِ معبود کے جھالے — سورج کی اترتی ہوئی کرنوں کے حوالے
وہ صبح جسے خود یدِ قدرت نے سوارا — انگڑائیاں لیتا ہوا وہ صبح کا تارا
وہ وقت کہ سجدے رُخِ گیتی کو نوازیں — اسلام کی دنیا میں نمازیں ہی نمازیں
توحید کے نغموں کی وہ تکرار شبانی — وہ زورِ اذاں کا وہ اقامت کی جوانی
اخلاص کی خوشبو سے وہ پھولوں کا مہکنا — تکبیر کی آواز پہ کلیوں کا چٹکنا
ترتیل وہ الحمد کی عنوانِ گذارش — وہ منزلِ آخر وہ تشہد کی سفارش
وہ دوش پہ لہروں کے تلاوت کی صدائیں — وہ بار اٹھاتے ہوئے قرآں کا ہوائیں
رحمت کی گذرگاہ تولّا کے اشارے — تقریب دعاؤں کی درودوں کے سہارے
انوار کی بارش کرمِ ایزدِ باری — تکمیل کرم مہدیٔ ہادی کی سواری
دلبند و دل آرام ۔ پیمبر کی ولادت — ہم صورت و ہم نام پیمبر کی ولادت
ماحول کو معصوم بنائے ہوئے معصوم — معصوم کو سینہ سے لگائے ہوئے معصوم

وہ جلوۂ قائم وہ قیامت کا تبسم — آغوشِ امامت میں امامت کا تبسم
وہ حُسن کہ تعیینِ سن و سال سے بالا — رخسار کے اک تِل سے دو عالم میں اُجالا
سیرت کی زمانہ میں بہت روز سے شُن گُن — صورت کا وہ عنوان کہ اللہُ جمیلٌ

بکھرائے ہوئے دوش پہ زلفیں وہ غلیلی — آنکھوں کی طرف دیکھ کے کونین نے پی لی
وہ ذہنِ خداداد رسولِ ازلی کا — دل فاطمہ کا درد حسینؑ ابنِ علیؑ کا
چتون کا اشارہ عزمِ اسلام کی جانب — تیور وہ قیامت کے نظر شام کی جانب
یہ بات نہ پائی کسی جرأت کے دھنی میں — غصہ وہ بجھایا ہوا خُلقِ حسنی میں
وہ دبدبۂ قیصری و سطوتِ شاہی — فطرت میں ید اللہ کی اسلام پناہی
وہ روحِ عمل و لولہ دادرسی میں — دنیا کو بدل دینگے یہ ٹھانے ہوئے جی میں
تفریقِ کم و بیش مٹانے کا ارادہ — اقوام کو اک سطح پہ لانے کا ارادہ
اُن قدموں سے لپٹے ہوئے جاوے پہ تصدق — دنیا مرے مولا کے ارادے پہ تصدق
کردار بہت قوم کا ابتر ہے اب آجا — غیبت میں تری راج لُٹا جاتا ہے راجا
ہر شب کو یہ سمجھا کے سُلاتا ہے اندھیرا — جینے ہیں تو ہوگا ترے درشن کا سویرا
پل بھر کو نہ ہاتھوں سے عنانِ صبر کی چھوٹی — گیارہ سو برس بیت گئے آس نہ ٹوٹی
کمزور ہیں غیرت سے گڑے جاتے ہیں صاحب — دنیا سے بہر حال لڑے جاتے ہیں صاحب
مرتے ہوئے دم عشق کا بھرتے ہی رہے ہیں — خاکسترِ مقتل سے ابھرتے ہی رہے ہیں
کس کس نے ہوا ظلم کی بدعت کی نہ باندھی — کس رو نہ چلے گی تری تلوار کی آندھی
دنیا تری شنکا تری مجرائی ہے داتا — ہر قوم میں آنے کی خبر آئی ہے داتا
سیدھی ہے رہ مہر و وفا پھیر نہیں ہے — دل کو ہے یقیں دیر ہے اندھیر نہیں ہے

نتیجۂ فکر [illegible] ادام ظلہ

از محمدؐ تا محمدؐ

ابتدا — انتہا

معمولی سی سمجھ اور شعور والا انسان بھی جب کوئی چیز بناتا ہے تو اس کی بنیاد اسی انداز پر رکھتا ہے کہ جس انداز پر اس کو عمارت لیجانا مقصود ہوتی ہے بڑے سے بڑے اوورسیر اور انجینئر کی خوبی یہی ہے کہ عمارت کے انداز سے بنیاد کی گہرائی اس کا مواد اور اس کا مال مسالحہ اس طرح رکھے کہ جس بلندی یا جتنے زمانے تک اس تعمیر کو لیجانا یا باقی رکھنا مقصود ہو یہ تو عام صورت میں ہے لیکن اگر کوئی ماہر ترین انجینئر اپنے کمال کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہو تو ایسی صورت میں وہ اپنی تعمیری بنیاد کو ایسے انداز پر رکھے گا کہ جہاں یا جس مقام پر اس تعمیر کا مظاہرہ ہونا ہو وہاں اس کی تعمیر اور مصنوع کے مقابلے میں کسی طرح بھی کوئی مقابل نہ آسکے۔

خصوصاً ایسے موقع پر جبکہ اپنی ذات کا کمال تخلیق بھی مقصود ہو — ایسی صورت میں جب عام دستور یہ ہے تو خالق کائنات اور مالک کون و مکان کے لئے اور بھی ضروری ہے کہ جب وہ اپنے کمال کا مظاہرہ پیش کرے گا تو یقیناً وہ ایسا ہو گا کہ جس سے افضل جس سے بہتر اور جس سے کامل ترین دوسرا نہ ہو اب اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو فاعل اپنی قدرت کاملہ کے مظاہر پیش کرے تو یہ ایک واجب ذات کے لئے ممکن نہیں کیونکہ ممکن محدود ہے اور واجب کہ جس کے قدرت و کمال لامحدود۔ لہٰذا اس کی ذات کے اعتبار سے ممکن نہیں اب دوسری صورت یہ ہے کہ ممکنات کی مخلوق میں جس قدر بھی قبول کمال کی صلاحیت اور قوت موجود ہے اس کے اعتبار سے اس کو اتنا مکمل و اشرف بنائے گا کہ ممکن ہوتے ہوئے واجب کی سرحد سے ٹکرائے دَنٰی فَتَدَلّٰی ۔ مخلوق ہوتے ہوئے خالق کے صفات کا مظہر اتم ہو۔ فانی ہوتے ہوئے بقائے دوام اور حیات ابدی کا سرچشمہ ہو تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جب بندہ ایسا ہے تو معبود کیسا ہوگا جب مخلوق اس شان و شوکت کا ہے تو خالق کی شان یکتائی کیسی ہوگی۔

اسی کیفیت کے پیش نظر اللہ اپنی قدرت کے ظہور کا ارادہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ ۔ میں ایک پوشیدہ خزانہ اور گنج مخفی تھا میں نے چاہا کہ میری معرفت ہو۔ خَلَقْتُکَ یَا مُحَمَّدُ ۔۔ تو اے محمدؐ فوراً میں نے تم کو پیدا کر دیا گویا اب کمال و شان محمدؐ کو دیکھو اور خدا کے کمال کا کلمہ پڑھو۔۔۔ محمدؐ کی آنکھیں جلوہ گاہ ربوبیت لہٰذا عین اللہ اس کے کان سماعت ربانی کے خزانہ لہٰذا اذن اللہ اس کی زبان تکلم خدا کی ثنا لہٰذا لسان اللہ اس کا چہرہ انوار الٰہی کا آفتاب لہٰذا وجہ اللہ اس کا نفس مرضیات الٰہی کا معدن لہٰذا نفس اللہ اسی لئے حکم دیدیا کہ خدا سے محبت کرنی ہو تو محمدؐ کے قدم بقدم چلو پھر مجھ تک پہنچو گے اور جب تم اور ہم

ایک ہو گئے تو سارا جہاں تمہارا ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ایسا پر جلال مخلوق ایسی نور علی نور عبدیت اگر اسی انداز اور شان سے دنیا میں بھیجا جاتا تو غالب کا یہ شعر صادق آتا۔

شب وصال میسر ہوئی مگر نہ ہوئی
کہ تاب حسن سے تھا وقت دو پہر کا سا

لہٰذا اس آفتاب رسالت اور ماہتاب نبوت کے جلووں کا پہلے تو ایک لاکھ تیئیس ہزار نو سو ننانوے نبوتوں کے ذریعہ آہستہ آہستہ آنکھوں کو عادی بنانے کے لئے اس نور کی جھلک اور چمک حضرت آدم علیہ السلام میں رکھکر سلسلہ معرفت کو آگے بڑھایا چونکہ یہ وجود بے عیب ذات کا مظہر اتم تھا لہٰذا اس کے ظروف بھی بے عیب اور معصوم قرار دئے گئے آخر چلتے چلتے جب اس کی منزل حضرت ابراہیم تک پہنچی اور اس کا کمال نبوت۔ رسالت اور خلت سے نمایاں ہو کر امامت تک پہنچا اب اس کے دو حصے کر دئے ایک کو نسل اسحاق میں منتقل کر کے نبوت عیسیٰ تک پہنچایا اور دوسرے کو نسل اسماعیل میں ودیعت کر کے قیامت تک بقائے کائنات کا انتظام کر دیا۔

نسل اسحاق میں جہاں جہاں یہ نور گیا وہاں نبوت وعصمت کے ظروف میں گیا یہاں تک کہ اگر بی بی مریم تک پہنچا تو اس کو ایسا محفوظ بنایا کہ اگر کوئی معصوم کو نہ ملا تو اس کی عصمت کو داغ دھبوں سے بچانے کے لئے بغیر شوہر کے عیسیٰ جیسا نبی پیدا کر کے نور محمدی کی طہارت وعصمت کو بلند و بالا کر دیا۔ عدل الٰہی کا تقاضا ہے کہ جس طرح نسل اسحاق میں اس کی طہارت وعصمت کو ضائع نہیں ہونے دیا گیا اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر (کیونکہ نسل اسماعیل قیامت تک تمام نعمتوں کی وارث ہو کر چلے گی) نسل اسماعیل میں جس جس مقام سے یہ نور مقدس گزرے وہاں عصمت وطہارت ایسی ہو کہ ظہور قدسی تک ایک سے ایک اعلیٰ و افضل ہو ورنہ مقصد قدرت فوت ہو جائیگا اور بے عیب ذات میں عیب پیدا ہو جائیگا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔

اسماعیل کا تذکرہ کرو جو وعدہ کا سچا اور نبی مرسل تھا اور اپنے اہل کو نماز۔ روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتا تھا اور وہ بارگاہ ربوبیت میں پسندیدہ تھا۔ ۱۶ ع ۴ س مریم۔

اس سے روز روشن کی طرح معلوم ہو گیا کہ حضرت اسماعیل کی نسل دین الٰہی اور ملت ابراہیمی کی پابند تھی اور جہاں جہاں یہ نور مقدس جلوہ فگن رہا ہے وہاں کسی قسم کی نجاست تو درکنار تصور بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ اس کی تصدیق اس ارشاد قدرت سے ہوتی ہے۔ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ۔ ۱۹ ع ۱۱ ۔

اے رسول جن جن اصلاب وارحام سے تم گذرتے گئے ہو وہ سب کے سب ہمارے ہی مطیع و فرمانبردار اور ہماری ہی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے۔

علاوہ ازیں علامہ شبلی نعمانی اپنی سیرت النبی میں اس طرح اس کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت ختمی مرتبت سے پہلے عرب میں ایک گروہ ملت ابراہیمی پر تھا۔ عرب میں بت پرستی کا بانی عمرو بن لحی تھا اس کا اصل نام ربیعہ بن حارثہ تھا جس کی نسل سے عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ ہے۔ عمرو سے پہلے جرہم (جن سے حضرت اسماعیل کا رشتہ قائم ہوا تھا) کعبہ کے متولی تھے عمرو نے لڑ جھگڑ کر جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود کعبہ کا متولی بن بیٹھا تھا۔ یہ ایک مرتبہ شام کے کسی شہر میں گیا وہاں لوگوں

کو بتوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا تو چند بت وہاں سے لاکر کعبہ کے اردگرد رکھدئے اور کعبہ چونکہ تمام اعراب کا مرکز تھا اس وجہ سے بت پرستی عام ہوگئی۔ اس بت پرستی کے باوجود خدا کا عقیدہ انہیں راسخ تھا۔

دین ابراہیم کا ام الاصول۔ توحید خالص تھا زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع نے اصول اگرچہ شرک آلود ہوگیا تھا، تاہم بالکل فنا نہیں ہوسکا تھا بحر النبی جلد اول صفحہ ۱۲۳۔

اب ہم قارئین کرام کے معلومات میں اضافہ کی خاطر اس شجرۂ طیبہ کا مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہوجائے کہ اس سلسلہ حسب و نسب میں ایک سے ایک اعلیٰ و اشرف فرد ہے۔

اب تمام عالم میں جو قوم عرب کے عزت و افتخار کی علمبردار ہے وہ آل اسماعیل ہی ہے اور یہ نسل اسماعیل تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہے گویا اس طرح خدا کا وہ وعدہ پورا ہوا ہے جو اللہ نے حضرت ابراہیمؑ سے کیا تھا۔

اور اے ابراہیم میں نے اسماعیل کے حق میں تیری بات سنی دیکھ اب میں اسے برکت دوں گا اس کو بار آور کروں گا اور بہت افزائش دوں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔

سفر تکوین باب ۱۷ ص ۱۷ کتاب مقدس بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۵۸ء۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نسل اسماعیل میں سیادت کا شرف خود خدا کا دیا ہوا ہے اس کو عرب کی قبائلی اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں اور یہ خدا کا وہ انعام ہے جو آج تک اور تا قیام قیامت سادات آل رسول کے لئے قائم و برقرار ہے اور رہیگا۔

حضرت اسماعیل کے بیٹوں میں جناب قیدار کی نسل خوب پھیلی اور پھولی اور اس کا اصل مسکن شروع ہی سے حجاز رہا ہے۔ یہی وہ شاخ ہے کہ جس سے حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مورث اعلیٰ کا سلسلہ وابستہ ہے۔

عدنان ۔ جناب رسول خداؐ کا نسب عدنان تک معتبر تواریخ اور کتب انساب میں متفقہ حیثیت سے درج ہے۔ جناب عدنان کی شخصیت اور حیثیت اولاد اسماعیل میں ایسی تھی جیسے ستاروں میں چاند۔ جس طرح عرب عاربہ اپنے جد قحطان پر آل قحطان ہو کر فخر کیا کرتے تھے اسی طرح بعد میں آنے والی نسل اسماعیل آل عدنان ہونے پر نازاں تھی۔

معد ۔ جناب عدنان کے دو فرزند معد اور عک تھے عک کی شادی یمن کے قبیلہ اشعری میں ہوئی اور وہیں ان کی نسل خوب پھیلی۔ معد کی اولاد حجاز ہی میں رہی ۔ انہی کی نسل سے حضرت پیغمبرؐ ہیں۔

نزار ۔ معد کے چار بیٹے ہوئے۔ نزار۔ قضاعہ قنص اور ایاد۔ ان چاروں کے چار قبیلے ہوئے جن میں سے قضاعہ اور ایاد کی نسل کے نام تاریخ میں بہت عرصہ تک مل جاتے ہیں لیکن قنص کے قبیلہ کا نام زیادہ دن نہیں چلا۔ نزار کو ان سب میں نمایاں حیثیت حاصل تھی اور آل نزار عرب میں ممتاز شخصیت کی مالک تھی۔

مضر ۔ نزار کی تین اولاد نرینہ ہوئیں۔ مضر۔ ربیعہ انمار۔

مضر اور ربیعہ کی نسل عرب میں بڑی اہمیت کی حامل گزری ہے۔ انمار کی دو شاخیں خثعم اور بجیلہ ہوئیں ان کی طرف منسوب افراد کے نام تاریخ میں عرصہ تک نظر آتے ہیں۔

الیاس ۔ مضر کی نسل دو بیٹوں، الیاس اور عیلان سے پھیلی اور بڑھی۔

مدرکہ ۔ الیاس کے تین بیٹے مدرکہ ۔ طابخہ

اور قمعہ ہوئے۔ مدرکہ کا اصل نام عامر تھا لیکن آپ نے بچپنے میں ایک ایسے لٹیرے گروہ سے جو اونٹوں کو بھگا کر لے جارہا تھا نہایت بہادری سے مقابلہ کر کے اونٹوں کو چھڑا لیا تھا اس وجہ سے آپ کو مدرکہ کہنے لگے اور بعد کو آپ اسی لقب سے مشہور ہوئے مدرکہ کے معنی حاصل کر لینے والے کے ہیں۔

خزیمہ۔ مدرکہ کے دو بیٹے خزیمہ اور ہذیل ہوئے جن کے دونوں قبیلے تاریخ میں مشہور ہیں۔

کنانہ۔ خزیمہ کی اولاد میں کنانہ۔ اسد اسدہ اور ہون ہوئے۔ اسد اور اسدہ کی نسل دو قبیلوں میں بٹی جو اسد اور بنی اسدہ کے نام سے تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے آخری دو کی نسل کا کوئی پتہ نہیں ملتا

نضر۔ کنانہ کے چار فرزند تھے نضر۔ مالک۔ عبد مناف اور ملکان۔ انہیں بھی پہلے دو کی نسل مشہور ہے اور آخری دو گمنام ہیں۔

مالک۔ نضر کے دو بیٹے مالک اور مخلد تھے مالک بنی ہاشم کے اجداد سے ہیں اور مخلد کی نسل کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

فہر۔ مالک کے ایک ہی بیٹا تھا جو آسمان عزت و شہرت کے درخشاں چاند ہیں۔

نسل قریش کی ابتداء اور اسکی وجہ تسمیہ

نسل فہر قریش کے لقب سے کب مشہور ہوئی اس میں علمائے تاریخ و انساب میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قریش نضر بن کنانہ کا لقب تھا جو فہر کے جد امجد ہیں نضر کی اولاد قریش کہلائی۔

بعض کا کہنا ہے کہ قریش فہر بن مالک کا لقب ہے اور آپ کی نسل قریش کہلائی۔

قریش کیوں کہا گیا۔

اسمیں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش، تقرش سے ماخوذ ہے اور تقرش کے معنی کسب و اکتساب کے ہیں چونکہ ان کو تجارت میں بیحد انہماک تھا اسی لئے قریش کہلائے۔

دوسرا قول ہے کہ تقرش کے معنی اجتماع کے ہیں اور چونکہ اس نسل کے ذریعہ عرب کی بکھری ہوئی قوم اکٹھی ہوئی اور تمام اعراب کی شیرازہ بندی ان کے ذریعہ ہوئی اس لئے یہ قریش کہلائے۔

بہر حال دونوں تعبیرات سے قریش کی بلند کرداری اور حب انسانی و تمدنی مزاج کا پورا پورا پتہ ملتا ہے۔ خواہ اس طرح کہ ان کا گویا عہد تھا کہ سستی۔ کاہلی اور بیکاری کی زندگی سے پرہیز رہیگا اور کسب معاش کے لئے دوڑ دھوپ طلب معیشت کے لئے تگ و دو اور معاشی خوشحالی کے لئے سخت سے سخت محنت و مشقت کو اپنا شعار بنائیں گے۔ یا یہ کہ اس نسل کو افرا تفری۔ فرقہ بندی اور انسان کی خانہ بدوشی انتہائی خراب اور لاعلاج مرض نظر آتا تھا برخلاف اسکے حتی الامکان اتحاد۔ اتفاق۔ مرکزیت اور یکجائیت کے راستہ پر گامزن رہیں گے۔ دونوں طرح انسانی فلاح و بہبود کی روشنیاں نظر آتی ہیں اور یہ شریف ترین نسل انسانی پر قیام قیامت تک کے لئے احسان عظیم ہے۔

غالب۔ فہر کے چار بیٹے غالب۔ محارب۔ حارث اور اسد تھے۔

غالب وارث فہر قرار پائے۔

لوی۔ فہر کے دو دلبند ہوئے لوی اور تیم جن سے دو قبیلوں کی بنیاد قائم ہوئی اور یہ دونوں تاریخ میں مشہور ہیں۔

کعب۔ لوی کے چار لخت جگر تھے کعب۔ عامر سامہ اور عوف انہیں سے ہر فرد ایک ایک قبیلہ کا

مورث اعلیٰ ہے۔

مُرّۃ ۔ کعب کے تین لڑکے مرۃ ۔ عدی اور ہصیص ہوئے۔

پہلے دو کی اولادیں تاریخ میں معروف ہیں تیسرے کی نسل کے سلسلے میں تاریخ خاموش ہے۔

کلاب :۔ مرۃ کی بھی تین اولادیں تھی کلاب ۔ تیم اور لقیظہ ۔ کلاب اور تیم کے دو قبیلے تاریخ میں مشہور اور تیسرا گمنام ہے۔

قُصَیّ ۔ کلاب کے دو جگر بند قصی اور زہرہ ہوئے۔

قصی بڑے دانا دور اندیش ۔ بالغ نظر اور حکیمانہ فکر وتدبر کے مالک تھے انہوں نے اپنی تمام اولاد کو نیکی، ہمدردی ، ملنساری ، تہذیب اور شائستگی سے آراستہ کرکے جملہ برائیوں سے دور رکھا اور اس کی تلقین کرتے رہے خصوصاً شراب نوشی جو عرب میں عام تھی اسے ام الخبائث سے ہمیشہ اپنے دل کے ٹکڑوں کو دور رکھا اور کہا کہ

نَھِیَ اِیَّاکُمْ وَشُرْبَ الْخَمْرِ فَاِنَّھَا اِنْ صَلَحَتْ لِاَبْدَانٍ فَسَدَتِ الْاَذْھَانُ وَالْاَدْیَانُ

اے میرے فرزندو خبردار کبھی بھول کر بھی شراب کے قریب نہ جانا یقیناً یہ ذہنی صلاحیتوں کو فاسد اور دینی قابلیتوں کو کاسد کردیتی ہے۔ (امالی صدوق)۔

جناب قصی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قبیلہ قریش کے منتشر اور منتشر افراد کو یکجا کرکے مکہ یعنی خانہ کعبہ کے گرد سکونت اختیار کرنے پر آمادہ کیا اس طرح اس شہر کو شہرت وعظمت حاصل ہوئی جو بیت اللہ کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اس طرح آپ کے اتحاد انسانی اور تنظیم قومی کی یہ کامیاب ترین مہم سرانجام دیکر تاریخ کے رخ کو بدل دیا۔ اسی وجہ سے آپ کو مجمع کا لقب حاصل ہوا۔ خانہ کعبہ کی تولیت جو ایک عرصہ اولاد اسماعیل کے ہاتھ سے نکل چکی تھی پھر دوبارہ نسل اسماعیل ہی آپ ہی کے ہاتھوں آئی اور وہ تمام عہدے جو کسی شریف کو اپنی قوم وخاندان میں حاصل ہوسکتے ہیں یا ہوا کرتے ہیں وہ سب آپکو حاصل تھے ثبوت کے لئے ابن ہشام کے یہ الفاظ بہت کافی ووافی ہیں۔

وَکَانَ قُصَیٌّ اَوَّلَ بَنِیْ کَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَصَابَ مُلْکًا اَطَاعَ لَہٗ بِہٖ قَوْمُہٗ فَکَانَتْ اِلَیْہِ الْحِجَابَۃُ وَالسِّقَایَۃُ وَالرِّفَادَۃُ وَالنَّدْوَۃُ وَاللِّوَاءُ فَحَازَ شَرَفَ مَکَّۃَ کُلَّہٗ (سیرت ابن ہشام)

قصی کعب بن لوی کی اولاد میں سب سے پہلے وہ شخص ہیں کہ جنکو مکہ کی حکومت وریاست حاصل ہوئی اور وہ خانہ بدوش قریش جو کسی کی سرداری کو تسلیم کرنا اپنے لئے ذلت سمجھتے تھے قصی کی اطاعت بخوشی کرتے تھے قصی کو حاجیوں کی جملہ خدمات حاصل تھیں۔ جیسے حاجیوں کے امور انجام دینا۔ ان کو پانی پلانا اور ان کی مہمانداری کرنا اور آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ بڑے اہم امور میں لوگ آکر آپ سے مشورہ طلب کرکے اپنی اپنی مشکلیں حل کیا کرتے تھے آپ اتنے نامور اور بہتر یانتہ سردار تھے کہ آپ کا باقاعدہ نشان (علم) تھا غرضیکہ مکہ معظمہ کی جملہ شرافتیں جناب قصی کے قدموں سے چمٹی ہوئی تھیں۔ دنیا دی ہی نہیں بلکہ آپ ایسے نیک کردار تھے کہ آپ کا فرمان اپنی قوم میں مذہبی قانون کی طرح واجب العمل سمجھا جاتا تھا زندگی میں نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی یہ کیفیت تھی ملاحظہ ہو۔

وَکَانَ اَمْرُہٗ فِیْ قَوْمِہٖ مِنْ قُرَیْشٍ فِیْ حَیَاتِہٖ وَمِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ کَالدِّیْنِ الْمُتَّبَعِ لَا یُعْمَلُ بِغَیْرِہٖ ۔ (ابن ہشام)

قصی کا حکم اپنی قوم قریش میں آپ کی زندگی اور بعد موت ایسے چلتا تھا جیسے امر دین کی اطاعت لازمی اور ضروری ہوا کرتی ہے۔

عبد مناف۔ جناب قصی کے چار فرزند ہوئے عبد مناف۔ عبد الدار۔ عبد العزیٰ اور عبد۔ ان میں سے پہلے دو کی نسل کا پتہ تو تاریخ میں بخوبی ملتا ہے مگر دو گمنام ہیں جناب عبد مناف اپنے پدر محترم کی زندگی ہی میں تمام ان مناصب جلیلہ پر فائز ہو گئے تھے جو جناب قصی کو حاصل تھے

كَانَ عَبْدُ مَنَافٍ قَدْ شَرُفَ فِي زَمَانِ أَبِيهِ وَذَهَبَ كُلَّ مَذْهَبٍ۔

جناب عبد مناف اپنے والد کی حیات ہی میں تمام شرافتوں سے مشرف ہو چکے تھے اور جملہ امور دینی انجام دیا کرتے تھے جو ان کے پدر بزرگوار پورا کیا کرتے تھے۔ عبد مناف کا اصل نام مغیرہ تھا (ابن ہشام) ممکن ہے عبد مناف عرفیت ہو گئی ہو

ھاشم۔ عبد مناف کے چار بیٹے ہاشم، عبد شمس مطلب اور نوفل ہوئے۔

جناب ہاشم (آپ کا نام عبد العلیٰ اور ایک روایت کی بناء پر عمرو تھا (معارج ص ۳۸۵) اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین اور مکہ معظمہ کے جملہ مناصب و اعزازات کے حامل تھے آپ کی سخاوت۔ شجاعت انسانی ہمدردی اور مہمان نوازی شہرۂ آفاق ہے۔ آپ کا لقب ہاشم اسی وجہ سے ہوا کہ آپ نے قحط سالی کے زمانہ میں تمام قریش کو ثرید جیسا کھانا جو قریش کی مرغوب ترین غذا تھی کھلایا اسی کو ایک شاعر یوں بیان کرتا ہے۔

عَمْرُو الَّذِي هَشَمَ الثَّرِيدَ لِقَوْمِهِ
قَوْمٌ بِمَكَّةَ مُسْنِتُونَ عِجَافُ

اس عمرو کی کیا تعریف ہو جس نے اپنی مکہ والی قوم کو (سختی قحط سالی) کے زمانہ میں ثرید کے پیالے بھر بھر کر کھلائے (ابن ہشام ص ۵۹)۔

حضرت ہاشم سچے اور پکے موحد تھے کبھی آپ نے بتوں کو سجدہ نہیں کیا تھا محمد اسحاق کہتا ہے کہ جناب ہاشم کے بارے میں خدا فرشتوں کو مخاطب کر کے اس طرح کہتا تھا کہ اے میرے فرشتو گواہ رہنا کہ میں نے ہاشم کو جملہ رذائل و شناعتوں سے پاک رکھا ہے (معارج ص ۳۸۶)

جناب ہاشم ایسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت تھے کہ جب آپ راہ سے گزرتے تو تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا کرتے تھے اور جس طرف سے آپ کا گزر ہوتا اس طرف کی ہر چیز آپ کے سجدہ کو جھک جایا کرتی تھی۔ آپ کی جلالت قدر اور نیکنامی کا شہرہ سن کر قیصر روم نے اپنی دختر دینا چاہی مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ گویا آپ اس سلسلہ میں حکم خدا کے منتظر تھے چنانچہ آپ کو ایک روز خواب میں بشارت ہوئی کہ سلمیٰ دختر عمرو سے نکاح کرو یہ خواب دیکھتے ہی جناب ہاشم مکہ سے مدینہ پہنچے اور بنی نجار سے سلمیٰ بنت عمرو سے نکاح کیا۔

سلمیٰ حسن و جمال۔ فضل و کمال۔ فصاحت و ملاحت شرافت و نجابت اور جملہ صفات میں مثل جناب خدیجہ تھیں۔ آخر جناب سلمیٰ سے ایک چاند جیسا بچہ عبد المطلب پیدا ہوا۔ جناب ہاشم تجارت کے لئے شام تشریف لے گئے تھے وہیں آپ نے رحلت فرمائی۔ یتیم ہاشم اپنے ننھیال میں پلتے اور بڑھتے رہے آپ کا نام نامی اسم گرامی شیبۃ الحمد تھا جس کے متعلق حسب ذیل مختلف روایتیں ہیں۔

۱۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کی پیشانی کے بالوں کا ایک حصہ سفید تھا جس کی وجہ سے لوگ شیبۃ الحمد کہا کرتے تھے۔

۲۔ آپ کے سر کے بالوں میں ایک بال ایسا سفید تھا جس کی وجہ سے لوگ شیبۃ الحمد کہا کرتے تھے۔

۳۔ آپ نیکی۔ بھلائی اور اچھے اچھے کاموں میں بڑھ



حیدرآباد کی سب سے زیادہ مفید انجمن حیدری کے اراکین

رضوی اینڈ کمپنی اور ادارہ تحریرات «محبوب ایجنسی»

یوم ولادت حضرت حجتہ علیہ السلام کے مبارک و سعید موقع پر اپنی خدمات اور مبارکباد پیش کرتا ہے



اور عوام کی سہولت کے پیش نظر نہایت مسرت سے اطلاع دی جاتی ہے کہ جملہ اقسام عرائض، استغاثہ، حلف نامہ، ضمانت نامہ، بیعنامہ، رہن نامہ، اقرار نامہ، راضی نامہ، ہبہ نامہ، کابین نامہ، مختار نامہ خاص و عام و جملہ کام برائے پاسپورٹ از قسم توسیع ویزا پاسپورٹ، ایمرجنسی سرٹیفکیٹ، ڈومی سائل سرٹیفکیٹ، حقوق شہری پاکستان۔ جملہ اقسام لائسنس فارم و پاسپورٹ فارم ہندوستان و دیگر ممالک، پرومیسری نوٹ، وکالت نامہ و دستور انجمن، رجسٹریشن انجمن، سرٹیفکیٹ، محکمہ انکم ٹیکس، بہی کاتھہ و دیگر عدالتی دیوانی و فوجداری، محکمہ آبادکاری و ٹائپ کے سلسلہ میں مشورہ مفت و کام نہایت واجب اجرت پر تسلی بخش تحریر و ٹائپ وغیرہ کے لئے ادارہ تحریر و ٹائپ واقع محبوب ایجنسیز سرور منزل عقب شالیمار ٹاکیز گدس تاکہ حیدرآباد کی خدمات حاصل کریں۔

اوقات ملاقات: موسم سرما شام 6 بجے سے 9½ بجے رات تک
موسم گرما شام 6½ بجے سے 10½ بجے رات تک

المکلف: **ایس۔ ایم۔ محبوب حسین رضوی** سند یافتہ عرائض نویس برائے عدالت، اے۔ ڈی۔ ایم۔ صاحب حیدرآباد (مغربی پاکستان)

رضوی اینڈ کمپنی (رجسٹرڈ)

8 سرور منزل گدس تاکہ حیدرآباد سندھ (مغربی پاکستان)

نوٹ: زوار صاحبان کے خاص رعایت کی جائے گی۔

Only Title and pictures printed at MADINA Printing Press Risala Road Hyd.



اھالیان علاقہ سندھ کو اھل بیت علیھم السلام سے ھمیشہ سے عقیدت رھی ہے خصوصاً میر صاحبان کی محبت خاندان رسول صلعم سے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ میں محمد آل محمد کی بہت سی ایسی خاص یادگاریں موجود ھیں کہ جن سے دوسرے علاقہ خالی ھیں یہ اس قرآن پاک کا عکس ہے جو امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے دست حق پرست کا لکھا ھوا ہے۔ اور سندھ

چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ لہٰذا شیبۃ الحمد لقب ہوا۔

۲۔ کیونکہ آپ جو کچھ بھی کیا کرتے تھے وہ فعل جمیل اور عمل جلیل ہی ہوا کرتا تھا اس وجہ سے شیبۃ الحمد مشہور ہوئے۔

عبدالمطلب نام ہونے کا سبب۔

جناب ہاشم کی وفات کے بعد مکہ کے جملہ عہدہ جات اور مراتب کے وارث جناب مطلب قرار پائے۔ جناب مطلب میں وہ تمام خوبیاں اور بھلائیاں موجود تھیں جو جناب ہاشم میں تھیں اسی وجہ سے وہ جملہ تبرکات جو جناب ہاشم کے پاس تھے سب کے سب جناب مطلب کو ملے۔ حضرت اسماعیلؑ کی کمان۔ جناب نزار کا علم۔ خانۂ کعبہ کی کنجی۔

جناب شیبۃ الحمد مدینہ ہی میں پرورش پا رہے تھے اور آپ کی نگرانی آپ کی والدہ ماجدہ کرتی تھیں کہ ایک روز یثرب کے بچوں میں تیر اندازی کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں ہاشم جیسے تیر انداز کا بیٹا ہوں مکہ کا ایک عرب جو مدینہ آیا ہوا تھا اس نے یہ سنا اور فوراً جا کر جناب مطلب کو خبر دی کہ تمہارا بھتیجا آب و تاب ہاشمی کا گوہر بے بہا اور دُرِ یتیم ہے مگر غربت و افلاس کے گرد و غبار میں اٹا ہوا ہے یہ سن کر جناب مطلب کے خون نے جوش مارا بھائی کی یاد تازہ ہوئی فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھے یثرب پہنچے اور نور نظر برادر کو بچوں میں سے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا کر سیدھے مکہ پہنچے جب مکہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ کے دریافت کرنے پر آپ نے کہا کہ میرا عبد ہے جس کو یثرب سے خرید کر لا رہا ہوں لیکن جناب مطلب ہر مقام پر جناب عبدالمطلب کو آگے رکھا کرتے تھے آخر جناب مطلب خدا کو پیارے ہوئے اب جناب عبدالمطلب عہدہ ہائے ہاشمی اور مناصب مطلبی کے وارث قرار پائے۔

جناب عبدالمطلب۔ بڑے عاقل و دانا۔ ہوشیار و فرزانہ تھے۔ فصاحت و بلاغت آپ کی لونڈیاں تھیں اخلاق حسنہ اور عادات طیبہ میں آپ کا کوئی ہم پلہ نہ تھا آپ کی جلالت قدر اور عظمت و برتری اس پایہ کی تھی کہ جس کو آپ پناہ دیدیتے تھے اس کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ تمام اطراف و اکناف مکہ میں آپ کی سرداری بزرگواری اور فضیلت و عظمت کا سکہ چلتا تھا۔ روحانی جلالت یہ تھی کہ جب کبھی اعراب کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو آپ کو کوہ ثبیر پر لے جاتے اور آپ کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ قرار دیا کرتے تھے جس سے آنے والی بلا ٹل جاتی اور مشکل حل ہو جایا کرتی تھی (معارج)

چاہ زمزم اور حجر اسود کا ظہور۔

یہ واقعہ ہم اس لئے لکھ رہے ہیں کہ قارئین کرام کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ آباؤ اجداد حضرت ختمی مرتبتؐ مسلمان ہی نہیں بلکہ مرضیات الٰہی کا مرکز تھے۔

چاہ زمزم وہ کنواں ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے پیارے نبی حضرت اسماعیلؑ کی خاطر جاری کیا تھا جس کے پانی کی خاصیت یہ تھی کہ ہر قسم کا مریض اس کے پینے سے شفایاب ہو جایا کرتا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کے بعد مکہ کی سرداری اور خانہ کعبہ کی تولیت آپکی نیک ترین اولاد ثابت کو پہنچی تھی جناب ثابت کے بعد مضاض جرہمی کو یہ سرداری ملی اس وقت اہل مکہ دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، رئیس و سردار مضاض تھا اور لشکر ہی کا عہدہ سمیدع کو حاصل تھا کچھ دنوں کے بعد ان دونوں میں خصومت ہو گئی جس کی وجہ سے مضاض نے سمیدع کو قتل کر دیا۔ (یہ پہلا خون ناحق تھا جو سرزمین مکہ پر بہایا گیا) اس طرح مضاض نے پورے مکہ کی حکومت پر قبضہ کر لیا آخر ہوتے ہوتے طاؤس دربار آخر کی نوبت پہنچی اور بنی جرہم نے مکہ معظمہ میں ظلم و جور کر کے عدل و

انصاف کو بالائے طاق رکھ دیا یہ ظلم اتنا بڑھا کہ حاضر و مسافر سب پر ظلم کرنے لگے اور خانۂ کعبہ کے تبرکات و نذر و نیاز کا غلط مصرف شروع کر دیا یہ بنی جرہم حضرت نابت ابن اسماعیل کے ننھیالی تھے اب ان کے ددھیالی بنی بکر نے جب یہ ظلم و ستم اور خانۂ کعبہ کی بے حرمتی دیکھی تو بنی خزاعہ کی مدد لیکر بنی جرہم کو مطلع کیا کہ خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت ہمارا حق ہے لہٰذا اسکو واپس کرو کیونکہ تمہارے ظلم و جبر اور بے راہ روی سے دنیا تنگ آچکی ہے ورنہ مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بنی جرہم جن کو اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا ایک بڑا لشکر تیار کر کے مقابلہ کو نکلے آخر شکست فاش کھا کر بنی بکر سے امان طلب کی اور صلح کی درخواست کی۔ آخر کار اس شرط پر مصالحت ہوئی کہ مکہ اولاد اسماعیل کے لئے خالی کر دیا جائے اور بنی جرہم مع اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کے مکہ سے چلے جائیں۔ جب ان کے رئیس عمرو بن حارث نے یہ دیکھا تو حجر اسود کو اس کے مقام سے جدا کیا۔ خانۂ کعبہ میں دو ہرن تھے ان کو لیا اور وہ انبیاء کے ہتھیار جو خانۂ کعبہ میں تبرکاً رکھے ہوئے تھے چاہ زمزم میں ڈال کر اس کو پاٹ کر ایسا زمین کے برابر کر دیا کہ اس کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا اور جناب عبدالمطلب

کے زمانہ تک اس کا تذکرہ بھی لوگ بھول چکے تھے اب جناب عبدالمطلب کو حکم خدا ہوا اور خواب میں بشارت دی گئی کہ فلاں مقام کو کھودو — چاہ زمزم بھی نمودار ہوگا۔ اور تمہارے آباؤ اجداد کے تبرکات بھی ملیں گے۔

چنانچہ جناب عبدالمطلب نے اس مقام کو کھودنا شروع کیا جب اہل مکہ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے جناب عبدالمطلب سے جھگڑا کیا کہ تم ہمارے خداؤں کے برابر گڑھا کیوں کھودتے ہو اور تم کہتے ہو کہ چاہ زمزم صرف تمہارا حق ہے ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں ہم سب شریک ہیں جناب عبدالمطلب نے ان کے اس شرکت کے دعوے کو ٹھکرا دیا اور پھر کھودنا شروع کیا آخر یہ جھگڑا کیا کہ یہ طے پایا کہ کسی عقلمند اور دانا شخص کو ثالث مقرر کر دیا جائے تو وہ فیصلہ کرے سبکو منظور ہوگا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ ملک شام میں ایک بڑا حکیم و دانا اور بلا کا قیافہ شناس ہے۔ لہٰذا اس سے چل کر فیصلہ کرایا جائے چنانچہ قبائل قریش سے ایک ایک آدمی جناب عبدالمطلب کے ساتھ چلنے کو تیار ہوا گرمی کا موسم تھا۔ شام کے لق و دق صحرا میں پانی کہیں میسر نہ تھا ان کے ساتھ کا پانی ختم ہو چکا تھا ان کی جان ہونٹوں پر تھی کہ جناب عبدالمطلب نے کہا کہ اس طرح جان دینے سے کیا فائدہ، چلو اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر پانی تلاش کرو چنانچہ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر

تلاش آب کے لئے چلے تو اتفاقی طور سے جناب عبدالمطلب کے اونٹ کا کھر ایک پتھر سے ٹکرایا جس سے ایک صاف شفاف اور شیریں چشمہ جاری ہو گیا یہ دیکھ کر جناب عبدالمطلب نے فوراً نعرۂ تکبیر بلند کیا پھر سب نے اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر خوب دل سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی اپنی مشکیں اور چھاگلیں پانی سے بھر کر کہنے لگے کہ اب آپ سے ہم کو کوئی اختلاف نہیں اس نے کہ جس خدا نے تمہاری برکت سے ہم اتنوں کی جان بچائی ہے اور ایسے بے آب و گیاہ میدان میں ہم کو آب شیریں پلایا ہے یقیناً اس خدا نے آب زمزم آپ ہی کو مرحمت کیا ہے چلئے اب واپس چلیں اور اس چاہ زمزم کے آب کے بلا شرکت غیرے مالک و وارث ہیں کسی دوسرے کا کوئی حق اس میں نہیں ہے۔ آخر کار جناب عبدالمطلب نے واپس آکر اس خواب والی جگہ کو کھودا اور وہ چاہ زمزم ظاہر ہوا جو آج تک باعث یمن و برکت بنا ہوا ہے اس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اصلاب وارحام

نام حضرت ختمی مرتبت ہر قسم کے رجس سے پاک پاکیزہ اور
ایسے طیب وطاہر تھے کہ وحی الٰہی کا مہبط تھے۔ (معارج
رکن اول ص ۳۸۹-۳۹۰)

اور ملاحظہ کیجئے۔

ایک روز حضرت عبدالمطلب اپنے حجرہ میں آرام فرما رہے تھے کہ ناگہاں ایک خواب دیکھا کہ ایک سفید زنجیر ان کے صلب سے ظاہر ہوئی کہ جس کا ایک حصہ تحت الثریٰ میں پہنچا دوسرا آسمانوں سے گزر گیا، ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں پہنچا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ زنجیر ایک ایسا ہرا بھرا درخت ہو گئی کہ جس میں دنیا کا ہر پھل موجود تھا پھر اس سے ایک آفتاب جیسا روشن نور ظاہر ہوا کہ جس کو عرب و عجم سجدہ کرتے تھے اور جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا اس نور اور درخت میں ترقی ہوتی تھی، میں نے دیکھا کہ قریش کے ایک گروہ نے اس درخت کی شاخیں پکڑلی ہیں اور قریش ہی کا ایک گروہ اس درخت کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہے، اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک ایسا حسین وجمیل جوان آیا کہ جس سے زیادہ خوبصورت نوجوان میں نے نہیں دیکھا وہ اس درخت کے کاٹنے والوں کو اپنی تلوار سے روکتا تھا اور جب یہ سب مل کر حملہ کرتے تھے تو یہ جوان ان کو منتشر و پراگندہ کر دیا کرتا تھا میں نے ہاتھ بڑھایا کہ اس نور سے میں بھی اقتباس کروں اسی اثنا میں اس جوان سے میں نے پوچھا کہ یہ نور کس کے نصیب کا ہے اس نے جواب دیا کہ یہ نور ان کے حصہ کا ہے جو اسی درخت سے لپٹے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دو بزرگ سفید ریش۔ روشن رو۔ منور دل اس کے نیچے نمودار ہوئے ایک کا نام نوح اور دوسرے کا ابراہیم علیہما السلام تھا ان بزرگواروں نے مجھ سے کہا اے

عبدالمطلب یہ اصل شریف تمہارے
بزرگوں کے ایک گروہ سے دوسرے گروہ اور
ایک صلب سے دوسرے صلب میں منتقل
ہوتی ہوئی تم تک پہنچی ہے اب یہ تمہارے
صلب سے ظہور پذیر ہونے والی ہے۔

یہ خواب دیکھ کر حضرت عبدالمطلب کی آنکھ کھل گئی آپ نے اس رویا کو اہل علم کے سامنے بیان کیا انہوں نے سن کر کہا کہ اے عبدالمطلب اگر یہ واقعہ سچ ہے تو عنقریب تمہارے صلب سے ایک ایسا فرزند پیدا ہونے والا ہے کہ جس پر جملہ آسمانوں کے فرشتے، زمین کے مکین اور کل کائنات ایمان لائے گی اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریگی۔ زنجیر کا اشارہ اس طرف ہے کہ اسکی شریعت اور اس کا دین ہر طرف پھیل جائیگا نوح و ابراہیم علیہما السلام کے ظہور کا اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح نوح و ابراہیم کے ماننے والوں کو نجات ملی اور مخالفین غرق و نابود ہوئے اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ کے مخالفین آتش حسد و شعلہ مخالفت میں جل کر لعن وطعن کے دریا میں غرق ہوں گے۔

(معارج النبوۃ رکن اول ص ۳۹۲، ص ۳۹۳)

عبداللہؑ ۔ جناب عبدالمطلب کی منزل اسی ظہور قدسی کی آخری منزل تھی اللہ کی ودیعت اور خدائے رحمٰن ورحیم کی امانت کی ادائیگی کا وقت آن پہنچا لہٰذا قدرت نے مردوں میں جناب عبداللہ کو اور عورتوں میں جناب آمنہ کو منتخب فرمایا اور وہ وقت آن پہنچا کہ گوہر شب چراغ نبوت و رسالت صدف رحم آمنہ سے اس طرح جدا ہوا کہ اس کی ضوفشانی سے کعبے کے بت سرنگوں ہوئے آتشکدہ ایران گلدستہ رحمت بنا اور آسمان سے فرشتے گروہ در گروہ مبارکباد وتہنیت کے پیغامات لیکر نازل ہوئے اور وہ شجرہ طیبہ کہ جس کی اصل مضبوط اور بار آور اور اس کی فرع آسمان سے بلند تر تھی پیدا ہوا۔ مجسمۂ صداقت وامانت کی گود میں پرورش ہوئی۔

(باقی صفحہ ۔۔)

مرکز و منتہائے کائنات



ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے!

شاعرِ ملت تابش سیدپوری

یہ دورِ ظلم و استبداد جلدی جانے والا ہے ۔۔۔ جمالِ حق بس اپنا جلوہ اب دکھلانے والا ہے
سحابِ رحمتِ باری جہاں پر چھانے والا ہے ۔۔۔ فضا میں دینِ فطرت کا علَم لہرانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

حسینی عزم تیغِ مرتضیٰؑ علمِ حسنؑ لے کر ۔۔۔ عبادت میں اسیرِ کربلا کا بانکپن لے کر
غرض سیرت میں اپنی سب بزرگوں کا چلن لے کر ۔۔۔ ابھی انداز سے پیغامِ حق پہنچانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

محبت کا جنہیں دعویٰ ہے وہ ہشیار ہو جائیں ۔۔۔ اطاعت سے جنہیں رشتہ ہے وہ بیدار ہو جائیں
مدد کا عہد جو باندھے ہیں وہ تیار ہو جائیں ۔۔۔ قیادت کاروانِ قوم کی فرمانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

فضائے دہر پر چھائی ہوئی مایوسیاں کب تک ۔۔۔ مئے عشرت کے ساغر پی کے یہ سرمستیاں کب تک
حقوق و فرض کی ابھی رہیں گی گتھیاں کب تک ۔۔۔ اصولِ حق پہ ہر گتھی کو وہ سلجھانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

سیاست کے نئے فتنوں سے تھرّایا ہوا عالم ۔۔۔ مظالم کے نئے حربوں سے گھبرایا ہوا عالم
جہنم کا نمونہ بن کے شرمایا ہوا عالم ۔۔۔ یہی اک روز ٹکڑا خلد کا بن جانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

ستم جو ڈھا رہا ہے وہ دبایا جائے گا اک دن ۔۔۔ حقِ مظلوم ظالم سے دلایا جائے گا اک دن ،

خدائی عدل دنیا کو دکھایا جائے گا اک دن ! امیر اپنی حقیقی شان و رفعت پانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

ملے گی ظلم کے قانون سے دنیا کو آزادی اسی کے ہاتھ سے ہوگی جہاں میں حق کی آبادی
نبی کا آخری نائب ہمارا آخری ہادی خدا کی راہ پہ ہر قوم کو لے جانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

ہمیں حالات سے معذور ہو جانا نہیں آتا مظالم سے ہمیں مجبور ہو جانا نہیں آتا
مصائب میں ہمیں محصور ہو جانا نہیں آتا زمانہ اب سزا اپنے کیے کی پانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

مظالم کا ہو نرغہ یا غم و آلام گھیرے ہوں نفاق و جہل و استبداد کے گہرے اندھیرے ہوں
یہ واجب ہے کہ اس کے منتظر ہم ہر سویرے ہوں ہمارے حال کی اصلاح وہ فرمانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

ابھی تو جانچا جائے گا ہمارا دعوئے الفت ابھی تو دیکھی جائے گی ہمارے عزم کی قوت
لگائی جائے گی اک دن ہمارے خون کی قیمت ہمارا عہد اور پیمان پرکھا جانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

کریں کردار سے ظاہر جنھیں نسبت کا دعویٰ ہے خلوص و عزم دکھلائیں جنھیں نصرت کا دعویٰ ہے
اہم ہے فرض بھی ان کا جنھیں الفت کا دعویٰ ہے ہمارے دل کی تہہ کا حال پرکھا جانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

فدا جو حق پہ کر سکتے ہیں اپنی جان دکھلائیں بھروسا ہو سکے جس پر کچھ ایسی آن دکھلائیں
حسینی شان ہے اس کی حسینی شان دکھلائیں وہ تاریخ گذشتہ دہر میں دہرانے والا

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

زمانہ کفر سے گر ساز کرتا ہے تو کرنے دو جو پانی ظلم کا سر سے گزرتا ہے گزرنے دو
سنبھالو خود کو تا انکہ بدعتیں ہر سو ابھرنے دو کہ وہ حق کا محافظ قصر بدعت ڈھانے والا ہے

ابھی تو آخری رہبر ہمارا آنے والا ہے

نُور اور تشریحِ نُور

(از عالیجناب ڈاکٹر سید منظور حسین صاحب جعفری)

اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

(اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے)

مذکورہ بالا قرآنی عبارت سورۂ نور کی پینتیسویں ۳۵ آیت کا پہلا فقرہ ہے۔ اس کے ترجمے جو مختلف قرآنوں میں دئے ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ خدا تو سارے آسمان و زمین کا نور ہے۔
(مولانا فرمان علی صاحب قبلہ مرحوم)

۲۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا روشن کرنیوالا ہے۔
(مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ مرحوم)

۳۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور دینے والا ہے (مولانا امداد حسین صاحب قبلہ کاظمی)

۴۔ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔
(مولانا اشرف علی صاحب قبلہ سنی المذہب)

مذکورہ بالا چار ترجمے مستند اور مقبول تراجم قرآنی میں موجود ہیں۔ جن میں سے پہلا اور چوتھا ترجمہ تو ضرور ترجمہ ہے لیکن دوسرا اور تیسرا ترجمہ، ترجمہ نہیں ہے بلکہ معنی کی شرح ہے۔ اس لئے کہ ترجمہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک زبان کے ایک لفظ کے مقابل یا نیچے دوسری زبان کا ایک ہی لفظ ایسا رکھا جائے جو اسی معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو، جس معنی کے لئے پہلی زبان کا لفظ وضع کیا گیا ہے۔ جیسے پانی۔ آب۔ ماء کہ مختلف زبانوں کے یہ تینوں الفاظ ایک ہی معنی کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ پہلی زبان کے ایک لفظ کے ترجمے کے لئے دوسری زبان کے متعدد الفاظ تشریحی اور توضیحی طور سے استعمال کئے گئے ہوں تو پھر وہ ترجمہ، ترجمہ نہیں رہتا۔ بلکہ معنی کی تشریح ہو جاتی ہے۔ اسی لئے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ یوں کہ ایک زبان کے بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کا مترادف ایک ہی لفظ دوسری زبان میں نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر آیۂ مذکورہ بالا کے لفظ (نُور) کو ہی لے لیجئے۔ لفظ نُور کا اردو ترجمہ اکثر لغات میں (روشنی) دیا ہوا ہے۔ لیکن میرے خیال میں جن معانی اور جن حقیقت پر لفظ نُور حاوی ہے لفظ روشنی سے وہ معنی اور حقیقت پورا نہیں ہوتا، جیسا کہ آئندہ بیان سے واضح ہو جائیگا۔ چونکہ اردو زبان میں لفظ نُور کا مترادف کوئی ایک لفظ نہیں ہے۔ ترجمہ میں لفظ نور کے بجائے لفظ نُور ہی استعمال کرنا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے متعدد تشریحی الفاظ استعمال کرنے سے اس لفظ کے معنی کی تشریح ہو جائے گی ترجمہ نہیں رہے گا۔ مثلاً نُور کا ترجمہ اگر لَو دینے والا یا روشن کرنے والا کیا جائے تو یہ اس لفظ کے مرادی معنی کی تشریح ہوگی ترجمہ نہ ہوگا۔

اکثر عربی اردو لغات میں اس لفظ نور کے حسب

ذیل لغوی مرادی اور اصطلاحی معنی دیئے ہوئے ہیں۔

لغوی معنی:-

۱۔ روشنی، روشنی کی کرن، چمک، اجالا، رونق روپ ــــ۔

۲۔ جو چیز دوسروں کو آشکارہ کر دے۔

۳۔ وہ کیفیت جس کو قوتِ باصرہ اولاً درک کرتی ہے۔

۴۔ وہ چیز جو چیزوں کو ظاہر کر دے۔

ان معانی میں ترجمہ کے طور پر تو روشنی، چمک اجالا، رونق اور روپ دئے گئے ہیں اور باقی معنی کی تشریحات ہیں۔

مرادی معنی:-

۱۔ آگ کی روشنی (۲) ایمان کی روشنی ۳۔ احکامِ الٰہی کی روشنی ۴۔ قرآن مجید کی روشنی ۵۔ شریعت و براہینِ الٰہیہ کی روشنی ۶۔ اللہ کی تجلی ۷۔ توحید و اعمالِ صالحہ کی روشنی ۸۔ قرآن ۹۔ توریت ۱۰۔ ایمان ۱۱۔ ہدایت ۱۲۔ اعمالِ صالحہ ۱۳۔ روزِ قیامت کا نور ۔ ۱۴۔ ذات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ تمام مرادی معنی ترجمہ نہیں کیے جا سکتے بلکہ یہ سب معنی کی تشریح ہیں۔

اب لغات کے لحاظ سے اگر ایک ہی لفظ سے لفظ نور کا ترجمہ کیا جائے تو اکثر لغات کے لحاظ سے ترجمہ ہوگا۔ اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔ اور متعدد الفاظ کے ذریعہ سے اگر معنی کی تشریح کی جائے تو وہ ہوگی اللہ آسمانوں اور زمین کی وہ چیز ہے جو اشیاء کو آشکارا کرتی ہے۔ یا وہ کیفیت ہے جس کو قوت باصرہ اولاً ادراک کرتی ہے۔

لغات میں دیے ہوئے ان الفاظ ہی کو اگر ہم لفظ نور کا ترادف اس مقام پر سمجھ لیں تو میرے نزدیک اس گہرے مفہوم تک جس کو کہ یہاں لفظ نور ظاہر کر رہا ہے ان میں سے کوئی ترجمہ نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ آگے کے بیان سے واضح ہو جائے گا۔

مثلاً اگر ہم یہاں لفظ نور کے معنی اسی عام روشنی کے سمجھ لیں جس کو ہم اپنی آنکھوں سے درک کرتے ہیں تو بہت سی قباحتیں لازم آجائیں گی۔

۱۔ پہلی تو یہ کہ دنیا میں اندھیری راتوں میں اللہ غائب ہو جائے گا۔ یا زمین کے ایک طرف اللہ ہوگا دوسری طرف نہ ہوگا۔

۲۔ دوسری یہ کہ اگر سورج کی اللہ نہ بھی مانیں تو بھی سورج کے ساتھ اللہ کو وابستہ ماننا پڑے گا۔ اور اگر کہیں کہ رات میں بھی اتنی روشنی ضرور ہوتی ہے کہ انسان اپنے موٹے موٹے اور ضروری کاموں کو بخوبی انجام دے سکتا ہے تو اللہ میں تغیر و تبدل ماننا پڑے گا۔ اس صورت میں پھر اللہ، اللہ نہیں رہے گا۔

۳۔ تیسری قباحت یہ لازم آئے گی کہ ایسی ہی روشنی جیسی کہ ہماری دنیا میں ہے آسمانوں کیا بلکہ ساری خلاءِ کائنات میں ماننی پڑے گی۔ حالانکہ جدید علم فلکیات کی تحقیقات میں یہ بات صحیح نہیں ہے، روشنیاں مختلف الخواص اور الگ الگ ہیں۔ ہمارے اس سورج کی روشنی کی ایک مخصوص ساخت ہے، ایک محدود حلقہ ہے۔ اس کی ایک حد ہے کہ اس حد کے پار یہ روشنی نہیں پہونچتی۔ اسی طرح سے بہت سے ستارے خلاءِ کائنات میں ایسے ہیں کہ جن کی روشنی ابتدائے وقت سے اب تک ہماری زمین تک نہیں پہونچ پائی ہے۔ حالانکہ جدید سائنس طبعیات کے مطابق روشنی کی رفتار دو لاکھ

ننانوے ہزار سات سو چھیانوے (۲۹۹،۷۹۶) کلومیٹر فی سکینڈ ہے (ایک کلومیٹر تقریباً ۶ء۰ میل کے برابر ہوتا ہے) تو پھر یہ روشنیاں ہماری جیسی روشنی نہیں ہو سکتیں پھر اللہ کو کونسی روشنی ماننا پڑے گا۔

۴۔ چوتھی قباحت یہ لازم آئے گی کہ کائنات کے بعض گوشے ایسے بھی ہیں کہ جہاں مطلق تاریکی ہے اور انتہائی سردی ہے۔ اور یہ تاریکی ازل سے ہے اور ممکن ہے کہ ابد تک رہے۔ پھر وہاں اللہ کی موجودگی کیسے ثابت ہوگی۔

۵۔ پانچویں قباحت یہ لازم آئے گی کہ ہر روشنی کا کوئی نہ کوئی منبع ہوتا ہے کہ جس سے وہ روشنی نکلتی ہے یا جو روشنی دیتا ہے تو اللہ جو بموجب اس ترجمہ کے خود روشنی ہے اس کا منبع کیا ہے اور کہاں ہے۔ کہاں سے یہ روشنی آتی ہے، جو اللہ بنی ہوئی ہے۔ آسمان اور زمین یعنی یہ خلاء کائنات تو اس کا ظرف ہیں کہ جن میں یہ روشنی بھری ہوئی ہے، مگر آئی کہاں سے ہے، اس کا نکاس کہاں سے ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ آسمان اور زمین سے ہی یہ روشنی نکل کر خلاء میں پھیلتی ہے تو پھر اس روشنی کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ آسمان اور زمین مقدم ٹھیرتے ہیں۔

۶۔ چھٹی یہ قباحت لازم آئے گی کہ اگر یہاں لفظ نور سے روشنی ہی مقصود ہوتی تو لفظ ضیاء استعمال کیا جا سکتا تھا، لفظ ضو استعمال ہو سکتا تھا۔ لفظ نور کے ہی استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کسی خاص وجہ سے یہ لفظ یہاں استعمال کیا گیا ہے۔

غرضکہ ان تمام امور کی بنا پر لفظ نور کا ترجمہ یہاں روشنی سے کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اور نور کو اس مقام پر روشنی سمجھنا کوتاہ فکری ہے، اور بلاغت قرآن حکیم کے منافی ہے۔ اور یہ امر اور اچھی طرح سے واضح ہو جائے گا اگر پہلے ہم یہ سمجھ لیں کہ روشنی کیا چیز ہے۔

ظاہر ہے کہ روشنی کو سمجھنے کے لئے ہمیں جدید سائنس طبعیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ پرانا فلسفہ یا حکمت ہم کو روشنی کے متعلق صرف اتنا ہی بتلاتی ہے کہ جو چیز اشیاء کو آشکارا کردے۔ یا وہ کیفیت جس کو قوت باصرہ اولاً درک کرتی ہے روشنی کہلاتی ہے۔ یہ وہ مبہم بیانات ہیں کہ جن سے کسی تحقیق کنندہ کی سیری نہیں ہو سکتی۔

روشنی کو سائنس طبعیات سے سمجھنے سے پہلے آنکھ کو اور بصارت کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ کیونکہ روشنی کا تعلق مخصوص طور پر آنکھ ہی سے ہے۔ اس لئے پہلے آنکھ کی ساخت اور اس کے فعل کو اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہئے۔

آنکھ کی بناوٹ بالکل فوٹوگرافی کے کیمرے کی سی ہے۔ اور درحقیقت یہ ایک چھوٹا سا کیمرہ ہی ہے۔ انسان کی آنکھ کچھ بیضوی شکل کی گول گیند کی سی ہوتی ہے۔ جس کے اگلے حصہ پر ایک صاف و شفاف جھلی کا پردہ ہوتا ہے۔ جس میں ہو کر روشنی کی کرنیں بالکل صاف گذر جاتی ہیں جیسے کہ کانچ میں سے گذر جاتی ہیں۔ اس پردے کے پیچھے بالکل شفاف پانی سا بھرا ہوتا ہے۔ اس پانی کے بعد ایک گول سیاہ پردہ ہوتا ہے، جس کے بالکل وسط میں ایک سوراخ ہوتا ہے جو سکڑ بھی جاتا ہے اور پھیل بھی جاتا ہے جس کو آنکھ کی پتلی۔ (PUPIL) کہتے ہیں۔ اس سیاہ پردے کے پیچھے اور تقریباً اس سے ملا ہوا ایک عدسہ یعنی لینس ہوتا ہے جو آگے اور پیچھے سے محدب ہوتا ہے جیسا کہ آتشی شیشہ ہوتا ہے۔ اس لینس کے پیچھے باقی آنکھ کی خلاء میں ایک لزج سیال بھرا رہتا ہے جو کہ بالکل صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ اس سیال کے بعد آنکھ کی پچھلی دیوار سے چسپاں ایک عصبی پردہ ہوتا ہے جس کو پردۂ شبکی

(RETINA) کہتے ہیں۔ اس پردہ شبکی کے پیچھے بطور استر کے ایک سیاہ پردہ اور لگا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ پردہ شبکی سیاہ نظر آتا ہے۔ آنکھ کے ان اجزا میں سے سب سے زیادہ ضروری، اہم اور بصارت کے لئے لازمی یہ پردہ شبکی ہی ہوتا ہے۔ اسی پردہ پر روشنی کی شعاعیں آکر گرتی ہیں، اور یہی پردہ شعاعوں سے متاثر ہوتا ہے اور یہی حس بصر رکھتا ہے۔ باقی دوسرے تمام اجزاء روشنی کی شعاعوں کو مجتمع کر کے اسی پردہ شبکی پر ڈالتے ہیں یعنی بیرونی روشنی کی کرنیں آنکھ کے اگلے شفاف پردے کو پار کر کے سیاہ پردے کے سوراخ یعنی پتلی میں ہو کر گذر کر آنکھ میں اندر داخل ہوتی ہیں۔ اور لینس اور دوسرے شفاف اجزاء ان کو مجتمع کر کے یعنی پردہ شبکی پر پھینک ڈالدیتے ہیں جس کو آنکھ کا یہ پردہ شبکی اثر پذیر ہوتا ہے اور اجالے کا احساس ہوتا ہے اور دکھائی دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح سے جیسے انگلی میں سوئی چبھنے سے درد کا احساس ہوتا ہے اور سوئی کی تشخیص ہوتی ہے۔ زبان پر شکر رکھنے سے شیرینی کا احساس ہوتا ہے اور شیریں شے کی تشخیص ہوتی ہے۔ کان کے قریب آواز ہونے سے آواز کا احساس ہوتا ہے اور آواز دینے والی شے کی تشخیص ہوتی ہے۔

انسان کے جسم میں پانچ مختلف قسم کے حاسہ یعنی محسوس اور معلوم کرنے والے اعضاء ہیں۔ آنکھ کان، ناک، زبان اور جلد۔ یہ اعضا اپنے مخصوص اعصاب (ڈورے) تار جو دماغ سے چل کر جسم کے تمام رگ و ریشوں میں پھیلتے ہیں، اور جسم کے رگ و ریشوں سے چل کر دماغ تک پہنچتے ہیں [illegible] محسوس کرتے ہیں۔ یہ اعصاب اپنے مخصوص محرک سے ہی تحریک قبول کرتے ہیں۔ ایک حاسہ کا محرک دوسرے حاسہ کے اعصاب کو متاثر نہیں کر سکتا۔ جیسے کان کے لئے محرک آواز ہے، آواز آنکھ کے اعصاب کو تحریک پہنچا کر دکھانے کا کام نہیں کر سکتی۔ اسی طرح روشنی آنکھ کے پردہ شبکی کو ہی متاثر کر سکتی ہے، کان کے اعصاب کو تحریک پہنچا کر سننے کا اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ مختلف قسم کے محرکوں سے مختلف حاسوں کے اعصاب کا متاثر ہونا اور مختلف قسم کے احساسی اثرات کا مرتب ہونا قدرت کے عطیات ہیں۔ انسان کے ساختہ پرداختہ نہیں ہیں اور نہ اس کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔

تو بہرحال معلوم ہوا کہ آنکھ کے پردہ شبکی کے اعصاب باہر سے روشنی کی کرنوں کے آنکھ میں اندر داخل ہونے سے متحرک اور متاثر ہوتے ہیں، تب اجالے کا احساس ہوتا ہے، اور دکھائی دیتا ہے۔ آنکھ کے اندر سے کوئی تار نظر نکل کر بیرونی اشیاء پر پڑ کر دیکھنے کا کام نہیں کرتا۔ اسی لئے یہ شعر ہے

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

شاعرانہ بلند تخئیل کی اگرچہ بہترین مثال ہے، لیکن افعال الاعضا کی بنا پر بالکل غلط ہے۔ واقعاتی لحاظ سے بالکل قلب ماہیت ہے۔ آنکھ نظر نہیں پھینکتی۔ دیکھنے کے لئے اس میں سے شعاعیں برآمد نہیں ہوتیں۔ آنکھ کے اندر کوئی چمکدار اور روشنی دینے والی چیز نہیں ہوتی بلکہ بیرونی دنیا اپنی شعاعیں آنکھ میں پھینک کر خود کو دکھلاتی ہے۔ بالکل اسی طرح سے جیسے باہر کی چیزوں کا عکس فوٹوگرافی کے کیمرے کی اس پلیٹ پر پڑتا ہے۔ جو اس کی پشت پر لگی ہوتی ہے، اور جس پر تصویر بنتی ہے۔

غرض کہ اب ہم یہاں تک پہنچے کہ روشنی آنکھ میں

اندر داخل ہوتی ہے۔ اور آنکھ دیکھنے کا کام کرتی ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ روشنی بذاتِ خود کیا چیز ہے۔ تو روشنی ہے برقی رو کی لہریں ہیں۔ یا برقی ذرات یا لمعات کی کائنات کی خلا میں دوڑتی ہیں۔ اور یہ برقی ذرات جو دوڑتے ہیں کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ جن میں سے دو خاص قسم ہمارے مقصد کی ہیں۔ برقیہ یعنی الیکٹرن (ELECTRON) یعنی بجلی اور ثقلیہ یعنی پروٹن (PROTON)۔ اب یہ کہ برقیے اور ثقلیے جو خلا میں دوڑتے ہیں یہ سیدھی لائن میں نہیں دوڑتے بلکہ ایک لہر کی صورت میں دوڑتے ہیں جیسے سانپ لہراتا ہوا دوڑتا ہے۔

سائنس طبیعات نے برقیوں کی اس دوڑ کی رفتار کی پیمائش کی ہے جو تازہ ترین تحقیقات کے مطابق ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے۔ سب برقیے دوڑتے تو ہیں اسی رفتار سے لیکن ان کی لہروں میں فرق ہوتا ہے۔ بعض کی لہریں چھوٹی ہوتی ہیں اور بعض کی بڑی ہوتی ہیں۔ یعنی یوں سمجھیے کہ دو آدمی ایک بڑا اور ایک بچہ انگلی پکڑ کر ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بچے کے قدم چھوٹے چھوٹے ہوں گے مگر جلد جلد اٹھیں گے تاکہ بڑے آدمی کے بڑے بڑے قدموں کے برابر رہے اور منزل مقصود پر ساتھ پہنچے۔

اب یہ کہ یہ برقیے اور ثقلیے آتے کہاں سے ہیں اور یہ برقی رو میں چلتی کہاں سے ہیں۔ تو علم کیمیا اور علم طبیعات کی مشترکہ تحقیقاتوں سے یہ امر اب پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ اس مادی کائنات میں دو قسم کے مادے ہیں مرکب اور بسیط۔ مرکب مادے وہ ہیں جو دو یا زیادہ بسیط مادوں سے مل کر بنتے ہیں جیسے نمک کہ دو بسیط مادوں کا مرکب ہے، ایک سوڈیم (جو ایک دھات ہے) دوسری کلورین جو ایک گیس ہے۔ اور بسیط مادے وہ ہیں جن میں دوسرے مادوں کی ملاوٹ نہ ہو۔ جیسے سوڈیم کہ اس میں کسی دوسرے مادہ کی ملاوٹ نہیں ہے۔ اس کے سب ذرات سوڈیم ہی سوڈیم کے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کلورین گیس کہ اس میں بھی کسی دوسرے مادہ کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ سائنس کیمسٹری نے ابتک ایسے ایک سو چار بسیط مادے دریافت کر لئے ہیں۔

ہر بسیط مادہ کا جب تجزیہ در تقسیم در تقسیم کیا جاتا ہے تو آخر میں جا کر اپنے اس چھوٹے سے چھوٹے ذرے پر ختم ہوتا ہے کہ جس کے بعد اس کی تقسیم آسان طریقہ سے آگے نہیں ہو سکتی۔ بسیط کے اس سب سے چھوٹے ذرے کو دقیقہ یعنی ایٹم (ATOM) کہتے ہیں۔ اور یہ ایٹم اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ بڑی طاقتور خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا۔ اس دقیقہ کی تقسیم جب اور طاقتور طریقوں سے آگے کی جاتی ہے تو ہر دقیقہ سے مادیتِ لطیف یعنی برق کے دو قسم کے برقی ذرات حاصل ہوتے ہیں۔ اور بسیط کی پہلی کثیف مادیت غائب ہو جاتی ہے۔ یہ دو برقی ذرات جو ایٹم کی شکست کے بعد حاصل ہوتے ہیں، برقیے الکٹرون اور ثقلیے پروٹون کہلاتے ہیں۔ دقیقہ یعنی ایٹم کی حد تک تو تفریق مادیت باقی تھی یعنی ہر بسیط مع اپنے افعال و خواص و خصوصیات کے ایک علیحدہ شے تھا۔ اور ہر بسیط کا اپنا علیحدہ علیحدہ دقیقہ تھا۔ لیکن دقیقہ کی تقسیم کے بعد یہ تفریق مٹ گئی یعنی ہر بسیط کے دقیقہ سے برقیے الکٹرون اور ثقلیے پروٹون ہی حاصل ہوتے ہیں۔ مگر مختلف تعداد اور مختلف شکلوں میں باہم اتصال کرنے سے مختلف بسیط مادے بنتے ہیں اور چونکہ کائنات کے تمام اور دوسرے مادے انہیں بسائط سے مل کر بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس مادی کائنات کی اصل بنیاد

برق ہی ہے۔ اور ہر مادہ آخر میں جاکر برق کے ان دو ذرات بر قئے الکٹرن اور ثقلیہ پروٹن میں ہی تبدیل ہو جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ تمام کائنات برق ہی کی تبدیل شدہ شکل ہے۔

اب اس کائناتِ عالم کے کل بسیط مادوں کے ذروں یعنی ایٹم میں قانون قدرت کے مطابق برقیوں اور ثقلیوں میں اتصال وانفصال خود بخود ہوتا رہتا ہے۔ یعنی ہر مادے سے تھوڑے اور بہت برقئے اور ثقلئے خارج بھی ہوتے رہتے ہیں اور شامل بھی ہوتے رہتے ہیں۔ خارج ہو ہو کر خلا میں پرواز کرتے رہتے ہیں۔ بعض مادوں میں سے بہت ہی کم تعداد میں خارج ہوتے ہیں اور بعض میں سے کثیر تعداد میں خارج ہوتے ہیں اور خلا میں دوڑتے اور گردش کرتے رہتے ہیں۔ بسیط مادوں کے اس فعل کو شعاع افشانی (RADIATION) کہتے ہیں۔ اور ایسے مادوں کو شعاع فشاں کہتے ہیں۔ اکثر مادوں سے نکلنے والی شعاعوں میں کثرت اور زیادتی ایسی شعاعوں کی ہے جو کہ انسان کی آنکھ کے پردۂ شبکی کو متاثر کرتی ہوں تو وہ مادہ روشن اور چمکدار نظر آنے لگا ورنہ تو نہیں۔

اب فرض کیجئے کہ ایک مادہ سے ایک مقام سے ایک لاکھ برقئے بیک وقت روانہ ہوئے تو ظاہر ہے کہ یہ سب برقئے دوڑیں گے تو ایک ہی رفتار سے مگر ان کی لہریں ایک سی نہیں ہوں گی۔ کسی کی چھوٹی لہریں ہوں گی اور کسی کی بڑی۔ سائنس نے ان لہروں کی لمبائی کی پیمائش بھی کر لی ہے اور یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ ایک سیکنڈ میں مختلف برقئے کتنی کتنی لہریں کر جاتے ہیں۔ ایک لہر کی لمبائی ایک بٹے ایک کروڑ ملی میٹر ($\frac{1}{10000000}$) یا ایک بٹے چونسٹھ کروڑ چالیس لاکھ انچ ($\frac{1}{254000000}$) ہوتی ہے۔ اس لمبائی کو لہر کی اکائی (اینگ سٹروم یونٹ) کہتے ہیں۔ اس اکائی کے لحاظ سے اور لہروں کی تعداد فی سیکنڈ کے حساب سے لہروں کو مختلف قسم کی کرنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ان کو مختلف نام دئے گئے ہیں مثلاً:۔

(۱) ہارٹزین کرنیں (HARTZIAN RAYS)
دس لاکھ لہر کی اکائی سے متعدد کلومیٹر فی سیکنڈ تک۔

۲۔ انفرا ریڈ کرنیں (INFRA RED RAYS)
سات ہزار سات سو (۷۷۰۰) لہر کی اکائی سے ایک لاکھ پچاس ہزار (۱۵۰۰۰۰) لہر کی اکائی فی سیکنڈ تک۔

۳۔ مرئی (دکھائی دینے والی) کرنیں (VISIBLE-RAYS) یعنی روشنی کی کرنیں۔ تین ہزار نو سو (۳۹۰۰) لہر کی اکائی فی سیکنڈ سے سات ہزار سات سو (۷۷۰۰) لہر کی اکائی فی سیکنڈ تک۔

نوٹ۔ یہ ہی کرنیں ہیں جو انسانی آنکھ کے پردۂ شبکی کو متاثر کرتی ہیں اور اجالے کا اور دیکھنے کا احساس پیدا کرتی ہیں۔ دوسری قسم کی اور کرنیں نہیں کرتیں اس لئے ان کی موجودگی میں دکھائی نہیں دیتا۔

۴۔ الٹرا وائلٹ کرنیں (ULTRA VIOLET RAYS)
ایک سو چھتیس (۱۳۶) لہر کی اکائی سے تین ہزار نو سو (۳۹۰۰) لہر کی اکائی فی سیکنڈ تک۔

(۵) رونٹجن کرنیں (RONTGEN RAYS)
ایک اعشاریہ چار (۱٫۴) لہر کی اکائی سے ایک سو چھتیس (۱۳۶) لہر کی اکائی فی سیکنڈ تک۔

۶۔ گاما کرنیں (GAMA RAYS) اعشاریہ صفر ایک (۰٫۰۱) لہر کی اکائی سے ایک اعشاریہ چار (۱٫۴) لہر کی اکائی تک فی سیکنڈ۔

یہاں تک معلوم کرنے کے بعد اب روشنی کی

تعریف کی جاتی ہے۔ سائنس طبعیات نے جو روشنی
کی تعریف کی ہے وہ یہ ہے۔

Light is the sensation produced by electro magnetic radiation.

یعنی روشنی وہ احساس ہے جو
برقی مقناطیسیت کی کرنیں پیدا کرتی ہیں۔ اس سے اور
مفصل تعریف یہ کی گئی ہے۔

Light is radiant energy producing a sensation of luminosity on the retina.

روشنی وہ قوت شعاعی ہے جو آنکھ کے پردہ شبکی
پر جو اثر ہوتا ہے۔ اس کو بھی روشنی کہتے ہیں اور برقی مقناطیسیت
کی کرنیں جو آنکھ کے پردہ شبکی پر جا کر اثر پیدا کرتی ہیں
ان کو بھی روشنی کہتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ زبانوں کی
تنگ دامانی ہے۔ ورنہ تو اثر کے لئے علیحدہ لفظ ہونا چاہیے
تھا اور موثر کے لئے علیحدہ۔ ایک لفظ بیک وقت اگر دو علیحدہ
علیحدہ معنی دے تو اس کو مبہم کہتے ہیں اور اس سے سمجھنے میں
مشکل اور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

بہرحال معلوم ہوا کہ روشنی دراصل برقی مقناطیسیت
کی مخصوص لمبائی کی لہریں ہیں جو کہ مادی اجسام سے پیدا
ہوتی ہیں اور جن کو مادی اجسام اپنے اندر سے برقیوں اور
ثقلیوں کی شکل میں نکالتے رہتے ہیں۔ جو کہ ہر دو لہر کی صورت
میں خلا میں دوڑتے ہیں اور آنکھ کے اندر داخل ہو کر اس
کے پردہ شبکی کو متاثر کرتے ہیں اور اجالے کا احساس پیدا
کرتے ہیں۔ ایسے اجسام کو جو اس قسم کی کرن فشانی کرتے ہیں
درخشاں اجسام کہتے ہیں۔ یہاں تک روشنی کی حقیقت معلوم
کرنے کے بعد اب یہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ آیت میں

اس جگہ نور کے معنی روشنی نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔
اس لئے کہ روشنی بذات خود مادیت ہے اور مادیت کا نتیجہ
ہے۔ ایک کثیف مادیت دوسری لطیف مادیت یعنی برقی۔
برق اس لئے مادیت میں شمار ہے اور ہو سکتی ہے کہ اس
میں وزن بھی ہوتا ہے اور اس کی پیمائش بھی کی جا سکتی ہے؟
اور کی جا چکی ہے۔ اور جو چیز پیمائش میں آجائے اور وزن
بھی رکھتی ہو وہ مادیت میں شمار ہوتی ہے۔ اب اگر اس
مقام پر نور کو روشنی ہی مانا جائے تو اللہ بھی قابل پیمائش
کی چیز ہو جائے گا۔ اور پھر اس کا وزن بھی ماننا پڑے گا۔ اس
لئے نور کے معنی یہاں روشنی کے نہیں ہو سکتے۔ اور جب
روشنی کے نہیں ہو سکتے تو برق یا قوت کہربائی کے بھی
نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ روشنی کی حقیقت خود برق ہے۔
اور اسی بنا پر الکٹرن اور پروٹن کو یا ایٹم کو ذرہ نور کہنا
غلط ہے۔ یہ حقیقتاً ذرات برقی یا قوت کہربائی کے اجزاء
لا یتجزیٰ ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ نور قوت کہربائی نہیں ہے۔
نور الیکٹرک ریڈی ایشن بھی نہیں ہے، نور کاسمک ریز
بھی نہیں ہے اور اس لئے نہیں ہے کہ یہ جملہ قوتیں اذیت
رساں، نقصان رساں اور مہلک ہیں۔ لیکن نور کے
متعلق قرآن حکیم کہیں یہ نہیں فرماتا کہ وہ نقصان رساں
ہے یا اذیت رساں ہے یا مہلک ہے۔ اس لئے نور کچھ
اور ہی چیز ہے۔ اور نور کی حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ نور کا
تعلق آنکھ سے نہیں معلوم ہوتا۔ نور دیکھنے کی چیز نہیں معلوم
ہوتا، بلکہ نور کچھ ایسی چیز ہے جس میں قوت خالقیت ہے
جس میں قوت تدبیر و تدبر ہے۔ جس میں قوت ایجاد و
اختراع ہے۔ جس میں انسان کی عقل کو متاثر اور متحیر کرنے کی
صلاحیت ہے۔ نور وہ ہستی معلوم ہوتی ہے۔ جو سب سے زیادہ
طاقتور ہے، جو سب سے زیادہ قدرت رکھنے والی ہے، جو

سب سے زیادہ عقل رکھنے والی ہے، جو سب سے زیادہ حسن رکھنے والی ہے، جو سب سے زیادہ ذہانت رکھنے والی ہے اور بوجہ ان صفات کے یگانہ ہے یکہ و تنہا ہے۔ غیر فانی ہے۔ اس کا مثل یا ثانی ہونا ناممکن ہے۔ تمام کائنات میں بس وہ ہی وہ ہے۔ اور اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اور ایسی ہستی وہ ہے جس کو انسان خدا یا اللہ یا الٰہ کہتا ہے۔ یعنی نور کے معنی ہیں خدا، اللہ، الٰہ اور نور کا ترجمہ خدا، اللہ، الٰہ۔ اور اسی لئے نور کا ترجمہ اللہ ہے کہ یا نور اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ہے اور یہ ذات کا نام ہے۔ صفت کا نہیں ہے۔ مالک، رحمٰن، رحیم اسم صفات ہیں۔ لیکن جیسے اللہ ذات کا نام ہے اسی طرح نور بھی ذات کا نام ہے۔ اس کی کسی صفت کی وجہ سے یہ نام نہیں ہے۔ اور اسی لئے بھی نور کے معنی اللہ ہیں کہ یہاں اللہ نے اپنی مثال نور سے نہیں دی ہے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اللہ مثل آسمانوں اور زمین کے نور کے ہے بلکہ اس فقرہ کے صاف معنی یہی ہیں کہ آسمانوں اور زمین کے لئے جو اللہ ہے وہ ہی نور ہے اور جو نور ہے وہی اللہ ہے۔ یعنی نور اور اللہ ایک ہی چیز ہیں۔ موقع اور محل کے لحاظ سے نام دو ہیں۔ اگر اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی بجائے ہم اَللّٰہُ اِلٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہیں تو یہ بالکل صحیح ہوگا۔ کیوں کہ جو نور ہے وہ ہی الٰہ ہے اور جو الٰہ ہے وہ ہی نور ہے۔ قرآن حکیم نے اپنے اس چھوٹے سے فقرہ میں ایک طرف تو ساری کائنات کو سمو دیا ہے اور دوسری طرف خالق کائنات کو بالکل عیاں کر کے بتا دیا ہے۔ لفظ نور کہہ کر اس کا ایسا بہترین تعارف کرایا ہے کہ اس سے بہتر اب تک تو کوئی انسانی عقل کر نہیں سکی ہے اور نہ آئندہ کر سکے گی۔

دنیا کا ذہین ترین انسان ڈاکٹر آئن اسٹین مرحوم جس کو اس کے زمانہ میں لوگ ایتھیسٹ یعنی ملحد یا منکر خدا کہتے تھے اور سمجھتے تھے۔ اپنی انتہائی ریسرچ اور تحقیقات کے بعد قدرت کی گوناگوں رنگینیاں اور محیر العقول اسرار لطیف کو دیکھ کر آخرکار کہتا ہے:

The most beautiful and the most profound emotion we can experience is the sensation of the mystical. It is the Power of all true science. He to whom this sensation is a stranger who can no longer wondor and stand rapt in awe is as good as dead. To know that what is impenetrable to us really exists, menifesting itself as the highest wisdom and the most radiant beauty which our dull facilities can comprehend only in their most primitive form. This knowledge this feeling is at the centre of religiousness. My religion consists of an humble admiration of

the illimitable superior spirit, Who reveals Himself in the slightest details we are able to perceive with our frail and feeble minds. The deeply emotional conviction of the presence of a Superior Reasoning Power, which is revealed in this incomprehensible universe, forms my idea of **God.**

ڈاکٹر آئن اسٹین کے یہ فقرات زور اور جوش میں بھرے ہوئے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی ایسی بہترین تفسیر ہیں کہ شاید ہی کسی دوسرے مفسر نے آج تک ایسی تفسیر کی ہوگی۔

ترجمہ ان فقرات کا یہ ہے:-

سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ گہرا جذبہ جو کہ ہم محسوس کر سکتے ہیں وہ ہے ایک پر اسرار بعد الطبعی ہستی کا ادراک۔ حقیقی سائنس کی طاقت یہی ہے۔ وہ شخص جس کو یہ جذبہ غیر معلوم ہوتا ہے اور جو کہ اس پر متعجب نہیں ہوتا اور اس کی عظمت اور جلال سے متاثر ہو کر تحیر اور وجد میں نہیں آ جاتا وہ تو مرا ہی اچھا ہے۔ جاننا چاہیے کہ وہ جو کہ ہمارے لئے ناقابل عبور ہے حقیقت میں موجود ہے۔ اور جو کہ ظاہر کرتا ہے اپنے آپ کو ایک سب سے اعلیٰ عقلمندی کی صورت میں اور سب سے زیادہ چمکدار روشن اور خیرہ کن حسن کی صورت

ہیں جس کو کہ ہماری کمزور قوتیں بہت ہی ابتدائی مراحل میں سمجھ پاتی ہیں۔ یہ علم اور یہ ادراک ہی مرکز حقیقی مذہبیت ہے۔

میرا مذہب یہ ہے کہ میں بہت ہی عاجزی کے ساتھ اس نامحدود اور اعلیٰ ترین روح یا جوہر کا اعتراف اور اس کی ثنا کرتا ہوں جو کہ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اس کائنات کی باریک سے باریک تشریحات میں جن کو کہ ہم اپنے کمزور ناتواں اور ناپائیدار دماغوں سے درک کرتے ہیں۔

ایک گہرا جذباتی اعتقاد و یقین ایک اعلیٰ ترین قوت عقل و سمجھ کی موجودگی کا جو کہ اس ناسمجھ میں آنے والی کائنات میں عیاں ہے میرا تصور خدا کی تشکیل کرتا ہے۔

یعنی ڈاکٹر آئن اسٹین کہتا ہے کہ میرے تصور میں خدا (قرآن کا نور السموات والارض) یہ ہے کہ ایک اعلیٰ ترین عقل اس کائنات میں موجود ہے جس نے کہ اس کائنات کی تمام باریکیوں اور محیر العقول باتوں کو ترتیب دیا ہے اور بنایا ہے اور جو کہ سب سے زیادہ روشن اور خوب صورت حسن ہے۔

گویا ذہین ترین انسانی عقل نے ذات پروردگار عالم کو ایک جگہ **Highest Wisdom** سب سے بلند اور اعلیٰ عقل۔ دوسری جگہ **Most Radiant Beauty** سب سے زیادہ چمکدار اور روشن خوبصورتی یعنی حسن۔ تیسری جگہ **Illimitable Superior Spirit** لامتناہی اور سب سے زیادہ رفیع اور اعلیٰ جوہر یا

اور وہ نور آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یعنی ہر جگہ موجود ہے اور تمہاری یعنی انسان کی دسترس میں جد و جہد اور امکان حصول معرفت کی حد میں ہے آنکھیں کھولو، دیکھو، پہچانو اور پاؤ۔

لیکن پہچانیں تو کیونکر دیکھیں تو کیونکر، پہچانیں اور دیکھیں تو تب کہ پہلے یہ سمجھ تو لیں اور جان تو لیں کہ نور کو کس طرح دیکھا جاتا ہے اس کس طرح سمجھا جاتا ہے اور کس طرح پہچانا جاتا ہے۔ اگر نور کو سمجھنے کا طریقہ سمجھ میں آجائے اور اسے پہچاننے کی صورت معلوم ہو جائے تو پھر اللہ نور السموٰت والارض کے معنی بھی سمجھ میں آجائیں گے اور اللہ کے سمجھ میں آجانے کا بھی امکان پیدا ہو جائے گا۔ مگر یہ منزل ہے بڑی کٹھن اور یہ راہ ہے بڑی دشوار گزار۔

اس لئے اب اس نور کو سمجھنے اور پہچاننے کے لئے مقدمات کے طور پر چند امور کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جن سے حصول مقصد میں کافی مدد ملے گی۔

۱۔ نور کی قسمیں :-

قرآن سے اور صاحب قرآن کے فرمان سے نور کی دو قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک اللہ نور السموٰت والارض والا نور اور دوسرا اول ما خلق اللہ نوری والا نور۔ یعنی ایک تو خود خدا نور اور دوسرا سب سے پہلا مخلوق نور۔ یعنی ایک خالق نور دوسرا مخلوق نور۔ ایک پیدا کرنے والا نور اور ایک پیدا ہونے والا نور۔ اور ظاہر ہے کہ خالق نور کچھ اور ہوگا اور مخلوق نور کچھ اور ہوگا۔ یہ دونوں نور ایک ہی جیسے اور ایک ہی چیز نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ تخلیق کی حد فاصل دونوں کو علیحدہ کر رہی ہے۔ اس بنا پر پہلے نور کو ہم خالق نور یا خاص نور یا اصل نور یا حقیقی نور کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو مخلوق نور یا ثانوی نور یا مجازی نور یا پرتو نور اول کہہ سکتے ہیں۔ خالق نور یا حقیقی نور کے متعلق تو اوپر کافی وضاحت کی جا چکی ہے۔ البتہ اب اس مخلوق نور کی بابت کچھ عرض کرنا ہے۔

۲۔ مخلوق نور :-

(الف) سب سے پہلی بات جو اس مخلوق نور کے ضمن میں سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی آیت اور صاحب قرآن کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ اس مخلوق نور کی تخلیق تھی۔ چونکہ کوئی مادیت پہلے خلق ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ اللہ سے کوئی فعل ہی صادر نہیں ہوا تھا اس لئے ہم یہ نتیجہ بطریق احسن نکال سکتے ہیں کہ خالق طور نور ہی تخلیق کر سکتا تھا۔ مادہ کو خلق کرنا اور پہلے خلق کرنا اس کی نورانیت کے لئے زیبا نہیں تھا۔ پھر یہ کہ وہ مادہ کو براہ راست خلق بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسکو مادہ کو اسی مخلوق نور کے پردے میں ہی خلق کرنا تھا تاکہ اس کی نورانیت اعلیٰ برقرار رہے۔ تب ہی تو فرمایا کہ اگر تجھ کو پیدا نہ کرتا تو آسمان و زمین یعنی کل کائنات یعنی کل مادہ کو پیدا نہ کرتا۔

(ب) اس فقرہ سے دو امور اور بھی منکشف ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مخلوق نور علیحدہ چیز ہے اور کل کائنات علیحدہ چیز ہے۔ کائنات میں یہ مخلوق نور شامل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ کائنات سے نہ معلوم کتنے عرصہ قبل خلق ہوا ہے۔ اسی بناء پر یہ مخلوق نور ایک طرف اور ماسوا اس کے کل کائنات یعنی کل مادیت دوسری طرف یعنی ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔

(ج) دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جب یہ مخلوق نور مخلوق اول ہے اور تمام کائنات بعد کی تخلیق ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخلوق نور مادیت سے مبرا ہے۔ اس میں مادیت کا کوئی بھی شائبہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ مادیت کا شاہد۔ ناظر، ناظم اور حاکم ہے۔ اس لئے کہ مادیت تمام اس کے سامنے ہے۔ مادیت کا ایک ایک باریک نکتہ بھی اس کے مشاہدہ میں آیا ہے یعنی یہ عالم اول اور استاد اول ہے۔

(د) تیسری بات یہ کہ یہ مخلوق نور اور مادہ آپس میں امر تخلیق میں مشترک ہیں۔ مخلوق نور بھی خلق کیا گیا ہے اور مادہ بھی خلق کیا گیا ہے۔ اس بناء پر صرف اس امر میں تو یہ دونوں مشترک ضرور ہیں لیکن اور تمام دوسرے امور میں یہ مخلوق نور مادہ سے بالکل مختلف ہے۔ اس لئے کہ مخلوق نور موجود تھا جبکہ مادہ کی نہ حیثیت موجود نہ احتمال نہ تو اس معرض وجود میں آئے تھے۔ یہ سب چیزیں پردہ خفا میں ہی تھیں۔

روح - اور چوتھی جگہ **Superior Reasoning Power**

بلند ترین تو - عقل و استدلال کہا ہے۔ اپنے نزدیک اس نے انتہائی خلوص اور صداقت کے ساتھ اپنے جذبہ قلبی کا اظہار کیا ہے۔ لیکن آئن اسٹین غالباً لفظ نور سے واقف نہیں تھا۔ اس لئے شاید قرآن حکیم کے اس چھوٹے سے فقرہ پر نظر نہیں کی تھی کہ اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض۔ اسی لئے اپنی جدتِ عقل سے اس نے وہ الفاظ سپردِ قلم کئے ہیں کہ جن سے بالاتر غالباً اس کی فہرست حافظہ و تخیل میں نہیں تھی۔ جن کے ذریعہ سے کہ اس نے اپنے گہرے جذبہ قلبی کا اظہار کیا ہے اور ایسا بہتر اور موزوں اظہار کیا ہے کہ جیسا ایک بڑے سے بڑا موحد اور دیندار کر سکتا تھا۔

یہ ایک انسانی عقل ہے۔ یہ ایک دنیوی ذہن ہے۔ کہ جس نے اپنے درکِ الوہیت کو اپنے بلند و بالا بلیغ و معنی خیز الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ جس سے عام انسانوں کی عقلیں بہت کچھ حقیقت کے قریب پہونچ سکتی ہیں۔ مگر قرآن حکیم کا ایک لفظ نور اس تمام بلاغت اور اس تمام جذبہ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے بلکہ اس سے بھی کچھ اور زیادہ لئے ہوئے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ بلند مقامات ہیں اور یہ وہ ارفع و اعلیٰ تخیلات اور تصورات ہیں کہ جن میں مادیت پرست عقلیں الجھ کر رہ جاتی ہیں اور اپنی کوتاہیٔ پروازِ فہم کی بنا پر مختلف خیالاتی ہیولے اور صورتیں بنا کر ان پر نظر جما دیتی ہیں۔

غور کیجئے کہ ڈاکٹر آئن اسٹین نے

سب سے زیادہ روشن اور چمکدار حسن کہا ہے

سب سے زیادہ روشن اور چمکدار روشنی نہیں کہا ہے۔ یعنی اس کو حسن سے تعبیر کیا ہے روشنی سے تعبیر نہیں کیا ہے۔ اور یہ وہ ادراک ہے جس پر اگر انسان غور کرے تو آئن اسٹین کی ذہانت قابلِ وجد نظر آئیگی۔ اس لئے کہ حسن اور چیز ہے اور روشنی اور چیز ہے۔ حسن بہت اعلیٰ و ارفع چیز ہے۔ روشنی اس کے مقابل میں بہت پست چیز ہے۔ حسن سے دل و دماغ اس کی طرف کھینچتے ہیں اور جلا پاتے ہیں۔ قلب کو غذا ملتی ہے اور تسکین پاتا ہے۔ روح کی خواہش پوری ہوتی ہے۔ اور پیاس بجھتی ہے برخلاف اس کے روشنی خیرہ کن بصارت ہے۔ آنکھوں کو تکلیف پہونچاتی ہے۔ اور بہت تیز ہو تو دیکھی نہیں جا سکتی۔ اور دیکھی جائے تو بالکل اندھا کر دیتی ہے۔ اور حسن اگر بڑھتا اور تیز ہوتا چلا جائے تو اپنے میں محو کر لیتا ہے، جذب کر لیتا ہے اور دوسروں کو بھی حسن بنا دیتا ہے۔ انسان اس میں کھو جاتا ہے اور اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ دل و دماغ نظر و تخیل کے سامنے بس وہی وہ رہتا ہے۔ ڈاکٹر آئن اسٹین کے اس فقرہ پر وہ لوگ غور کریں جو اس مقام پر نور کو روشنی سے تعبیر کرتے ہیں کس قدر پست تخیل اور کس قدر غیر ادراکی عقل ہے۔

اللہ نے اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض کہہ کر خود ہی خود کو بتا دیا ہے اور صاف الفاظ میں اپنا تعارف کرا دیا ہے کہ اللہ کی ذات کچھ نہیں ہے سوائے نور کے اور کچھ نہیں ہے سوائے ایک قوتِ اعلیٰ کے جو قادرِ مطلق ہے۔ (باقی صفحہ ۹ پر)

(د) چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کے اجتماع سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خالقِ نور کا کام نور ہی خلق کرنا تھا اس لئے کہ نور سے بجز نور پیدا نہیں ہو سکتا۔ نور سے نور ہی پیدا ہوگا۔ نور سے ظلمت پیدا نہیں ہو سکتی۔ فرق صرف اتنا ہے گا کہ ایک نور، خالق ہوگا دوسرا مخلوق ہوگا۔ اور غور کرنے سے یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ بہت بڑا فرق ہے۔ نورِ مخلوق، نورِ خالق نہیں بن سکتا اور نورِ خالق، نورِ مخلوق نہیں بن سکتا۔ مگر ربط اور تعلق آپس میں کچھ اتنا گہرا اور قریب ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ بایں وجہ کہ نورِ مخلوق صرف امرِ تخلیق کی وجہ سے ہی نورِ خالق سے جداگانہ ہے ورنہ اور دوسرے صفات میں وہ بھی نور ہی ہے۔ اس لئے کہ لفظِ نور سے موسوم کیا گیا ہے اور موسوم اس لئے کیا گیا ہے کہ لفظ نور اس پر صادق آتا ہے۔ اگر صادق نہ آتا تو اس کے لئے کوئی دوسری اصطلاح استعمال کی گئی ہوتی۔ مثلاً کہا گیا ہوتا کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ بَشَرِیْ یا انسانیتی یا جَسَدِیْ یا مَادَّتِیْ۔ مگر ایسا نہیں فرمایا گیا ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ خالق بھی نور، مخلوق بھی نور، درمیان میں صرف تخلیق کا پردہ حائل ہے۔ نہ وہ ادھر آ سکتا ہے نہ یہ اُدھر جا سکتا ہے۔ نہ خالق سے خالقیت جدا ہو سکتی ہے نہ مخلوق سے مخلوقیت علیحدہ ہو سکتی ہے۔

(ھ) پانچویں بات یہ کہ حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ سے یہ امر اور سمجھ میں آتا ہے کہ صاحبِ حدیث فرما رہے ہیں کہ میرا نور خلق کیا۔ یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ مجھکو خلق کیا، یہ بھی نہیں فرما رہے ہیں کہ میری روح کو خلق کیا۔ جسم اور روح ان دو چیزوں کا مرکب کہ انسان کو مانا جاتا ہے اور ان میں بھی روح کو اعلیٰ اور افضل اور اصل مقصد مانا جاتا ہے۔ تو ان میں سے بھی اس وقت تک کسی کو خلق نہیں کیا گیا تھا۔ صرف ایک نور کو سب سے پہلے خلق کیا گیا تھا۔ یعنی کوئی اور دوسرا نور ہی خلق نہیں کیا گیا تھا۔ تو اب چونکہ یہی فرمایا گیا ہے کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ میں بھی تمہارے مثل ایک بشر ہوں۔ یعنی میرا ایک جسم بھی ہے اور میرے اس جسم میں میری ایک روح بھی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ صاحبِ حدیث سہ گانہ اجزاء کے مرکب ہیں۔ ایک جسم ایک روح اور ایک نور۔

(و) چھٹے یہ امر ہے کہ انسان کو جیسا کہ اوپر ذکر ہوا دو چیزوں کا مرکب مانا جاتا ہے ایک جسم اور ایک روح۔ اور روح کو جسم کے اندر مانا جاتا ہے۔ یعنی جسم ظرف ہے اور روح اُسکا مظروف ہے۔ اور یہ بات بھی یقینی طور سے مانی جاتی ہے کہ اصل حقیقت اور انسانیت انسان کی روح ہی ہے۔ اس لئے کہ جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو وہ جسم مٹی میں دفن کر دینے آگ میں جلا دینے، پانی میں بہا دینے اور ہوا میں اڑا دینے کے قابل ہی رہ جاتا ہے۔ یعنی ایک بیکار فضول ناکارہ غیر ضروری اور نفرت انگیز شئے بن جاتا ہے۔ اس لئے روح ہی انسان کی انسانیت ہے بلکہ اصل انسان یہی ہے۔

اب اوپر یہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ صاحبِ حدیثؐ سہ گانہ اجزاء جسم روح اور نور کے مرکب ہیں۔ یعنی یہ کہ انسان نہیں ہیں کیونکہ انسان تو صرف دو اجزاء کا مرکب ہوتا ہے۔ اور یہ تین اجزاء کے مرکب ہیں اس لئے انسان سے کچھ اور اعلیٰ طبقہ کی چیز ہیں کیونکہ ان میں ایک جزو نور کا اور زیادہ ہے جو عام انسانوں بلکہ طبقۂ انسان میں بھی نہیں بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح سے روح یعنی ذہن یا عقل کی موجودگی کی وجہ سے انسان طبقۂ حیوانات سے بلند طبقہ کی چیز ہے اسی طرح سے اس نور کے جوہر کی زیادتی کی وجہ سے صاحبِ حدیثؐ انسانوں سے بلند طبقہ کی شئے ہیں۔ اور زمرۂ انسانی میں ان کا شمار کرنا صحیح نہیں ہے۔

اب غور کرنے کی یہ بات ہے کہ عطیہ روح کی وجہ سے انسان نے طبقۂ حیوانات سے وہ بلند درجہ حاصل کیا ہے کہ حیوانات پہ کیا تمام کائنات پر حاکم اور صاحبِ تصرف بن گیا ہے۔ تو صاحبِ نور کو نور کے اوصاف نہ جانے اس کی وجہ سے جو

جو کہ روح کے اوصاف و خواص سے ظاہر ہے کہ بدرجہ اولیٰ اعلیٰ اور افضل ہوں گے کیا درجہ حاصل ہونا چاہئے مگر یہ ہے کہ وہ درجہ حاصل ہوگا کہ جس کے بعد تخلیقات میں اور کوئی بلندی باقی نہیں رہے گی۔

(ح) ساتواں امر یہ ہے کہ روح جسم کے اندر رہتی ہے اور صاحب حدیثؐ سہ گانہ اجزاء کے مرکب ہیں یعنی جسم روح اور نور کے۔ تو سوال یہ ہو سکتا ہے کہ صاحبِ حدیثؐ کے اندر نور کہاں اور کیونکر رہتا ہے۔ عام انسان تو چونکہ صرف جسم اور روح کے ہی مرکب مانے جاتے ہیں اس لئے ان میں تو نور کے وجود کو تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ البتہ صاحبِ حدیثؐ میں ضرور نور کے مقام کو متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ تو چونکہ نور روح سے افضل شے ہے اس لئے وہ جسم میں نہیں رہ سکتا جبکہ جسم ہی ایک اعلیٰ غیر مادی شے روح اور موجود ہے اس کا مقام جسم نہیں ہو سکتا تو نور کا مقام صاحب حدیثؐ میں اگر ہو سکتا ہے تو ان کی روح ہی ہو سکتی ہے اور نور روح میں ہی رہ سکتا ہے اور رہتا بھی ہے۔ اور اسی بنا پر وہ روح جو نور کی حامل ہو سکتی ہے وہ کوئی معمولی اور عام روح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس میں وہ اوصاف و خواص ہونے لازمی ہیں کہ جن کی بنا پر وہ نور کو اپنے اندر رکھنے کے قابل بن سکے۔ اور پھر وہ جسم بھی ایک غیر معمولی ہی جسم ہونا چاہئے کہ جس میں اس قدر اعلیٰ اور ارفع روح رہ سکے کہ جو نور کی حامل ہو۔

تو اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آنے کے قابل ہے کہ صاحب حدیثؐ اگرچہ سہ گانہ اجزاء کے مرکب ہیں لیکن اس نور کے جز کی زیادتی کی وجہ سے نہ ان کا جسم عام انسانوں جیسا ہو سکتا ہے اور نہ ان کی روح عام انسانوں جیسی روح ہو سکتی ہے ہماری آنکھیں اگر نہ دیکھ سکیں اور ہماری عقلیں اگر نہ سمجھ سکیں تو یہ ہماری آنکھوں اور عقلوں کا قصور ہے ورنہ تو وہ جسم بھی ظاہر ہے کہ جس کا سایہ نہ تھا اور وہ روح بھی ظاہر کہ جو جیسا سامنے دیکھتی تھی ویسا ہی پس پشت دیکھتی تھی اور یہ وہ نور ہی تو تھا کہ جو ایک سکنڈ میں اطراف کائنات کی سیر کرا لایا۔

(ط) آٹھواں امر یہ ہے کہ روح وہ غیر مادی حقیقت ہے کہ جس کو آج تک کوئی انسانی دماغ نہیں سمجھ سکا ہے اور قرآن حکیم بھی قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کہہ کر خاموش ہو گیا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ انسانی عقل۔ سمجھ۔ فہم۔ فراست۔ ادراک۔ بصیرت کسی میں یہ طاقت اور یہ قوت نہیں ہے کہ وہ روح کو سمجھ سکیں اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔ حالانکہ روح ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ اور اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اس کو دیکھ نہ سکیں چھو نہ سکیں اس کی آواز کو سن نہ سکیں اس کی بو کو سونگھ نہ سکیں اور اس کے ذائقہ کو چکھ نہ سکیں۔ مگر ہر ذی روح کو دیکھ کر روح کے عدم وجود کا تخیل تک ناممکن ہے۔ تو پھر نور جس کا تعلق روح سے بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ روح کا جسم سے اس کو انسانی عقل فہم فراست ادراک بصیرت سمجھنے کی قوت کہاں رکھ سکتے ہیں یہ امر تو انسانی تخیل سے بھی باہر ہے۔

لیکن باوجود اس ناقابل سمجھ خصوصیت کے اتنا ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ نور کوئی ایسی شے ہے کہ جو اکمال اوصاف روح کے بعد روح کو حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح سے روح تکمیل ہیئت جسم کے بعد جسم کو ملتی ہے فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي اسی طرح سے تکمیل اوصاف روح کے بعد نور روح کو حاصل ہوتا ہے۔

(ی) نواں امر یہ ہے کہ کمال ارتقاء و بالیدگی جسم صاحب جسم کے تصرف و اختیار میں نہیں ہے۔ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ۔ کوئی دوسری ہی قوت ہے جو جسم انسانی کی تکمیل کرتی رہتی ہے اور اس کو اس کے کمال ارتقاء تک روح کے ملنے سے پہلے پہلے پہنچا دیتی ہے۔ اسی طرح سے کمال و ارتقاء روح اور بالیدگی و ارتفاع روح بھی صاحب روح کے تصرف و اختیار کی چیز نہیں ہے۔ "تا نہ بخشد خدائے بخشندہ"۔ اب رہی عطاء نور تو وہ تو روح کے بہت اعلیٰ معیار کے بعد جا کر کہیں روح کو عطا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کہ عطاء ربانی کی یہ بلند ترین ڈگری

ہے کہ اس کے بعد بس الوہیت ہی کا درجہ ہے۔

(ک)۔ دسواں امر یہ ہے کہ جس طرح روح تمام اجسام انسانی کو ملتی ہے اسی طرح نور تمام روحوں کو نہیں مل سکتا اور نہ عطا ہے۔ یہ تو عطا کرنے والے کی شناخت، پسندیدگی اور قوت انتخاب پر منحصر ہے کہ کس روح کو وہ نور عطا کرے اور کس روح کو عطا نہ کرے چونکہ کل روحیں بنانے والے نے ہی بنائی ہیں وہ روحوں کے معیار حسن و قبح سب سے اچھی طرح سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ ہر ایک روح نور کا ظرف نہیں ہو سکتی۔ اتنا تو صاحبان علم و بصیرت بھی جانتے ہیں کہ روحیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی نیک بھی ہوتی ہیں اور بد بھی پاک بھی ہوتی ہیں اور ناپاک بھی۔ روحوں کو بنانے والا بدرجہ اولیٰ اس امر سے آگاہ ہوتا ہے کہ کون سی روح کیسی ہے۔ اس لئے وہ انتخاب کر لیتا ہے کہ کون سی روح نور کے قابل ہے اور کون سی نور کے قابل نہیں ہے۔ نور جو کہ ہر برائی اور نقص سے پاک شے ہے اور پاکیزگی میں بھی سب سے بالاتر شے ہے وہ بری بد اور ناپاک روحوں میں کیونکر آسکتا ہے اور کیونکر ان میں رہ سکتا ہے۔ اس لئے نور انہیں روحوں کو عطا ہے جو روحیں کہ نور کے قابل ہوتی ہیں۔ اور یہ وہ روحیں ہوتی ہیں جنکو خالق روح نور کے قابل بناتا ہے۔ اسی کو۔۔ عصمت کہا جاتا ہے۔

(ل)۔ گیارہواں امر یہ ہے کہ یہ نور جو روحوں کو ملتا ہے مخلوق نور ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ سب سے اول صرف ایک ہی نور تو خلق کیا گیا تھا۔ دوبارہ کوئی اور دوسرا نور خلق نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے لازماً جن جن روحوں کو نور عطا کیا جائے گا۔ وہ اسی مخلوق نور میں سے ہی عطا کیا جائے گا۔ اور کیا گیا بھی ہے۔ تب ہی تو فرمایا گیا ہے۔ اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَ آخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَ اَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَ کُلُّنَا مُحَمَّدٌ۔ ہمارا اول بھی محمد ہے ہمارا آخر بھی محمد ہے ہمارا اوسط بھی محمد ہے اور ہم سب مل کر بھی ایک ہی محمد ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نوری کی ہی شکلیں یہ اوسط و آخر بھی ہیں۔ یعنی صرف قالب کا فرق ہے ماہیت سب کی وہی ہے جو اول کی ہے۔ اور اول کی ماہیت کی طاقت اور قوت کا یہ عالم ہے کہ ایک سیکنڈ میں محیط کائنات۔ اور کائنات بھی وہ کائنات کہ جس کی وسعت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ اسکی خلاء میں جدید تحقیقات کی بناء پر اس قدر ستاروں کا تخمینہ کیا گیا ہے کہ جس قدر تمام دنیا کے سمندروں کے کناروں پر سمندر کی ریت کے ذرے اور ہر ستارہ اپنے قریب سے قریب ستارہ سے ایک لاکھ میل سے زیادہ ہی فاصلہ پر گردش کناں رہتا ہے اور اسی لئے ان۔۔ ستاروں میں آپس میں تصادم شاذ ہی ہوتا ہے۔ اور اس امر سے بھی وسعت خلاء کا اندازہ اور ہو سکتا ہے کہ بعض ستاروں کی روشنی جو کہ اس خلاء میں ہے ابھی تک ہماری زمین تک نہیں پہنچ پائی ہے۔ جب کہ روشنی کی رفتار جدید تحقیقات کے مطابق دو لاکھ ننانوے ہزار سات سو ستانوے (۲۹۹،۷۹۷) کلو میٹر فی سیکنڈ ہے یعنی تقریباً (983543) میل فی سیکنڈ ہے۔ تو جب اس نور اول کی رفتار کا اندازہ کیجئے جو ایک سیکنڈ میں تمام کائنات کا دورہ کر کے مع اپنے تمام مادی جسم کے واپس اپنے مقام پر آگیا۔ کیا پھر کسی انسانی دماغ اور انسانی تخیل میں یہ قوت کہ وہ اس کا صحیح طور سے کچھ اندازہ بھی کر سکے۔ ہرگز نہیں۔ اور جب دماغ و تخیل عاجز ہیں اس امر سے تو پھر آنکھوں میں کب یہ قوت ہو سکتی ہے کہ وہ اس نور کو درک کر سکے۔ اس لئے ہم کیونکر انکار کر سکتے ہیں اس واقعیت سے کہ وہ نور اب بھی محیط کائنات ہے ہماری آنکھیں اگر اس کو درک نہ کر سکیں یا ہماری عقل اگر اس کو نہ سمجھ سکے تو یہ اسکے عدم وجود کی دلیل نہیں ہو سکتی اس لئے کہ نور کے خصوصیات میں سے ایک یہ حقیقت بھی ہے کہ اس کو فنا نہیں ہے اور خصوصاً اس برقی کے زمانہ میں تو اس کی موجودگی سے انکار کیا ہی نہیں جا سکتا جبکہ مختلف قسم کی برقی شعاعوں کا وجود مسلم طور پر اس کائنات میں مان لیا گیا ہے جنکو دنیا بھر میں کسی کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی ہیں مگر اپنے اعمال ضرور سب کی آنکھوں کے سامنے

اُٹھا دو پردۂ غیبت تمام ہو قصہ

قصیدہ در مداحِ امامِ زمانہؑ

از عالیجناب مولانا محسنؔ صاحب قبلہ صدرالافاضل اعظم گڑھی (خاص المعرفت کیلئے)

قریبِ ذوقِ نظارا ہے لالہ زار نہیں
خزاں کا خون ہے رنگِ رُخِ بہار نہیں

ہوائے موسمِ گل مجھ کو سازگار نہیں
چمن میں رہ کے بھی آسودۂ بہار نہیں

جہاں خوشی ہے کہ مرنے کا اختیار ملا
وہاں یہ غم ہے کہ جینے کا اختیار نہیں

کسی کے وعدۂ فردا کا اعتبار ہو کیا
جب اس جہاں کی کسی شئی کا اعتبار نہیں

ضیائے داغِ محبت ہے دیکھنے والو!
یہ روشنی چراغِ سرِ مزار نہیں

کرم کا جز بھی ضروری ہے دوستی کے لئے
فقط ستم پہ محبت کا انحصار نہیں

فسانۂ غمِ ہستی سنا رہا ہوں تمہیں
خیالِ شکوۂ ابنائے روزگار نہیں

وداعِ شب پہ بہائے ہیں صبح نے آنسو
خطا معاف یہ افسردۂ بہار نہیں

ہمیں نہیں ہیں زمانے میں مضطرب محسنؔ
ہمارے ساتھ زمانے کو بھی قرار نہیں

وہ قلب کیا ہے نہ ہو جس میں آرزوئے طلب
وہ آنکھ کیا ہے جسے شوقِ انتظار نہیں

ہر اک سے پوچھ رہا ہوں میں وجہِ آرائش
خیالِ جلوۂ آقائے تاجدار نہیں

ادھر ہے خواہشِ پابوسیٔ امامِ زماں
اُدھر یہ عذر ابھی اذنِ کردگار نہیں

شعورِ ادب تو نہ ہوگا آخر میں عرض کروں
یہ سامنے کا جو پردہ ہے پائیدار نہیں

اٹھا دو پردۂ غیبت تمام ہو قصہ
یہ ایک بار کی زحمت ہے بار بار نہیں

ازل کے دن سے ہوں مستِ مئے ولائے محمدؐ
اُتار دے جسے دنیا یہ وہ خمار نہیں

مدیر کے قلم سے

امام علیہ السلام کی غیبت کے فوائد

۱۔ کبھی زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہی ہے اور نہ رہ سکتی ہے اس لئے کہ اگر خدا کی حجت روئے زمین پر نہ ہوگی تو خدا کی صحیح عبادت ہونا ممکن نہیں کیونکہ منشائے باری کے مطابق عبادت کا طریقہ سوائے خلیفۃ اللہ اور حجت اللہ کے کوئی اور نہیں بتلا سکتا۔

۲۔ اگر کبھی عام مخلوق اور گروہ مسلمین کسی اہم شبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو امامؑ بغیر اپنے کو ظاہر کئے ہوئے لوگوں کو ہدایت کر دیتے ہیں۔ جس طرح سورج بادلوں کے پردہ میں رہ کر فیض پہنچاتا رہتا ہے اسی طرح امام کے فیض کو بھی پردہ حائل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ امام علیہ السلام کی غیبت اللہ کا بندوں پر لطف ہے اس لئے کہ خدا کو معلوم ہے کہ امام کے ظاہر ہونے سے فلاں فلاں قسم کے لوگ ایمان نہیں لائیں گے (جیسا اکثر انبیاء کرام کے وقت ہوتا رہا ہے) چونکہ امامؑ کے ظاہر ہونے سے امت کی ذمہ داری زیادہ ہو جاتی ہے۔ جیسے جہاد کرنا، مکمل طور سے فروعات کو بجالانا، اور محرمات سے بچنا۔ اگر نہ کریں گے تو جلد عذاب میں مبتلا ہوں گے اس لئے خدا نے امامؑ کو پردہ غیب میں رکھ کر اس قسم کے لوگوں کے ایمان کو بچا لیا ہے۔

۴۔ چونکہ عامۃ المسلمین کا وہ عمل نہیں ہے کہ جس سے امامؑ کے جمال پر جلال کی زیارت کا شرف حاصل کر سکیں اس وجہ سے امامؑ ان کی نظروں سے نظر نہیں آتے ورنہ امام تو ہر جگہ اور ہر آن موجود ہیں۔ جیسے چمگادڑ سورج کو نہیں دیکھ سکتی اس میں سورج کی خطا یا عیب نہیں ہے بلکہ چمگادڑ کی آنکھ کا قصور ہے۔ جن کی آنکھوں میں جلوۂ ربانی اور دل میں قوت روحانی ہے وہ اب بھی جلوۂ حجت اللہ سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

۵۔ بہت سے سرکش و مغرور بادشاہ و حاکم ایسے ہیں جو امامؑ پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن امامؑ کے طرز جہانبانی کو پسند نہیں کرتے کیونکہ امام کی نظر میں تو شاہ و گدا امیر و غریب عربی و عجمی سب ایک ہی صف میں ہیں، مگر یہ سلاطین زمانہ ایسا طریقہ پسند نہیں کرتے لہذا امام کا انکار کریں گے اور اس طرح ان کا ایمان کفر سے بدل جائے گا۔

۶۔ جب کہ لوگوں کو ہر وقت یہ یقین رہتا ہے کہ امامؑ ہیں اور پردہ سے ہم کو اور ہمارے حرکات کو دیکھ رہے ہیں تو یہ یقین ان کو بہت سی برائیوں سے بچاتا رہتا ہے۔ جس طرح اسکول کے لڑکے کہ اگر کلاس میں یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا ماسٹر آج غیر حاضر ہے یا ہمارا کوئی نگراں نہیں پھر دیکھئے کیسی دھما چوکڑی مچتی ہے۔ پڑھنا لکھنا تو درکنار بستہ کہیں کرسیاں کہیں خود کہیں اور کلاس کہیں بچے کا اوپر سارا نظام درہم برہم

ہو جائے گا اور اگر ان طلباء کو ذرا سا بھی علم ہو کہ ماسٹر ہے اگرچہ ہمارے سامنے نہیں مگر وہ ہم کو اور ہمارے حرکات کو دیکھ رہا ہے تو یقین کیجئے کہ کلاس اپنے مقام پر ہوگی کرسیاں اپنی جگہ طلبا اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے کام میں مشغول ہوں گے گویا کلاس کا نظام باقی رہنا دلیل ہے کہ نگراں ہے اور نظام کا درہم برہم ہونا حاکم کے نہ ہونے کی دلیل ہے بس اسی طرح سمجھ لیجئے کہ نظام کائنات جبتک اپنی جگہ پر باقی ہے سورج کا وقت پر مشرق سے نکلنا اور مقررہ وقت پر غروب ہونا بارشوں کی آمد ہواؤں کا چلنا موسمیات کی تبدیلی وغیرہ سب حجت خدا کے وجود کی روشن دلیل ہیں اور جب سورج مغرب سے نکلے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں موسمیات میں تبدیلی آجائے تو سمجھ لیجئے کہ نظام عالم کا کوئی ناظم نہیں رہا۔

۷۔ امام کو خدا نے پردے میں رکھ کر مہربانی کی ہے اس لئے کہ امامؑ کے وجود سے براہ راست فیض پہنچنے میں دشمنان دین مانع ہوں گے اس طرح جنگ و جدل ہو کر دنیا قبل از وقت ختم ہو جائے گی۔

۸۔ ہو سکتا ہے کہ امامؑ کی غیبت کا فائدہ امامؑ کے دوستوں کو ہو اس لئے کہ خدا کے علم میں ہے کہ امامؑ کے ظاہر ہونے سے یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو امام کا ظہور ان کے کھلم کھلا کفر کا باعث ہو جائے گا۔ اس وجہ سے پردۂ غیبت میں رکھا کہ یہ لوگ مومن بنیں اور مومن ہی مریں۔

۹۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بحری جہاز میں ہزاروں مسافر ہوتے ہیں لیکن ناخدا کا پتہ صرف مخصوص افراد ہی کو ہوتا ہے۔ یا ریل چلتی ہے مسافر سینکڑوں ہوتے ہیں مگر ڈرائیور کو سب نہیں دیکھتے بس اسی طرح اس کائنات کا جہاز چل رہا ہے اس دنیا کی ریل رواں رواں ہے اگرچہ ہم اس کے نگہبان، نگراں، ڈرائیور اور ناخدا کو نہ دیکھ سکیں تو اس کے وجود سے انکار ممکن نہیں اس لئے کہ جب جہاز بغیر ناخدا کے اور ریل بغیر ڈرائیور کے نہیں چل سکتی تو اس دنیا کے نظام کو چلانے والا بھی کوئی ہے بس وہی حجت خدا ہے۔

۱۰۔ یہ ضروری نہیں کہ حجت خدا کو ہر شخص دیکھے یا وہ قریہ قریہ گاؤں گاؤں جاکر اپنی زیارت کراتا پھرے وہ تو اس کائنات کا مرکز ہے، محور ہے اور قائم الزمان ہے اس کا کام اور اس کی ذمہ داری زمانہ کے خشک و تر سے واقفیت رکھتے ہوئے ہر چیز کو سنبھالتے ہوئے آگے بڑھنا ہے۔ جس طرح حاکم ظاہری اور مادی فرماں روا ہوتا ہے کہ جس کا ایک دارالسلطنت ہوتا ہے کہ جو پوری قلمرو کا مرکزیت ہوتا ہے بادشاہ اکثر اسی مرکز پر رہتا ہے گھر گھر جاکر ملاقات نہیں کرتا پھرتا بلکہ لوگ وہ بھی خاص خاص جو اس بارگاہ اور اس دربار میں آنے جانے کے ادب و قاعدے سے واقف ہوں آتے جاتے ہیں بس اسی طرح امامؑ بھی اس عالم کے مرکز پر اور اپنے دارالسلطنت پر [illegible] فرماں ہیں جہاں سے حکم احکامات جاری فرماتے رہتے ہیں اور جو مومنین خالصین ہیں ان کو شرف باریابی بھی حاصل رہتا ہے۔

۱۱۔ امام خدائی حجتوں کی نورانی زنجیر کی آخری کڑی ہیں کہ جن کے وجود سے وجود عالم وابستہ ہے جن کے قیام سے دنیا کا قیام متعلق ہے جن کے دم قدم سے ہر متنفس میں دم خم ہے جن کی بقاء سے بقائے کائنات ہے لہٰذا ان کو اس وقت تک باقی رہنا ضروری ہے کہ جب تک دنیا کی عمر ہے جب تک زمانہ کو چلانا مقصود ہے۔ اب اگر امامؑ ظاہر ہو کر لوگوں کے سامنے تشریف لے آئیں اور لوگ ان کو قتل کر دیں جیسا کہ پچھلے

گیارہ ائمہ کے ساتھ ہوتا رہا ہے) تو زمانہ قبل از وقت ختم ہو جائے اور قیامت وقت سے پہلے آجائے اور اس طرح خدا کا وعدہ جھوٹا ٹھہریگا اسی وجہ سے خدا نے پردہ میں رکھ کر اپنے وعدہ کو سچا کیا اور زمانہ کو ثبات بخشا اور اہل زمانہ کو عذاب سے بچایا!

اعتراض۔ اس سے پہلے جب امام شہید ہوتے رہے تو زمانہ کیوں ختم نہ ہوا جواب۔

اس امام کی شہادت سے زمانہ کا ختم لازم آئے گا۔

جواب۔ ان ائمہ میں ایک امام کی شہادت کے بعد دوسرا ایسا امام موجود ہوتا تھا جو زمانہ کی باگ ڈور سنبھال لیتا تھا لیکن چونکہ یہ آخری امام اور خدا کی آخری حجت ہیں کہ جن کے بعد کوئی امام ایسا نہیں جو زمانہ کو تباہ ہونے سے بچا سکے اس لئے امام کو بظاہر پردہ میں رکھ کر نظام کائنات اور نظم و نسق زمانہ کو باقی رکھا گیا ہے۔

اور خدا نے اپنے جملہ صفات کے مظاہر دنیا میں بھیجے مگر کوئی مستقل طریقے سے خدا کی صفت غیبت کا مظہر اتم نہیں تھا کہ جس کی غیبت کو دیکھ کر بآسانی سمجھ میں آسکتا کہ جب بندہ اور مخلوق پردۂ غیب میں رہ کر فیض پہنچا سکتا ہے تو خدا اور خالق غیب میں رہ کر کتنے فیوضات کا منبع و سرچشمہ ہوگا۔ اور اسی طرح گویا خدا کے اس قول — يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ اور سنت کے قول کی امام غائب عملی و فعلی مجسم تفسیر ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن وہی ہے جو یؤمنون بالغیب — قولی و فعلی دونوں کو تسلیم کرتا ہو اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب قرآن کے ساتھ ساتھ امام غائب پر بھی ایمان مکمل ہو۔

بقیہ — نور کی تشریح

موجود ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جب اس مخلوقی نور کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور ہماری عقلیں نہیں سمجھ سکتیں اور ہمارا تخیل گرفت نہیں کر سکتا تو آپ پھر قرآن کی آنکھوں سے دیکھیں آیات قرآنی کی دوربین میں ہو کر نظر کریں اور صاحب قرآن کے فرمان کی خوردبین سے اس کے حسن کی باریکیوں اور اس کی محیر العقول نزاکتوں اور رعنائیوں پر غور کریں تو یقیناً سب کچھ اس طرح نظر آجائیگا کہ جیسے ہماری آنکھوں کے سامنے سے تمام پردے اٹھ گئے ہیں اور وہ نور مجسم ہو کر اس کائنات کے اسکرین پر گوناگوں نیرنگیوں عالم کی صورت میں عیاں ہو رہا ہے۔ باقی آئندہ

عالم دین کی رحلت

جناب مولانا سید علی جعفر صاحب قبلہ ممتاز الافاضل امام جمعہ و جماعت نواب شاہ حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ مرحوم بڑے نیک اور سادہ طبیعت عالم تھے۔ مومنین کرام سورہ فاتحہ پڑھ کر مرحوم کی روح کو شاد کریں۔

آہ مرحوم سید ذوار حسین صاحب رضوی

جناب سید ذوار حسین صاحب رضوی مرنج و مرنجان زندگی کے حامل تھے آپ مخلص مرد مومن اور عزادار و ماتم دار تھے مومنین کرام اس مرد مومن کے لئے ایک سورۂ فاتحہ ضرور پڑھیں۔

عالیجناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

بادل میں چاند یا غیبت کے پردے میں بدر امامت

قمری مہینے کی چودھویں رات بھی کیا حسین رات ہوتی ہے۔ نیلے آسمان پر خوشنما تاروں کی جگمگاتی قطاریں، بکھرے ستاروں میں چاند کا دلکش جلوہ۔ نور و ظلمت کا سماں باندھ دیتا ہے۔ جاذب چہرہ، حسین منظر، خنک روشنی، ٹھنڈی چاندنی، بے ہموار و یک رنگ فضا، غرض وہ عالم کہ انسان وجد میں آجائے۔ مسافروں کو راستے ملتے ہیں۔ منزلیں ابھرتی، اور راہی کی ہمتیں بڑھتی ہیں۔ سورج کا سچا جانشین چاند ہے۔ ایک ہی طرح کی فیض رسانی، ایک جیسی فکر و، ایک ہی قسم کی نور پاشی، پھلوں میں رس، پھولوں میں بو، جسم کو سکون۔ زمین کو آرام عطا کرنے والا چاند قدرت پروردگار کے ادنیٰ اشارے سے بھٹکے بادلوں کی تہ میں آجاتا ہے۔ مدھم روشنی اور بادلوں کی اوٹ سے جھانکنے والا چاند اب بھی چاند ہے۔ مرکز نور ہے۔ وقت کی علامت ہے۔ اور فائدوں کا سرچشمہ، زمین اور فضا کو اس سے اس عالم میں بھی نامحسوس طور پر بھی مگر فائدے ضرور حاصل ہو رہے ہیں۔

دن کا سورج رات کو نظر نہیں آتا لیکن اس کی افادیت سے کبھی انکار نہیں کیا گیا، اندھیرے میں رہنے والے بھی کشش و حرارت سے فیض پاتے اور زندگی کے دن گزارتے ہیں۔ دانہ زمین کی تہوں میں اس کی گرمی سے توانائی حاصل کر کے سربلند ہوتا۔ پودا بڑھتا اور درخت بار آور پھلتا ہے۔

غیب و حضور، تاثیر و تاثر کے اس مسلسل دور اور ربط و نظام سے کسی عقلمند نے انکار نہیں کیا۔ اندھے کو روشنی نظر نہیں آتی لیکن نور کی افادیت باقی ہے۔ جاگتے میں نیند غائب ہے مگر اس کی تاثیر جاری ہے۔

حضرت یوسفؑ نے خواب میں ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں جناب اسمٰعیل کو ذبح کرتے دیکھا۔ صبح کی روشنی میں وہ مناظر آنکھوں سے دور ہو چکے تھے، مگر دونوں نبی نتائج کے منتظر رہے۔ انھیں غیر حاضر واقعات کا یقین رہا۔ مطلب یہ ہے کہ موجوداتِ عالم میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ امام مہدی آخر الزمانؑ کا وجودِ مقدس بھی اسلام کے ان ہی مسلمات میں سے ایک ثابت شدہ مسئلہ ہے۔ یعنی ہم مانتے ہیں کہ،

- امام آخر زماں علیہ السلام زندہ و موجود ہیں۔
- امام علیہ السلام بحکم خدا ہماری نگاہوں سے نہاں اور چشم بصیرت پر عیاں ہیں۔

غیبتِ امام کا ثبوت

حضرت امام مہدی آخر الزمانؑ کا وجودِ مقدس ثابت ہے، مسلمانوں کا عقیدہ اور مستند احادیث پیغمبر

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے واضح ہے کہ امت محمدیؐ کے بارہ امام ہوں گے۔ یہ بھی طے ہے کہ ہر امام کا قریشی سے ہونا ضروری ہے۔ اسے بھی مانا جا چکا ہے کہ "امام" کا افضل ترین امت ہونا لازم ہے۔ امام کی سیرت رسولِ مقبولؐ کے انداز و کردار سے مختلف نہ ہو۔ امام کا مقصدِ حیات صرف احیاءِ دین، تبلیغ احکام، حفاظت شریعت ہو۔ اور یہ تمام باتیں صرف اولادِ علیؑ و فاطمہ سلام اللہ علیہا میں پائی جاتی تھیں۔ اولادِ رسولؐ کے گیارہ افراد ہی وہ تھے جو حضرت علی علیہ السلام کے بعد اپنی تمام عمر میں کسی گناہ، کسی خطا، کسی غلط کاری کے مرتکب نہیں ہوئے۔

اسلام کی تاریخ میں صرف گیارہ امام ہی ایسے ہیں جن کی روحانی عظمت، معجزنمائی، وسعتِ علم کا جواب نہ اس عہد میں کوئی تھا اور نہ آج کوئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کا نام اور ترتیب بتا کر امت کو ان کا پابند کیا تھا۔ پھر حضرت علی علیہ السلام نے اپنا جانشین معین کیا۔ اور یہ سلسلہ امام حسن عسکریؑ نے اپنے فرزند کا نام لے کر صورت دکھا کر امام عصر کو جانشینِ محمد عربی قرار دیا۔

مسلمان گیارہ اماموں کو صادق و معتبر و محترم ماننے کے بعد اصولی طور پر پابند ہیں کہ اول کی طرح آخر کو بھی مانیں، ورنہ ان کا دعوائے محبت و خلوص یا غلط ہے یا مشتبہ۔

طولِ عمر اور امامِ زمانہ

رہ گئی یہ بات کہ صاحب امام کی ولادت کی تسلیم، امامت ثابت۔ غیبت بھی خلاف عقل نہیں، لیکن اتنی طویل زندگی سمجھ میں نہیں آتی۔ آج کی دنیا اس قسم کے واقعے کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ آج کا ذہن سائنس و حیاتیات کے اصولوں پر جانچنا چاہتا ہے۔؟

سائنس کہتی ہے:

موت، حیاتیاتی عوامل کی کمی، خون، اور اجزاءِ خوراک، اعضاء کی ناہمواری سے رونما ہوتی ہے، اگر خون کی گردش، اجزاءِ بدن کی مطلوبہ خوراک اور ان جیسے دوسرے ضروریات موجود ہوں یا موجود کر دیے جائیں تو انسان موت سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

نظامِ تنفس، نظامِ گردشِ خون، نظامِ حرکتِ قلب کو بحال رکھنے کے لئے آلات دادو یہ ایجاد ہو چکے ہیں، مردے کو ایک دو گھنٹے کے لئے زندہ کیا جا چکا ہے، اور زندگی کو برقرار رکھنے کی کوشش جاری ہے۔ سائنس ابھی تک بقاء و تحفظ زندگی سے مایوس نہیں۔ صرف غیبی طاقت، حکم الٰہی، اور خدائی فیصلہ سے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہوتی۔ ورنہ امکان و عدم امکان پر بحث ختم ہو چکی ہے۔

قرآن کا فیصلہ

رسولِ آخر الزمانؐ کا زندہ اعجاز، قرآن مجید، انسانی زندگی کی حدیں، واضح طور سے پچاس کم ایک ہزار سال بیان کرتا ہے۔ اور ہم سب مسلمان اسے حق مانتے ہیں:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ط

(پ ۲۰۔ العنکبوت ۱۴)

شیخ الاسلام پاکستان اور شیخ الہند، شبیر احمد عثمانی اور محمود الحسن صاحبان کے ترجمہ و حواشی میں ہے:

"اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کے پاس
پھر رہا ان میں ہزار برس پچاس برس کم،"

حاشیہ پر تفاسیر اہل سنت کا اجماعی مسلک یوں قلمبند ہوا ہے:

"ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت نوحؑ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ اور سعی و اصلاح میں مصروف رہے، پھر طوفان آیا، طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے۔ اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی"

انبیائے قرآن کے فاضل مؤلف جناب جمیل احمد ایم۔ اے جدید معلومات و تحقیقات کی روشنی میں لکھا ہے:

"حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مندرجہ توراۃ ۹۵۰ سال، تصدیق قرآن بھی کرتا ہے"

(انبیائے قرآن جلد اوّل ص ۵۰۰، طبع لاہور ۱۹۶۳ء)

اس گفتگو سے جدید و قدیم نظریات و عقائد رکھنے والے حضرات کی یہ رائے معلوم ہوگئی کہ ہزار برس تک کسی انسان کا زندہ رہنا واقعہ بھی ہے اور ممکن بھی۔

— حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں —

اللہ کے ماننے اور رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والے سلف سے آج تک مان رہے ہیں، ہم سب یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ، زمین پر نہیں، بلکہ آسمان پر زندہ ہیں۔ یہ زندگی شہادت یا وفات کے بعد حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ عام زندوں کی طرح وہ آسمان پر بلند کر لئے گئے تھے۔ شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی کے (افادات ملاحظہ ہوں)

فوائد امامؑ

عقل و حکمت، مشاہدہ و تجربہ گواہ ہے کہ ہزاروں چیزیں ہم استعمال کرتے ہیں لیکن ان کے فائدوں سے بے خبر ہیں۔ بسا اوقات ایسی چیز جسے بے فائدہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس قدر فائدہ رساں نکلتی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ ایٹم موجود تھا مگر علم میں نہ تھا، ایٹم کا علم ہوا تو فوائد و خواص سے بے خبر رہے۔ خواص معلوم ہوئے تو خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ لیکن اب یہی ذرۂ حقیر، بیماریوں کا علاج، تابناک شعاعوں کا مرکز، حرارت و بجلی کا خزانہ اور ہزارہا فائدوں کا سرچشمہ ہے۔

قرآن مجید، ہدایت کا سرچشمہ، انسان کے لئے دستور حیات مانا جا چکا ہے۔ اس کلام معجز نما کا مفہوم حق و صداقت کا بیان ہے۔ "فیہ بیان للناس" لیکن اسی قرآن حکیم میں ہے:

الٓمٓ۔ الٓمٓرٰ۔ نٓ۔ کٓہٰیٰعٓصٓ۔ حٰمٓ۔ صٓ۔
قٓ۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ۔ یٰسٓ۔ طٰسٓمٓ۔ طٰسٓ۔ طٰہٰ۔

ان مکرر اور غیر مکرر مقطعات قرآن مجید کا مطلب مسلمان علماء کو آج تک معلوم نہیں۔ ان کا ترجمہ تراجم میں نہیں ملتا۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ قرآن مجید کے ان مندرجات و موجودات کے فوائد گن کر بتا سکیگا؟ کیا کوئی مسلمان اس کی افادیت کا منکر ہے!

حروف موجود، معنے پردۂ غیب میں۔ فائدہ کا اعتقاد سینے میں۔ لیکن بیان و عیاں میں گنجائش و تاب نہیں۔

ہم امام زمانؑ کے وجودِ مقدس کو اگر اسی طرح مفید مانیں تو عقل و مشاہدہ میں جرأت انکار نہیں اب یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ چند فوائد ایسے بھی ہیں، جنھیں ہم جانتے بھی ہیں۔

سورج ہفتوں بادلوں کے پردوں میں رہے،

روشنی و حرارت کے فائدے پہنچاتا رہتا ہے۔ بارش کے چھینٹے مہینوں نہ پڑیں لیکن زمین پر اس کے پرانے اثرات رہتے ہیں۔ وانہ مہینوں مٹی کے نیچے دبا رہے لیکن عمل نمو جاری رہتا ہے۔ کتاب صدیوں نہ پڑھی جائے اس کا خزانہ بھرا رہتا۔۔۔۔ ـــــــ

بے بصیرت انسان خدا کو نہیں دیکھتا تو وہ خدا کا منکر ہو جاتا ہے۔ منکر مذہب کفر کے زور کو دیکھ کر حق کی قوت ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔ جاہل کے نزدیک کتابوں کا انبار ردی ہے۔ بزدل کے لئے تلوار بیکار ہے ـــ لیکن کیا ان نظروں سے حقائق غلط ہو جاتے ہیں؟ کیا عقلمند ان روزگار کی تقدیروں سے بے عقل معقول باتیں مان بھی لیتے ہیں؟ نہیں ـــــ پیغمبروں کا کام ٹھیک وجہ سمجھانا، حق و باطل کی راہیں دکھانا ہے۔ اور بس۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ (قرآن)

- ہدایت کا وجود مستقل فائدہ ہے ـــ امام ہدایت ہے۔
- قرآن مجید کا وجود نبوت ختمی مرتبت کی زندہ دلیل ـــ امام عصرؑ دلیل کا دوسرا جزو ہے۔
- مثالی نظریہ و عقیدہ مستقل فلاح و کامیابی ہے امام زمانہ اس عقیدہ کی عملی صورت۔

وجود امامؑ کے فوائد

- امام کے وجود مبارک سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسلام کی طرح بھی شکستگی و تنگی سے دور ہے اور دور رہے گی اور کفر کو خوب شکست ہے اور رہیگا۔
- مسلمان کا دل تو ہی ہے کہ رسولؐ نے اسے تنہا نہیں چھوڑا بلکہ اپنے فرزند کو ضامن و نگہبان کر دیا ہے۔
- اہل دل، صاحبان ایمان، اور بصیرت و کردار کے پکے مومن انھیں دیکھتے، ان کی زیارت کرتے اور ہزار ہا معاملات میں مستفید ہوتے ہیں۔
- وہ ہمارے اعمال کے نگراں ہیں اور ہم ان کے خیال سے اپنے کردار کو درست کرنے کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔
- امام علیہ السلام دنیا کے لئے فیض رساں ہیں۔ شب قدر فرشتے اور "روح" آن کر ان کے حضور میں معاملات پیش کرتا ہے۔ اور امام ان احکامات کی تفصیل فرما کر ہمیں مستفید کرتے ہیں۔
- ان کا وجود قرآن حکیم کے علوم کا خزینہ موجود ہے
- مسلمان صرف امام کے طفیل ظلم و تاریکی، کفر و عدوان کے مقابلے میں سپر انداختہ نہ ہوگا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ تاریکیاں ہو جائیں گی۔ کفر پھیلیگا تو امام عصرؑ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ظہور پر مامور ہوں گے ـــ کفر کو کافور، ظلمت کو نور، ظلم کو انصاف کر کے چار دانگ عالم میں توحید ـــ عدل ـــ نبوت و قرآن کا راج قائم فرمائیں گے۔

پروردگار، ظہور کا وقت جلد لائے اور ہمیں ان کے ہمرکاب جہاد کا شرف بخشے۔

لہ مزید مباحث کے لئے میری کتاب "آخری تاجدار امامت" طبع لاہور ملاحظہ فرمائیں۔

قصیدہ در مدح

سلطانِ عصر حضرت قائمِ آلِ محمد علیہم السلام

از جناب جعفر صاحب جلوہ ری ایم۔ اے

پردہ داری پر جب آمادہ ہوا دامانِ بہار
کس طرح دیکھے کوئی روئے حسینانِ بہار

کائناتِ دہر میں محو آپ ہیں اپنی مثال
سقف و محراب و در و دیوارِ ایوانِ بہار

سنتے ہیں ہر چیز پہ چھایا ہے رنگِ حسن و نور
ساری دنیا نے جلائے خانہ و سامانِ بہار

لرزہ براندام ہے جائیگا کیا ذرہ نگاہ !
ہے عصا ٹیکے ہوئے نرگس جو دربانِ بہار

سنبل و شمشاد ہیں صورت گرِ دار و رسن
کیا مجال آئے کوئی قزاقِ ایمانِ بہار

تار کھنچوائے ہیں بیلوں نے سرِ صحنِ چمن
عشق پیچاں ہے کہ ہے معمارِ زندانِ بہار

دیکھنے کے واسطے چشمِ بصیرت چاہیے
سات پردوں میں عیاں ہے حسنِ عریانِ بہار

ساقیا بھر دے بہرِ خدا اے جامِ عرفانِ بہار
تاکہ مجھ پہ ہوں عیاں رازِ گلستانِ بہار

ہاں وہی جب سے قائم ہے بہاروں کا شباب
خضر جسکا ہے نشہ جسکا کیف افشانِ بہار

جانتا ہوں اس لیے ہے جاوداں گلزارِ کیف
ہے نمِ رخسارِ مہدی لا آبِ حیوانِ بہار

مہدیِ دیں جانِ عالم ہے کہ سلطانِ بہار
مصرِ غیبت میں ہے تو اے ماہِ کنعانِ بہار

آپ ہیں پردے میں اور گلزارِ دیں سر سبز ہے
ہے پسِ پردہ رواں دریائے فیضانِ بہار

ہیں محمدؐ اول و اوسط و آخر کل کے کل،
گلشنِ دیں کے لئے ہیں جبھی سب جانِ بہار

چل رہی ہے گلشنِ ہستی میں بادِ اختلاف
المدد اے قائمِ آلِ عبا جانِ بہار

بادشاہِ عصر یہ باغِ تمنا ہے ثمر
ہو برومند آج سے تا حدِ امکانِ بہار

حضرت امام محمد مہدی صاحب الزماںؑ

از مولانا سید علی صاحب قبلہ جعفری ایم اے

جس طرح خاتم نبوت حضرت محمدؐ حبیب خدا کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے انبیاءؑ و مرسلینؑ نے آپ کی ولادت کی خوشخبری دی تھی اسی طرح خاتم امامت حضرت محمد حجت خدا کی دنیا میں آمد سے بہت پہلے پیغمبر اسلام اور ائمہ طاہرین نے آپ کی پیدائش کی خوشخبری سنائی اور آپ کے صفات برگزیدہ کی مسلسل و متواتر پیشین گوئیاں کیں۔ اس سلسلہ میں آنحضرت سے اتنی کثیر احادیث منقول ہیں کہ صحاح و مسانید و اخبار کی کتابیں ان سے معمور ہیں۔ علمائے شیعہ کے علاوہ علمائے اہل سنت والجماعت نے بھی ان احادیث کو مستقل کتابوں کی شکلوں میں جمع کیا ہے۔ چنانچہ حافظ محمد بن یوسف گنجی شافعی نے ایک کتاب "البیان فی اخبار صاحب الزمانؑ" اور حافظ ابو نعیم اصفہانی نے ایک کتاب "ذکر نعت مہدیؑ" اسی موضوع پر لکھی ہے۔ تمام صحاح ستہ خصوصاً ترمذی، سنن ابو داؤد اور سنن ابن ماجہ میں امام عصرؑ سے متعلق بہت سی حدیثیں منقول ہیں ذیل میں صرف دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

حدیث اہل سنت

(۱) عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "اگر دنیا کا پورا زمانہ ختم ہو جائے اور صرف ایک دن باقی رہ جائے جب بھی خدا اس دن کو اتنا بڑھا دے گا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام میرے نام پر ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔"

(صحیح ترمذی)

ذیل کی حدیث میں آنحضرتؐ نے امام عصرؑ کے اسم مبارک اور آپ کے سلسلۂ نسب کی توضیح فرما دی ہے۔

حدیث اہل تشیع

حضرت عبداللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضور کریمؐ نے ارشاد فرمایا۔ "میں انبیاءؑ کا سردار ہوں، علیؑ اوصیاء کے سردار ہیں اور میرے اوصیاء (خلفاء) میرے بعد بارہ ہوں گے جن میں پہلے علیؑ ہیں، اور آخری مہدیؑ" (بحار الانوار)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بارہویں امام پیغمبر اسلام کے آخری خلیفہ اور تمام روئے زمین پر خدا کی آخری حجت ہیں۔ آپ کی زندگی کے تین اہم پہلو ہیں۔ غیبت سے پہلے، زمانۂ غیبت اور غیبت کے بعد۔

نام، کنیت اور القاب

ہمارے بارہویں امامؑ کا اسم گرامی محمدؐ، کنیت

ابوالقاسم اور مشہور القاب۔ اَلْقَائِمْ ۔ اَلْحُجَّۃ ۔ اَلْمُنْتَظَرْ ۔ اَلْمَھْدِیْ اور صَاحِبُ الزَّمَانْ ہیں۔

والدین

آپ امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں۔ آپ کی مادرِ گرامی کا نام جناب نرجس خاتون تھا جو قیصرِ روم کی پوتی تھیں اور جن کا سلسلۂ نسب ماں اور باپ، دونوں طرف سے حضرت شمعونؑ تک پہنچتا ہے۔

ولادت

امام عصرؑ بروز جمعہ شعبان ۲۵۵ھ ہجری نماز صبح کے وقت شہر سامرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت کے وقت وہی تمام حالات و آثار موجود تھے جو حضرت موسیٰؑ کی ولادت کے وقت پائے جاتے تھے۔ جس طرح فرعون کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی سلطنت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک بچے کے ہاتھوں ہوگا اور اس نے بنی اسرائیل کے تمام بچوں کو قتل کر دینے کا عام حکم دے دیا تھا۔ اسی طرح سلاطین بنی عباس امام زمانہؑ سے متعلق ..... پیغمبر اسلامؐ کی مسلسل اور متواتر احادیث کو سن کر پریشان تھے کہ اگر ان کے زمانہ میں امام صاحب الزمان پیدا ہوئے تو ان کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لئے وہ امام کی ولادت کی جستجو اور آپ کو قتل کرنے کی فکر میں تھے۔ لیکن قدرت نے آپ کی ولادت کے سلسلہ میں وہی انتظامات کئے جو جناب موسیٰؑ کی ولادت کے وقت کئے تھے۔ امام پیدا ہوئے لیکن آپ کی ولادت کا راز سوائے چند مومنین کے اور کسی پر ظاہر نہ ہوا۔ حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے، اور فرعون کے گھر میں آپ کی پرورش ہوتی رہی لیکن فرعون کی انتھک کوششوں کے باوجود آپ کی پیدائش کا راز سوائے چند مخصوص بندگانِ خدا کے کسی کو معلوم نہ ہو سکا تھا۔ اسی طرح امام مہدیؑ پیدا ہوئے اور آغوشِ امامت میں تربیت پاتے رہے لیکن، آپ کی پیدائش کا راز سوائے چند مخصوص مومنین کے اور کسی پر ظاہر نہ ہو سکا۔

امامؑ کی ولادت کے وقت بنی عباس کا مشہور بادشاہ معتمد تخت حکومت پر متمکن تھا۔ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ امامؑ کی ولادت اسی کے زمانہ میں ہوگی اس لئے وہ شب و روز امامؑ کی جستجو میں رہنے لگا۔ معتمد کو جب یہ معلوم ہوا کہ امام حسن عسکریؑ کی نمازِ جنازہ ان کے کم سن فرزند نے پڑھائی تو اس کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ سمجھ گیا کہ نماز جنازہ پڑھانے والا کمسن بچہ ہی وہ امامؑ ہے جس کی پیشین گوئیاں کی جا چکی ہیں لیکن سیاسی نقطہ نظر سے اس نے اپنی پریشانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ولادت امام کی تحقیق کے لئے اس نے آپ کی والدہ ماجدہ جناب نرجس خاتون کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔

جناب نرجس کی گرفتاری

جناب نرجس خاتون گرفتار کر کے معتمد کے سامنے لائی گئیں۔ معتمد نے آپ سے قائم آلِ محمدؐ کی پیدائش کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے کام لیا اور اپنی جان اور حجتِ خدا کی حفاظت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جواب دیا کہ آپ پر وضع حمل کے کوئی آثار نہیں۔ خدا کی قدرت کہ معتمد کی عقل و سمجھ پر پردہ پڑ گیا اور اس نے آپ کی بات پر یقین کر لیا۔ اس نے اس وقت جناب نرجس سے کوئی تعرض نہ کیا لیکن آپ کو قاضی ابوالشوارب کی حراست میں اس غرض سے قید کر دیا کہ جب امامؑ

کی ولادت ہوگی تو مولود کو فوراً قتل کر دیا جائے گا۔

ابھی اس واقعہ کو چند ہی روز گذرے تھے کہ حکومت بنی عباس میں ایک ایسا انقلاب آیا جس سے معتمد کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ معتمد کی طاقت صفاریوں کے حملوں سے پہلے ہی کمزور ہو چکی تھی کہ دفعتاً صاحب الزنج نے حجاز اور یمن کے علاقوں پر حملہ کر دیا اور سلطنت عباسیہ میں ایسی لوٹ و غارت مچادی کہ تخت بغداد کا انتظام درہم برہم ہو گیا۔ معتمد ان مصیبتوں کے دور کرنے میں ایسا مشغول ہوا کہ اس نے جناب نرجس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب نرجس تقریباً چھ مہینے قاضی کی حراست میں رہ کر پھر اپنی عصمت سرا میں تشریف لائیں۔ اور اس کے بعد پھر آپ سے امام زمانہ کی پیدائش کے متعلق کبھی کوئی سوال نہیں کیا گیا۔

تربیت

امام عصرؑ نے تقریباً ساڑھے چار سال تک اپنے پدر بزرگوار کی آغوش امامت میں پرورش پائی۔ امام حسن عسکریؑ نے آپ کے تحفظ اور پرورش کی وہی صورتیں اختیار فرمائیں جو جناب ابوطالب نے پیغمبر اسلام کی حفاظت کے لئے اختیار کی تھیں۔ آپ چند دنوں مکان کے ایک حصے میں اپنے فرزند کی نگہداشت فرماتے اور پھر مکان کے دوسرے حصے میں منتقل ہو جاتے۔ ہفتہ دو ہفتہ میں بچہ کی خواب گاہ بھی بدل دی جاتی مقصد یہ تھا کہ کسی کو امام زمانہ کے صحیح حالات معلوم نہ ہو سکیں اور آپ دشمنوں کی گزند سے محفوظ رہ سکیں۔

امام حسن عسکریؑ نے خدا کے حکم سے امام عصرؑ کی ولادت اور آپ کے حالات کو راز میں اس لئے رکھا کہ امام دشمنوں سے محفوظ رہیں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ خدا ہی کے حکم سے آپ نے چند مومنین کو اپنے فرزند کی زیارت کا شرف بخشا تاکہ مومنین امام زمانہ کی ولادت سے باخبر ہو جائیں اور امام حسن عسکریؑ کے بعد امور دین و دنیا میں اپنے امام زمانہؑ کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ ذیل میں ایک سنّی اور ایک شیعہ عالم کی مستند کتابوں سے چند ان حضرات کے نام پیش کئے جاتے ہیں جنہوں نے امام صاحب الزمانؑ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

امامت

آپ کے پدر بزرگوار حضرت امام حسن عسکریؑ نے ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو وفات پائی اور اسی دن سے آپ خدا کی طرف سے تمام دنیا کے لئے ہادی اور رہبر قرار پائے۔

یوں تو تمام حضرات ائمہ طاہرینؑ میں کسی کو دنیا نے موقع نہ دیا کہ وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دے سکتے پھر بھی امام حسن عسکریؑ تک ان معصومین نے مصائب و آلام برداشت کرتے ہوئے شریعت الٰہیہ کی علانیہ تبلیغ اور دین اسلام کے بچانے اور اس کی بنیادوں کو استوار کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر چونکہ خداوند عالم نے امام محمد مہدیؑ کے تمام امور کو ابتدا ہی سے پوشیدہ حالت میں رکھنا عین مصلحت سمجھا جیسا کہ اس کتابچہ کے پہلے حصہ میں لکھا جا چکا ہے اس لئے آپ نے نظام امامت کے جاری کرنے کا نیا طریقہ اختیار کیا گیا۔ آپ بحکم خدا عام نظروں سے پوشیدہ ہو گئے اور سرداب مقدس میں (پہاڑ کے ایک غار میں جو شہر سامرہ کی آبادی کے مغرب کی طرف واقع ہے) تشریف لے گئے اور اپنے

نائبین، سفراء اور وکلاء کے ذریعہ دین اسلام اور تعلیمات محمدؐ و آل محمدؐ کی تبلیغ و اشاعت کے فرائض کو انجام دینا شروع کیا۔

غیبت

غیبت کے لغوی معنے ہیں دور ہونا یا پوشیدہ ہو جانا لیکن اصطلاح شرع میں حضرت امام مہدیؑ کے عام لوگوں سے پوشیدہ ہو جانے کو غیبت کہتے ہیں۔ غیبت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ غیبت صغریٰ اور ۲۔ غیبت کبریٰ۔ غیبت صغریٰ کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جس وقت امامؑ سرداب مقدس میں تشریف لے گئے اور آپ کے نائبین آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ یہ زمانہ ۲۶۰ھ سے شروع ہوتا ہے اور ۳۲۹ھ میں ختم ہوتا ہے۔ اس طرح غیبت صغریٰ کی مدت انہتر سال ہوتی ہے۔

غیبت صغریٰ اور اس کے اسباب

جن لوگوں نے آثار قدیمہ کا مطالعہ کیا ہے اور انبیائے کرام کے حالات پڑھے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب کسی نبی یا رسول کو ان کے دشمنوں اور مخالفین نے بہت زیادہ ستایا اور ان کی جانوں کے درپے ہو گئے تو خدا نے اس نبی یا رسول کو ایک مدت معینہ تک کے لئے خواہ وہ مدت قلیل ہو یا کثیر عام نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی کر دیا اور مخالفین میں سے کسی ایک کو بھی ان کی خبر نہ ہوئی اور اس مدت معینہ کے بعد جب مصلحت خدا کا تقاضہ ہوا تو قدرت نے پھر اس نبی یا رسول کو اس کے مقام ماموریت پر واپس کر دیا لیکن وہ نبی یا رسول اس پوشیدہ حالت میں بھی اپنے فرائض منصبی کی انجام وہاں بھی مشغول رہا اور کسی نہ کسی ذریعہ سے دین الٰہی کی تبلیغ کرتا رہا۔

جناب ادریسؑ کا ہم عصر بادشاہ جب انکی جان کا دشمن ہو گیا تو خدا نے ایک مدت معینہ تک کے لئے ان کو ان کی قوم سے علیحدہ کر دیا۔ آپ ایک عرصہ تک پہاڑ کے دروں میں قیام فرما رہے اور جب امن و سکون پیدا ہو گیا تو پھر خدا نے ان کو ان کی قوم کی طرف پلٹنے کا حکم دیا۔ اسی طرح جناب صالحؑ، جناب ہودؑ، جناب یونسؑ اور بعض دیگر انبیائے کرام اپنے زمانہ کے سلاطین کے ظلم و ستم سے ایک مدت خاص تک کے لئے عوام کی نگاہوں سے بحکم خدا پوشیدہ ہو گئے لیکن جب وقت آ گیا تو پھر عوام کے سامنے آ گئے اور دین خدا کی کھلم کھلا تبلیغ کی۔

جب کفار قریش ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ کی جان کے دشمن ہو گئے اور آپ کے عصمت کدہ کو گھیر لیا تو بحکم خدا آپ بھی ایک غار (غار ثور) میں چلے گئے اور اگرچہ ایک بہت ہی مختصر مدت کے لئے سہی عام نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے اور تیسرے روز جب خدا کا حکم ہوا تو کمال احتیاط کے ساتھ پوشیدہ طور پر مدینہ تشریف لے گئے۔

پس غیبت کے جو اسباب و مصالح انبیاءؑ و مرسلینؑ کے لئے پیش آتے تھے۔ وہی امام مہدیؑ کے لئے تھے۔ آپ بحکم خدا ایک مدت معینہ تک کے لئے بظاہر عوام کی نگاہوں سے روپوش ہو گئے ہیں اور جب خدا کا حکم ہوگا آپ پھر ظاہر ہوں گے لیکن آپ کی امامت نص قرآن و احادیث باقی اور الامت کار فرما ہے۔

غیبت صغریٰ میں نظام امامت

امام زمانہؑ کے دور میں چونکہ عام مومنین امامؑ کی

زیارت سے مشرف نہیں ہو سکتے تھے اس لئے تبلیغ و اشاعت دین کے لئے بڑے بڑے شہروں میں امام کی کی سفراء اور وکلاء معین کئے گئے۔ قریوں اور قصبوں میں ایک یا ایک سے زائد سفیر اور بالکل چھوٹی چھوٹی بستیوں میں سفراء اور وکلاء کی ماتحتی میں حاجزین مقرر کئے گئے اور جہاں مومنین کی آبادی بہت ہی کم تھی وہاں تین چار مقامات کو ایک آبادی قرار دے کر ایک وکیل معین کیا گیا۔ پھر ان تمام سفراء و وکلاء اور حاجزین کے سردار امامؑ کے ایک مخصوص نائب قرار دیئے گئے جو مستقل طور پر شہر بغداد میں رہتے تھے۔ یہ تمام سفراء و وکلاء اور حاجزین مومنین کے مطالب و مقاصد اور ان کے دریافت کردہ مسائل شرعیہ کو لکھ کر امامؑ کے ان مخصوص نائب کے ذریعہ جو بغداد میں رہتے تھے امامؑ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور امامؑ کے جوابات جن پر امامؑ کے دستخط اور آپ کی مہر خاص ہوتی تھی منگوا کر مومنین کے پاس بھیج دیتے تھے ——

امامؑ کے یہی تحریری احکامات شیعی دنیا میں توقیعات مقدسہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ حضرات سفراء اور وکلاء اموال خمس و زکوٰۃ بھی جمع کر کے بغداد امامؑ کے نائب خاص کے پاس بھیج دیتے تھے جو حکم امام سے ان اموال کو غرباء اور مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

امامؑ کے سفراء و وکلاء اور حاجزین

اسمائے گرامی	مقام ماموریت	اسمائے گرامی	مقام ماموریت
عطار و بلالی	بغداد	احمد بن اسحاق	قم
محمد بن عبداللہ	کوفہ	بستامی و اسدی	رَے
محمد بن ابراہیم	اہواز	قاسم بن علاء	آذربائیجان
محمد بن صالح	ہمدان	محمد بن شاذان	نیشاپور

غیبت کبریٰ

۳۲۹ھ میں امامؑ کے آخری نائب علی بن محمد سمری کے نام ایک توقیع مقدس برآمد ہوئی جس میں ان کی موت غیبت صغریٰ کے اختتام اور غیبت کبریٰ کے آغاز کی اطلاع دی گئی۔ اس مقدس توقیع کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اے علی بن محمد اللہ تمہارے برادران ایمانی کو تمہاری وفات کے مصائب میں اجر عظیم عطا فرمائے۔

کیونکہ چھ دن کے اندر تمہاری وفات ہوگی۔ لہٰذا تم اپنے کاموں کو درست کر لو۔ آئندہ کوئی میرا نائب نہ ہوگا کیونکہ غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہو گیا ہے اور اب میرا ظہور حکم خداوندی پر موقوف ہو گیا ہے جو ایک طولانی غیبت کے بعد ہوگا اس وقت جب کہ دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی اور بے شک قوت والا تو بس خدا ہے۔"

(اقتباس از بحار الانوار) علی ابن محمد سمری نے اس توقیع مبارک کو مومنین کے درمیان پڑھ کر سنایا اور اس کے چھٹے دن ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ کو ان کی وفات ہوئی اور اسی وقت سے غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا۔

امام زمانہؑ کی زیارت سے مشرف ہونے والے حضرات

ابی غانم کا بیان ہے کہ جب امام حسن عسکریؑ کے صاحب زادے پیدا ہوئے تو آپ نے ان کا نام محمدؐ رکھا اور ولادت کے تیسرے دن اپنے ان فرزند کو باہر لا کر اپنے اصحاب کو دکھایا۔ اور فرمایا "ہمارے بعد تم لوگوں کا یہی امام ہے اور یہی تم لوگوں پر ہمارا خلیفہ ہے۔ یہی وہ قائم ہے جس کے انتظار میں تمہاری گردنیں جھکی رہیں گی اور جب روئے زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی تو یہ ظاہر ہوگا اور اس

زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔" (ینابیع المودۃ)

معاویہ ابن حکیم محمد بن ایوب اور محمد بن عثمان کہتے ہیں کہ۔

"ہم لوگ امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم سب تعداد میں ۴۰ تھے۔ امامؑ نے اپنے فرزند ارجمند کو ہم لوگوں کو دکھا کر ارشاد فرمایا۔" ہمارے بعد یہی تم لوگوں کے امام ہیں۔ اور تم لوگوں پر یہی ہمارے خلیفہ ہیں۔ انھیں کی اطاعت کرنا۔ اور میرے بعد اختلاف میں نہ پڑ جانا ورنہ اپنا دین و ایمان ضائع کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالنا۔ اگرچہ آج کے بعد پھر تم لوگ ان کو نہ دیکھ سکو گے" (بحار الانوار)

امامت

امام حسن عسکریؑ نے ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو وفات پائی اور اسی دن سے آپ کے فرزند امام مہدیؑ خدا کی طرف سے تمام دنیا کے لئے ہادی اور امام قرار پائے۔ چونکہ منشائے قدرت یہی تھا کہ آپ سے متعلق تمام امور پوشیدہ اور راز میں رہیں اس لئے آپ نے احکام دین کی تبلیغ اور فرائض امامت کی انجام دہی اپنے ان سفراء اور نائبین کے ذریعہ شروع کی جو امام حسن عسکریؑ ہی کے زمانے سے ہدایت کے امور انجام دیا کرتے تھے۔ یہ سفراء اور نائبین مومنین کے اغراض و مقاصد اور مسائل دینیہ سے متعلق استفسارات امامؑ کی خدمت بابرکت میں پہنچایا کرتے تھے اور جو کچھ امامؑ کا حکم ہوتا تھا اس سے مومنین کو مطلع کیا کرتے تھے۔ لیکن جب حکومت وقت کی جستجو اور مخالفین کی شورش اور زیادہ بڑھ گئی تو یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ حکم خدا سے امام زمانہ حجاب غیب میں جلوہ افروز ہو گئے۔ اور سفراء اور نائبین بھی آپ کی زیارت سے محروم ہو گئے۔

آپ خدا کے حکم سے پردۂ غیب میں گئے اور خدا ہی کے حکم سے جب خدا کی مرضی ہوگی ظاہر ہوں گے۔ خدا کرے آپ کا ظہور جلد ہو تاکہ مومنین آپ کی زیارت سے مشرف ہوں اور ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا عدل و انصاف سے بھر جائے۔ گمراہی کے غار میں گرتا ہوا زمانہ راہ راست پر آجائے اور دین خدا کا پرچم چاروں دانگ عالم میں لہرانے لگے۔

غیبت کبریٰ کے زمانہ میں امام عصرؑ بظاہر نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن مذہب حقہ اور ملت بیضا پر جب کوئی سخت وقت آیا تو امامؑ نے مدد فرمائی۔ کتب تواریخ میں سیکڑوں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جب مخلصین و دوستداران اہلبیتؑ میں سے کسی نے مشکل وقت میں امام زمانہ کی طرف رجوع کیا تو امامؑ نے ان کو اپنی زیارت کا شرف بخشا اور ان کی مشکلات کو آسان کیا۔ ذیل میں صرف ایک واقعہ اہلسنت والجماعت کے ایک جلیل القدر عالم سلیمان قندوزی کی کتاب ینابیع المودۃ سے نقل کیا جاتا ہے:-

ارشد عبد اللہ لکھتے ہیں:- "(ایک سال) میں حج سے فارغ ہو کر وطن واپس ہوا لیکن واپسی میں راستہ بھول گیا۔ یہاں تک کہ ایک سرسبز و شاداب زمین پر میرا گذر ہوا۔ وہ جگہ نہایت پُرفضا تھی اور وہاں ایک خیمہ نصب تھا۔ جب میں کچھ اور آگے بڑھا تو میں نے دو غلاموں کو دیکھا۔ انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا کہ ٹھیر جاؤ۔ پھر ایک غلام خیمہ کے اندر گیا اور پھر فوراً باہر آیا اور مجھ کو اندر لے گیا۔ میں نے خیمہ میں ایک حسین و خوبصورت جوان کو دیکھا جن کے گلے میں ایک تلوار حمائل تھی۔ میں نے ان کو سلام کیا اور انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا میں نے پوچھا "آپ کون بزرگ ہیں؟" فرمایا "میں وہ قائم آل محمد ہوں جو زمانہ آخر میں تمام زمین کو عدل و

واقعات سے اس طرح بھر دے گا۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔" یہ سنتے ہی میں اپنے منہ کے بل گر پڑا۔

امامؑ نے فرمایا "سوائے خدا کسی اور کا سجدہ نہ کر۔ اپنا سر اٹھا لے۔ تیرا امام راشد ہے اور تو شہر ہمدان کا رہنے والا ہے۔ تو بھی تو چاہتا ہے کہ پھر اپنے اہل و عیال میں پہنچ جائے؟" میں نے کہا "ہاں میری یہی خواہش ہے" پھر آپ نے مجھ کو اپنے ایک خادم کے ہمراہ کر دیا جس نے میرے وطن تک میری رہبری کی اور میں خوش خوش اپنے اہل و عیال میں پہنچا۔"

قطعہ

ہجر کی مدت بہ صورت بسر ہو جائیگی
طالب دیدار دیکھے گا جمال مہدوی
ایک دن دنیا میں ایسی بھی سحر ہو جائیگی
یعنی شدت درد جگر ہو جائیگی

از جناب مرزا اختر حسین صاحب اختر لکھنوی

بقیہ :۔ مطالبات

گھٹ جوڑوں سے بچتے ہوئے خالص قومی درد مندوں کو کام کرنے کا موقع دیکر سفینہ مطالبات کو ساحل مراد تک پہنچانے میں کامیابی حاصل کریں گے۔ ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارا رہبر مطالبات کے سلسلے میں اس ذمہ داری سے بخوبی واقف ہے کہ قوم لنگڑے لولے مطالبات ماننے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مطالبات خالص دینی اور قانونی ہیں جن کو پورا کرنا حکومت کا فرض ہے لیکن اگر خدا نخواستہ خدانخواستہ اس میں کتر بیونت کی گئی یا سیاسی رنگ سازی رنگا گیا تو قوم شیعہ کا بچہ بچہ اس کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کریگا۔

اپنی حکومت سے

جب ملت جعفریہ کے تقریباً تین سو علماء اور ہزارہا وکلاء، شرفاء، رہبران ادارہ جات، لیڈران قوم گلگت۔ ہزارہ۔ کوہاٹ۔ بنوں۔ ہنگو۔ مغربی و مشرقی پاکستان کے نمائندوں نے اپنے مطالبات کے سلسلے میں اپنا کرتا دھرتا خطیب اعظم مولانا دہلوی صاحب قبلہ کو مقرر کر دیا ہے تو مہربانی کر کے اس سلسلہ میں کسی اور فرد سے بات نہ کی جائے۔ ورنہ قوم شیعہ اس کی ذمہ دار نہ ہوگی اس کی کلیتاً ذمہ داری خطیب اعظم پر ہے جن کی ذمہ داری پوری قوم کی ذمہ داری ہے۔ خدا کے لئے اس مرکز کو توڑنے کی کوئی بھی کوشش نہ کرے یہ ہم پر بڑا احسان ہوگا۔

* * *

نوابِ اربعہ حضرت حجت علیہ السلام

(از عالیجناب مولانا سید ناصر عباس صاحب قبلہ ممتاز الافاضل)

غیبت کے لغوی معنی دور ہونے اور پوشیدہ ہونے کے ہیں لیکن عام اصطلاح شرعی میں امام آخر الزمان حضرت محمد مہدی علیہ السلام کے عام نظروں سے پوشیدہ ہونے کو غیبت کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں غیبت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ غیبت صغریٰ ۲۔ غیبت کبریٰ

امام علیہ السلام کی غیبت صغریٰ کا زمانہ وہ ہے کہ جس دور میں آپ عام نظروں سے پوشیدہ رہے لیکن آپ کے چند مخصوص نائب ایسے تھے کہ جن کو ہر وقت امامؑ کی خدمت اقدس میں حضوری کا شرف حاصل رہتا تھا اور یہ حضرات مومنین کے مسائل بھی امامؑ کی خدمت مبارک میں لے جایا کرتے تھے اور وہاں سے جوابات لاکر دیا کرتے تھے یہ زمانہ سنہ ۲۶۰ھ سے شروع ہو کر سنہ ۳۲۹ھ پر ختم ہوتا ہے جس کی کل مدت انہتر ۶۹ برس ہوتی ہے۔ یہی انہتر برس کا وہ دور ہے کہ جس کو غیبت صغریٰ کہتے ہیں اس وقت حسب ذیل چار آپ کے نائب تھے جن کو نواب اربعہ کہا جاتا ہے ان کے سلسلہ وار ضروری حالات پیش خدمت ناظرین کرام ہیں۔

(اول)

زمانہ نیابت		مدفن	مدت نیابت کل	مقام ماموریت	مقام و تاریخ وفات
سنہ ۲۶۰ھ سے ۲۹۵ھ تک	عثمان بن سعید علیہ الرحمۃ	بغداد	۳۵ سال	بغداد	بغداد سنہ ۲۹۵ھ

آپ کا پیشہ تیل بیچنا تھا جو آپ نے مصلحت وقت کے لحاظ سے اختیار کر رکھا تھا۔ آپ کی نیابت کی سند کے لئے یہ واقعات کافی ہیں۔

احمد بن اسحاق قمی جو اعظم علمائے شیعہ سے تھے اور انہوں نے امام علی نقی امام حسن عسکری علیہما السلام کا زمانہ دیکھا ہے۔ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے میرے مولا و آقا میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے قاصر رہتا ہوں ایسی صورت میں کیا اچھا ہو کہ آپ کا امر ہم کو مسلسل پہنچتا رہے امامؑ نے فرمایا کہ عثمان ابن سعید میرے معتمد علیہ اور امین ہیں یہ جو کچھ تم کو پہنچائیں گے میرا ہی امر ہوگا۔

پھر احمدؒ کہتے ہیں امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت کے بعد میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی اپنی عدم حضوری کی مجبوری ظاہر کی تو ان حضرت نے بھی یہی فرمایا کہ عثمان بن سعید اسی طرح ہمارے ثقہ اور امین ہیں جس طرح ہمارے پدر بزرگوار کے تھے۔

علامہ مجلسیؒ نے بحار میں نقل کیا ہے کہ اہل یمن

کی ایک جماعت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں آئی اور کچھ مال حضرت کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اسی وقت امامؑ نے (یعنی اس جماعت کے روبرو) عثمان بن سعید سے فرمایا کہ تم ہمارے وکیل اور امین ہو لہٰذا اس مال کو اپنے پاس امانت رکھو۔ یہ سنکر اہل یمن نے کہا کہ یا حضرت آج تک تو ہم عثمان کو صرف آپ کا شیعہ ہی سمجھتے تھے مگر آج ہمکو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک یہ بڑے مرتبہ پر فائز ہیں۔ یہ سنکر امامؑ نے فرمایا کہ عثمان بن سعید میرا وکیل ہے اور اس کا بیٹا محمد بن عثمان میرے فرزند اور تمہارے بارہویں امام مہدیؑ کا وکیل ہوگا۔

عثمان بن سعید بڑے پایہ کے عالم اور معصومؑ کے معتمد علیہ تھے آخر یہ بزرگ ہستی سنہ ۲۹۵ھ میں خدا کو پیاری ہوئی۔

(دوم)

زمانہ نیابت	محمد ابن عثمانؓ	مقام و تاریخ وفات
سنہ ۲۹۵ھ سے	مدت نیابت	بغداد سنہ ۳۰۵ھ
سنہ ۳۰۵ھ تک	۱۰ سال	
کچھ مدت	مدفن بغداد	

عثمان بن سعیدؓ حضرت حجتؑ کے بھی نائب تھے ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے کی وکالت کی سند ایک تو امام حسن عسکریؑ سے ذکر ہو چکی ہے۔ دوسری سند یہ ہے جو محمد بن عثمان کو حضرت حجتؑ کی طرف سے حاصل ہوئی تھی اور جس کو جناب صدوقؒ نے نقل کیا ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ تَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ وَ رِضًا بِقَضَائِہٖ وَ بِفِعْلِہٖ عَاشَ اَبُوْکَ سَعِیْدًا وَ مَاتَ حَمِیْدًا فَرَحِمَہُ اللّٰہُ وَ اَلْحَقَہٗ بِاَوْلِیَائِہٖ وَ مَوَالِیْہِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ فَلَمْ یَزَلْ فِیْ اَمْرِہِمْ سَاعِیًا فِیْمَا یُقَرِّبُہٗ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ اِلَیْہِمْ نَضَّرَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ وَ اَقَالَ عَثْرَتَہٗ وَ اَجْزَلَ اللّٰہُ لَکَ الثَّوَابَ وَ اَحْسَنَ لَکَ الْعَزَاءَ رُزِئْتَ وَ رُزِئْنَا وَ اَوْحَشَکَ فِرَاقُہٗ وَ اَوْحَشَنَا فَسَرَّہُ اللّٰہُ فِیْ مُنْقَلَبِہٖ وَ کَانَ مِنْ کَمَالِ سَعَادَتِہٖ اَنْ رَزَقَہُ اللّٰہُ وَلَدًا مِثْلَکَ یَخْلُفُہٗ مِنْ بَعْدِہٖ وَ یَقُوْمُ مَقَامَہٗ بِاَمْرِہٖ وَ یَتَرَحَّمُ عَلَیْہِ وَ اَقُوْلُ الْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاِنَّ الْاَنْفُسَ طَیِّبَۃٌ بِمَکَانِکَ وَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ فِیْکَ وَ عِنْدَکَ اَعَانَکَ وَ قَوَّاکَ وَ عَضَدَکَ وَ وَفَّقَکَ وَ کَانَ لَکَ وَلِیًّا وَ حَافِظًا وَ رَاعِیًا۔

ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے خدا کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں ہم قضا و قدر الٰہی اور اس کے فعل پر راضی ہیں تمہارے باپ کی زندگی سعید اور موت بڑی قابل تعریف ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنا رحم کرے اور اس کو اس کے اولیاء اور سرداروں کے ساتھ ملحق کرے جن پر خدا کا سلام ہو۔ (عثمان) ہمیشہ ائمہ ہدیٰؑ کے حکم کو پہنچانے میں کوشاں تھے اور تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے، خداوند عالم ان کو سرخرو رکھے اور ان کی بھول چوک کو معاف کرے خدائے تعالیٰ نے تم کو اجر جزیل اور صبر جمیل عطا کرے۔ یہ ایک مصیبت ہے جو تمہارے لئے بھی ہے اور ہمارے لئے بھی اس کی (عثمان) جدائی نے تم کو غم پہنچایا ہے اور ہم بھی اس کے فراق سے غمگین ہیں خداوند رحیم و کریم اس کو آخرت میں خوش و مسرور کرے۔ اس کی (عثمان) سعادتمندی اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی کہ خداوند جلیل نے تم جیسا بیٹا دیا جو بالکل اس کا قائم مقام اور خدا کے

امر کا اسی طرح جانشین ہے جیسے (عثمان) تھا اللہ اس کے اوپر اپنی رحمتوں کے بادل برسائے۔

اور میں کہتا ہوں کہ میں حمد خدا کرتا ہوں کہ تمہاری منزلت و قدر سے نیکوکار شیعوں کے قلب مسرور ہوئے۔ اس چیز کے ذریعے سے کہ جو کچھ خدا نے تم میں اور تمہارے قریب نیں قرار دیا ہے۔

خدا نے تمہاری مدد فرمائی تم کو قوت دی اور تم کو محکم فرمایا نیز توفیق عطا فرمائی اور تمہارا نگہبان و محافظ تو ہوا۔

ام کلثوم دختر محمد بن عثمان بیان کرتی ہیں کہ محمد بن عثمان نے چند کتب فقہیہ بھی تالیف کی تھیں کہ جن کو امام حسن عسکریؑ۔ حضرت حجتؑ اور اپنے والد سے اخذ کیا تھا جن کو وقت وفات اپنے بعد والے نائب امام جناب حسین بن روحؒ کے سپرد کر دیا تھا۔

جناب صدوقؒ نے اپنی جناب محمد سے یہ مشہور حدیث نقل کی ہے کہ حضرت حجتؑ ہر سال زمانہ حج میں حج پر تشریف لاتے ہیں تمام حجاج کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں اور دوسرے حجاج بھی امام کو دیکھتے ہیں مگر پہچانتے نہیں۔

(۳) سوم

حسین بن روح

زمانۂ نیابت	مدت نیابت	مقام و تاریخ وفات
۳۰۵ھ سے	۲۱ سال	بغداد ۳۲۶ھ
۳۲۶ھ تک		مدفن - بغداد

روایت معتبرہ سے ثابت ہے کہ محمد بن عثمان نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اعاظم و اعیان شیعہ کو جمع کر کے کہا کہ میری موت کے بعد امر وکالت و نیابت امامؑ ابو القاسم حسین بن روح سے متعلق ہوگا۔

پس کہ جناب محمد نے کہا کہ ابو القاسم حسین بن روح میرے قائم مقام ہیں۔

یہی تمہارے اور امام عصرؑ کے درمیان واسطہ ہوں گے اس لئے کہ حسین بن روحؒ آنحضرتؑ کے وکیل و امین ہیں پس اے گروہ مومنین اپنے امور میں ان ہی کی طرف رجوع کرنا۔ میں اس بات پر مامور کیا گیا ہوں کہ ان کی تقرری و کالت تم تک پہنچا دوں۔ بعینہ یہی روایت بحار میں لکھی ہے حضرت حجتؑ کی طرف سے جو آپ کو سند حاصل ہوئی ہے وہ یہ ہے جو مشہور و معتبر ہے۔

نَعْرِفُهُ عَرَّفَهُ اللّٰهُ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَرِضْوَانَهُ وَاَسْعَدَهُ بِالتَّوْفِيْقِ وَقَفْنَا عَلٰى كِتَابِهِ وَوَثِقْنَا بِمَا هُوَ عَلَيْهِ وَاِنَّهُ عِنْدَنَا بِالْمَنْزِلَةِ وَالْمَحَلِّ الَّذِيْنَ يُسِرَّانِهٖ تَمَّادَ اللّٰهُ فِيْ اِحْسَانِهٖ اِلَيْهِ اِنَّهٗ وَلِيٌّ قَدِيْرٌ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا۔

ہم پہچانتے ہیں اس کو یعنی حسین بن روح کو۔ اور خدا نے ان کو اپنی رضا اور تمام طریق خیر سے پہنچوایا۔ اور اپنی توفیق سے مدد کی۔ ہم اس کے مکتوب پر مطلع ہوئے۔ اور اس کی امانت و دیانت پر وثوق و اعتماد رکھتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک اس کی منزلت و مکان ایسا بلند ہے کہ وہ منزلت و مرتبہ اس کو مسرور کرتا ہے۔ خداوند عالم اس کے بارے میں اپنے احسان کو زیادہ فرمائے۔ وہی تمام نعمتوں کا والی ہے۔ اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور تعریف صرف خدا کو سزاوار ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور بعینہ صلوات و سلام جناب محمد و آل محمد پر ہے۔

آپ کے حالات میں یہ بات خصوصیت سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آپ کا طرز زندگی ایسا پیارا تھا کہ تمام اہل اسلام آپ کو اپنا معتبر اور امین سمجھتے تھے کہ مذاہب

اور لغو میں سے ہر ایک آپ کو اپنے مذہب کا سمجھتا تھا یہی نہیں بلکہ ہر ایک آپ کی شرکت اپنے مذہب کے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔ آخر یہ بزرگ بھی ۳۲۶ھ میں خدا کو پیارے ہوئے۔

یہی حسین بن روح وہ بزرگ نائب امامؑ ہیں کہ جن کے ذریعے سے ہر سال ۱۵ شعبان المعظم کے عریضے امامؑ کی خدمت اقدس میں پہنچتے ہیں۔

(چہارم)

زمانۂ نیابت	علی بن محمد سمری	مقام و تاریخ وفات
۳۲۶ھ سے	مدت نیابت	بغداد ۱۵ شعبان
۳۲۹ھ تک	۳ سال	۳۲۹ھ

جناب حسین بن روح کے بعد ابو الحسن علی بن محمد سمری وکیل و نائب صاحب العصرؑ قرار پائے۔ یہ بزرگوار پورے ۳ سال تک اس امر اہم کا حق ادا کرنے کے بعد خدا کی بارگاہ میں پہونچے۔ اُن کے سال وفات کو تناثر النجوم کہا جاتا ہے اس لئے کہ آپ کی وفات کے سال بڑے بڑے علماء، فضلا اور اعیان شیعہ کا انتقال ہوا اور آسمان سے ستارے بھی ٹوٹے تھے۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام میں لوگوں نے خواہش اور طلب ظاہر کی کہ اپنا نائب مقرر کریں اس پر آپ نے کہا کہ خدا کا ایک امر ہے جو بالغ ہے۔ میں مامور نہیں ہوں کہ کسی کو مقرر کروں۔

ابو محمد حسن بن مکتب کہتے ہیں کہ میں بغداد میں محمد سمری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ وہ ایک توقیع امامؑ نکال کر لوگوں کو دکھلا رہے ہیں جس کے الفاظ یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا علی بن محمد السمری اعظم اللہ اجر اخوانک فیک فانک میت ما بینک و بین ستۃ ایام فاجمع امرک ولا توص الی احد فیقوم مقامک بعد وفاتک فقد وقعت الغیبۃ التامۃ فلا ظہور الا بعد اذن اللہ تعالیٰ ذکرہ و ذلک بعد طول الامد و قسوۃ القلوب و امتلاء الارض جوراً و سیاتی من شیعتی من یدعی المشاہدۃ الا فمن ادعی المشاہدۃ قبل خروج السفیانی و الصیحۃ فہو کذاب مفتر و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

یعنی اے علی ابن محمد سمری تیرے دینی بھائیوں کو تیری مصیبت میں اجر عظیم عطا کرے کیونکہ چھ روز کے اندر اندر تمہارا انتقال ہو جانے کا ہے لہٰذا تم خدا کے پاس جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب تم نے قائم مقام کے لئے کسی کو وصیت مت کرنا۔ کیونکہ اب (بحکم خدا) غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہو گیا ہے۔ اب میں ظاہر نہیں ہوں گا مگر اس وقت جب حکم خدا ہوگا۔ جبکہ لوگ قسی القلب اور ظالم و جابر ہو جائیں گے۔ کل روئے زمین ظلم و جور سے پر ہو جائے گی۔ عنقریب بعض ہمارے شیعہ ہمارے مشاہدے کا دعویٰ کریں گے۔ آگاہ رہو کہ جو شخص بھی خروج سفیانی اور صیحۂ آسمانی سے پہلے ہمارے مشاہدہ کا مدعی ہو وہ کاذب و مفتری ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

علی بن محمد سمری نے ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ میں بمقام بغداد وفات پائی اس طرح امامؑ کی غیبت صغریٰ اور نیابت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہ مدت کل تقریباً ۶۹ سال ہوتی ہے۔

اس زمانۂ غیبت کبریٰ میں امامؑ نے علماء کرام کی طرف رجوع کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے جیسا کہ اس توقیع مبارک سے ثابت ہے جس کو حضرت حجتؑ نے اسحاق

بن یعقوب کو جو علمائے کبار سے جلیل القدر عالم ہیں نے مسائل کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَاَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ فَارْجِعُوا فِيهَا اِلٰى رُوَاةِ حَدِيثِنَا فَاِنَّهُمْ حُجَّتِي عَلَيْكُمْ وَاَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ۔

یعنی زمانہ غیبت کبریٰ میں جو حوادث و مسائل تم کو درپیش ہوں ان کے حل کرنے کے لئے تم ان علماء کی طرف رجوع کرو جو ہماری حدیثیں بیان کرتے ہیں یہ علماء تم پر ہماری حجت ہیں اور ہم ان پر اللہ کی حجت ہیں۔

اللہم عجل ظہورہٗ

خلاصہ سنین نیابت

زمانۂ وکالت اول ۔ ۳۵ سال (۱) عثمان بن محمدؒ
سنہ ۲۶۰-۲۹۵ ۳۵ سال مدت نیابت۔

" " " دوئم ۱۰ سال (۲) محمد بن عثمانؒ
سنہ ۲۹۵-۳۰۵ ۱۰ سال مدت نیابت

" " " سوئم ۲۱ " (۳) حسین روحؒ
سنہ ۳۰۵-۳۲۶ ۲۱ سال مدت نیابت

" " " چہارم ۳ (۴) علی بن محمد سمری
سنہ ۳۲۶-۳۲۹ ۳ سال "

کل مدت ۶۹ سال ۶۹ سال

مضامین صاف اور خوشخط لکھیں

بقیہ :- از محمدؐ تا محمدؐ

حلم و سخاوت کے دودھ سے سیرابی حاصل کر کے امین و صادق کا آفتاب بن کر فلک عرب پر ایسا چمکا کہ جس کی شعاعوں سے کائنات میں انقلاب پیدا ہو گیا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

مثلاً آپؐ نے کمالات کو ذاتی طور سے دنیا کے سامنے پیش کر کے پھر اپنے شرف کے نمونے دنیا کے سامنے رکھے کہ آؤ میرے فضائل و کمالات کو اب دیکھو علی کو دیکھو حسن و حسین کو جانچو علی ایسا مخبر محمد کہ بستر پر سو کر چادر اوڑھ لے تو پہلو بہ پہلو سے ملا ہوا کروٹ کروٹ سے متصل اور جب حسن و حسین کی باری آئے تو خدا ان کو میرے ابنائنا میں شامل کر کے اتحاد و کمال کی سند دیتا ہے پھر زین العابدین ایسے عابد پھر باقر علوم اولین و آخرین حضرت محمد باقر پھر صادق آل محمد جعفر صادق پھر جواد اہل زمانہ موسیٰ کاظم پھر رضائے الٰہی کا مالک علی رضا پھر محمد تقی پھر علی نقی پھر حسن عسکری اور پھر اسی آن بان اور شان و شوکت کے ساتھ محمد مہدی جو کمال اول تھا وہی کمال آخر جو نور اول تھا وہی نور آخر جو شرف اول تھا وہی شرف آخر اسی لئے تو خود فرما دیا تھا کہ اولنا محمد و اوسطنا محمد و آخرنا محمد و کلنا محمد۔ ہمارا اول بھی محمد ہے اوسط بھی محمد ہے آخر بھی محمد ہے اور ہم کل کے کل محمد ہی محمد ہیں۔ اول محمد سے اس کائنات کی ابتدا ہوئی اب آخر محمد پر تو بس قیامت ہی ہے۔ اللہم عجل ظہورہٗ وسہل مخرجہٗ واجعلنا من اعوانہ وانصارہ بحق محمد و آلہ الطاہرین ۔

خاص المعرفت کیلئے

قصیدہ فریدہ

بمدح حضرت ولی عصر امام زماں مہدی دوران علیہ السلام

از عالیجناب سیادت مآب سید حشمت حسین صاحب حشمت
منشی فاضل نارنولی حنفی

تعالیٰ اللہ کیا جشنِ مسرت ہے طرب آرا
مسرت خیز، نکہت بیز، راحت ریز جاں افزا

بہاروں کا ترانہ گا رہے ہیں سب چمن والے
چنبیلی، موتیا، نرگس، گل لالہ، جوہی، چنپا

یہ کس مہدیٔ دیں کی دہر والو آمد آمد ہے
چمن دلکش، فضا رنگیں، ہوا مہکی، اگا سبزہ

ظہورِ ذاتِ اقدس کی زمانے کو تمنا ہے
سماں جالب، مکاں طالب، جہاں عاشق، زماں شیدا

اگر عکسِ جمالِ پاک کا پرتو نظر آئے
خطا اجڑے، عطا امڈے، سخا پھوٹے، کرم آسا

امامِ دیں، بشر والا، حسب اعلیٰ، نسب بالا
پدر یکتا علی دادا محمدؐ مورث اعلیٰ

فروغ اسلام کو جس سے ملے اس نام کے صدقے
وہی مہدی، وہی ہادی، وہی موسیٰ وہی عیسیٰ

اگر خاتمِ امت کے تو ہیں حاتم سخاوت کے
کرامت رو، عنایت خو ولایت بُو دُرِ یکتا
اگر ابرو ہیں محرابِ حرم عارض کلامِ حق!
ملاحت کانِ حق بینی سراپا نور کا پتلا
بہارِ عسکری شانِ حسن آنِ حسینی وہ!
ولی ذیشاں، علی برہاں، نبی کی جاں خدا شیدا
اِن ہی کے ہاں اِن ہی کے جدِّ امجد کو کہا حق نے
کہیں حامد، کہیں احمد، کہیں یٰسین کہیں طٰہٰ
وہ حق کی حجتِ کبریٰ وہ حق کی آیتِ عظمیٰ
کلام اللہ میں حق نے پکارا اِن کو فی القربیٰ
مبارک گلِ مجلّٰی دل ولی کامل وحی ساغل
سعید و اسعد و مسعود تابل متّقی یکتا
مکرم محترم اعظم معظّم محتشم ہمدم
وہی والی وہی مونس وہی ملجا وہی ماوا

سخی گسترِ عطا پرور ادا کو شرف نا پیکر
بشر صورت قمر طلعت نظر رحمت کرم پیشہ
مقدس، مقتدر، مطلوب محبوبِ دو عالم وہ
مزیّن مفتخر موعودِ مہدی مدعا منشا
مدبّر، منتظم، منصف، مجاہد، معتبر، ماہر
مصدق مہتدی مہ مہر مکی، منتہٰے ملجا
صبیح و صورتِ صانع و صالح صابر و صفدر
شکیل و شاکر و شاہ و شہنشاہ و شاہدِ رعنا
نوید و ناظم و ناصح نہفتہ نُورِ نو نیّر
بشیر و باخدا و بامُراد و بے ریا بندہ
جہاں حشمت سے ہوا غمگیں ہوئیں خود مشکلیں آساں
مدد کو آ گئے چودہ بہشتہ پنجتن بارہ

سیّد واصف حسین نقوی سکریٹری انجمن حسینیہ بال - ضلع جہلم

ملیکہ خاتون (سلام اللہ علیہا)

مشرق ہو یا مغرب - شمال ہو یا جنوب دنیا میں جہاں تک انسانی آبادی ہے - چاہے وہ کسی مذہب سے بھی تعلق رکھے - ہندو ہو یا بدھ - چینی ہو یا قبطی - یا زرتشتی مسلمان ہو یا یہودی یا عیسائی ان میں سے ہر ایک آنے والے کا منتظر ہے -

ہندومت جو دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ اسی مذہب نے سب سے پہلے دنیا کو تہذیب کا سبق دیا - اُن کا یہ دھرم ہے - کہ آخر وقت ایک وتار آئے گا - جو چہار دانگ عالم میں ایک مذہبی حکومت قائم کرکے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیگا چین مت کے پیرو کار مہا آنندی کی آمد کے منتظر ہیں - جو دنیا کو امن و سلامتی کی دولت عطا کرے گا - گوتم بدھ کے ماننے والے یہ لو لگائے بیٹھے ہیں - کہ آنے والا آئیگا اور دنیا سے فسق و فجور ظلم و استبداد کو ختم کرے گا -

صحف انبیائے ماسلف پکار پکار کر کہہ رہے ہیں دنیا والو منتظر رہو - تمہارے روحانی دُکھ درد کا علاج کرنے والا - زمین پر حکومت الٰہیہ قائم کرکے دنیا کو عدل و انصاف امن و سلامتی کا سبق دینے والا ظلم و جور فسق و فجور کو ختم کرنے والا آئے گا - اور ضرور آئیگا -

الغرض دنیا کا ہر فرد بشر خواہ وہ سامی مذاہب کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو یا غیر سامی سے ایک آنے والا کا ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر منتظر ہے کوئی اُس کو داد گر کہتا ہے - کوئی مہا گوتم اور مہا آنندی کا نام دیتا ہے - کوئی اس کو تلاش حقیقت میں کنارِ نیل کی دلدلوں میں غائب ہونے والا اوسیرس بتاتا ہے - کسی کے نزدیک وہ فارقلیط ہے - اور اہل اسلام اُس کو مہدی کے نام سے یاد کرتے ہیں - کیونکہ آنے والے کے متعلق جتنی پیش گوئیاں سرکار رسالت حضور محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا کی زبان فیض ترجمان پر آئیں - ان میں آنے والے کا نام مہدی ہی بتایا گیا ہے چنانچہ ترمذی اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں ایک حدیث مرقوم ہے - جس کو ابن عباس نے روایت کیا ہے - حضور ختمی مرتبت ارشاد فرماتے ہیں -

"انا سیّد النبیین و علی سیّد
الوصیین و ان اوصیائی بعدی
اثنا عشر اولھم علی و آخر
ھم المھدی ۔"

میں انبیاء کا سردار ہوں اور علیؑ اوصیا کے میرے بعد میرے قائم مقام بارہ ہونگے - جن کے اول علیؑ ہونگے - اور آخری مہدیؑ -

غرضیکہ اس موضوع پر سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان مبارک سے اتنی کثرت سے

احادیث وارد ہوئی ہیں۔ کہ اُن سے اہل اسلام کی کتب
احادیث معمور ہیں۔ چونکہ ان پیشین گوئیوں میں آنے والے
کا نام مہدی ہی بتایا گیا ہے۔ لہذا آمدِ مہدی کا اقرار بھی
ضروریاتِ اسلام میں داخل ہو گیا۔ خصوصاً پیروانِ مذہب
اہل بیت کا تو آپ کی امامت کو تسلیم کرنا اور ان کے وجودِ
ذی جود کو عالم غیب میں موجود ماننا جزوِ ایمان ہو گیا ہے۔

سرکار رسالتؐ کے بعد ہمارے تمام آئمہ معصومینؑ
نے یکے بعد دیگرے وجودِ مہدی اور آپ کی غیبت کے متعلق
پیشین گوئیاں بیان فرمائی ہیں۔ علمائے اہل بیت سے
شیخ صدوق قمی نے سرکار ولایت حضرت علی ابن ابی
طالب علیہ السلام کی ایک پیشین گوئی اپنی کتاب "کمال
الدین" میں یوں نقل کی ہے کہ میرے فرزند حسینؑ کی نسل
سے نواں وہ ہو گا جو حق کے ساتھ قائم ہو گا۔ دین کا ظاہر
کرنے والا اور عدل و انصاف کا پھیلانے والا ہو گا۔ شیخ
قمی کی اسی کتاب میں ایک اور پیشین گوئی سرکار شبر قبا
حضرت امام حسن المجتبیٰؑ سے ہے۔ ہمارے دوسرے
امام فرماتے ہیں۔ کہ میرے بھائی حسینؑ کی نسل سے نواں
وہ جب پیدا ہو کر عالم غیب میں جائے گا۔ تو خداوند
عالم اس کی عمر کو طول دے گا۔ اور جب وقت آئے گا۔
تو اس کو اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر کر دے گا۔ ایسی
ہی پیشین گوئیاں باقی آئمہ طاہرین سے بھی کتابوں میں ملتی
ہیں۔

چنانچہ یہ دین کامل و اکمل کے ظاہر کرنے والا حجت
خدا۔ نویدِ محمد مصطفیٰ۔ نورِ دیدہ علی مرتضیٰ۔ فرزند سید
الشہداء قائم آل محمدؐ یعنی امام محمد مہدی آخر الزماں پندرہ
شعبان المعظم ۲۵۵ھ بوقت صبح شہر سامرہ کے محلہ عسکریین
پیدا ہوئے۔ جہاں کہ آپ کے والد گرامی حضرت امام حسن
عسکری علیہ السلام مقیم تھے۔ اور آپ کی والدہ معظمہ کا اسم
گرامی ملیکہ خاتون ہے۔ جن کو ریحانہ سوسن یا نرجس خاتون
بھی کہا جاتا ہے۔ یہ معظمہ قیصر روم کی پوتی تھیں۔ آپ کا امام
حسن عسکری علیہ السلام سے روحانی عقد کا ایک مشہور واقعہ
جس کو اکثر علمائے اہل بیت نے اپنی کتابوں میں درج کیا
ہے۔ یوں ہے کہ۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے ایک روز اپنے
ہمسایہ بشیر ابن سلیمان بردہ فروش کو اپنے خادم کافور
کے ذریعہ بلایا۔ اور فرمایا۔ اے بشیر تم اولاد انصار سے ہو۔
تمہارے آباو اجداد نے خاندانِ رسالتؐ کو ہمیشہ دوست
رکھا۔ اور ہر مشکل وقت میں اہل بیت کا ساتھ دیا۔ اور
مدد کی ہے۔

بشیر:۔ میری جان آپ پر نثار آپ نے صحیح فرمایا ہے
میں بھی مثل اپنے آباؤ اجداد کے آپ کے ہر حکم کی تعمیل
اپنا فرض ایمانی سمجھتا ہوں۔

امام علیہ السلام:۔ میں کنیز کی خریداری کے لئے
تمکو بغداد بھیجنا چاہتا ہوں۔

بشیر:۔ جیسے امام مناسب سمجھیں میں حاضر ہوں
شوق سے ارشاد فرمائیں۔

بشیر کے جواب سے مطمئن ہو کر امام علیہ السلام نے رومی
زبان میں ایک خط لکھا اور اپنی مہر ثبت کر کے ایک سو بیس ۱۲۰
دینار کی ایک تھیلی کے ساتھ بشیر کو دے کر فرمایا۔

امام علیہ السلام:۔ یہ خط اور تھیلی لے کر تم بغداد
جاؤ۔ علی الصبح فرات کے گھاٹ پر جانا۔ وہاں تمہیں کچھ کشتیاں
گھاٹ کی طرف آتی ہوئی دکھائی دیں گی۔ جن میں کچھ کنیزیں
ہوں گی۔ کشتیاں کنارے پر آئیں گی۔ اور وہ کنیزیں اُن
سے اُتار لی جائیں گی۔ تو تم ان میں ایک کنیز پاکیزہ صورت

پاکیزہ لباس پہنے دیکھو گے اور اس کی زبان رومی ہوگی۔ خریدار کنیزوں کو خریدنے کے لئے جانچنا شروع کر دیں گے۔ لیکن وہ کنیز کسی خریدار کا ہاتھ اپنے جسم سے مس نہ ہونے دے گی۔ اس کی پاک دامنی کو دیکھتے ہوئے ایک خریدار اس کو تین سو دینار سے خریدنا چاہیگا۔ لیکن وہ اس کے ہاتھ بکنے پر راضی نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ عمر بن یزید جس کی تحویل میں وہ ہوگی۔ اس پر ناراض بھی ہوگا۔ مگر وہ کسی صورت میں بھی رضامند نہیں ہوگی۔ اُسوقت تم عمر بن یزید سے اس کی خریداری کا خواہش کرنا۔ اور خریداری سے قبل میرا یہ خط اس کو دے دینا۔ خط کو پڑھنے کے بعد وہ راضی ہوجائے گی۔ اور تم اسکو اسی قیمت پر جو میں نے تم کو دی ہے خرید لینا۔

بشیر:- میں آپ کے مقصد کو سمجھ گیا انشاءاللہ حسب الحکم تعمیل کروں گا۔

چنانچہ بشیر وہ سربمہر خط اور تھیلی لے کر بغداد روانہ ہوگیا۔ علی الصبح حسب الارشاد امام نہر فرات کے گھاٹ پر پہنچا۔ تو من و عن تمام واقعات اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جیسا کہ امام نے بیان فرمائے تھے۔ آخر جب وہ کنیز کسی خریدار کے ہاتھ بکنے کو تیار نہ ہوئی تو بشیر نے عمر بن یزید سے اس کی خریداری کی خواہش کی۔ لیکن خریداری سے پہلے ایک خط اس کو دینے کی شرط کرلی۔ عمر نے اس شرط کو تسلیم کرلیا۔ اور بشیر نے وہ خط اس کنیز کے حوالے کردیا۔ چنانچہ خط کو بغور پڑھنے کے بعد اس نے اپنی فروخت کی رضامندی ظاہر کردی۔ تو بشیر نے حسب خواہش امام [illegible] دینار پر خرید لیا۔ اور اسے ساتھ لے کر اپنی قیام گاہ پر آگیا۔ [illegible]

ایک صاف ستھرے کمرے میں اس کو اتارا۔ آرام سے بیٹھتے ہی اس کنیز نے وہ خط نکال کر آنکھوں سے لگایا بوسہ دیا اور دوبارہ پڑھا۔ بشیر یہ دیکھ کر متعجب ہوا۔ کہ جب یہ لکھنے والے کے نام و مقام عزت و شرف سے ہی ناواقف ہے۔ تو پھر اس خط کی اتنی تعظیم کیوں کر رہی ہے؟ چنانچہ بشیر رفع استعجاب کے لئے پوچھ ہی بیٹھا۔

بشیر:- تم اس خط کے کاتب کے نام اور اُن کی فضیلت سے ناواقف ہوتے ہوئے اس کی اتنی تعظیم و تکریم کیوں کر رہی ہو۔

کنیز:- واقعی تمہارے خیال میں یہ خط لکھنے والے اور اس کے مقام اور اُس کی عزت و فضیلت سے ناواقف محض ہوں۔ لیکن پھر بھی اس کی تعظیم کرنے کی وجہ ایک داستانِ عجیب ہے جو صرف میری ذات سے متعلق ہے۔

بشیر:- کیا میں وہ داستان سن سکتا ہوں۔

کنیز:- کیوں نہیں۔ اگر تم اس قدر مشتاق ہو تو مجھے اس کے بیان کرنے میں کچھ عذر نہیں۔

بشیر:- میں بھی اس کے سننے کے لئے بہت آرزومند ہوں۔

کنیز:- تو سنو میں قیصر روم کی پوتی ہوں۔ میرا نام ملیکہ ہے۔ میری ماں شمعون الصفا وصی جناب عیسیٰ علیہ السلام کی اولاد سے ہے اور میرے باپ کا نام یشوعا ہے۔ تھوڑا عرصہ گذرا میرے دادا نے میری شادی کا ارادہ کیا۔ اس خوشی میں تمام شہر کو سجایا گیا۔ اور چراغاں کیا گیا۔ دربار کو بھی دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کیا گیا۔ جگہ جگہ صلیبیں اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کی تصویریں آویزاں کی گئیں۔ دربار میں ایک مرصع تخت بچھایا گیا۔ جس پر مجھ سے منسوب شہزادہ کو بٹھایا گیا۔ تمام اراکین دربار اور پادری حاضر تھے۔ سب سے بڑا پادری ہاتھ میں انجیل لئے دعائیں پڑھنے کے لئے تیار تھا۔ تاکہ ہم پر آسمانی برکتیں نازل ہوں۔ عین اسی وقت ایک جھٹکے سے شہزادہ تخت سے گر پڑا اور بے ہوش ہوگیا۔ تمام قندیلیں

بجھ گئیں شہر کی روشنیاں گل ہو گئیں۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا تمام صلیبیں اور حضرت عیسٰی کی تصویریں زمین پر آ گریں تمام درباری حیران و پریشان اور پادری مبہوت ہو گیا ہر جانب خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ محفل نشاط مجلس غم میں تبدیل ہو گئی۔ میرا دادا دربار سے اٹھ کر محل میں چلا گیا۔ اور بڑے پادری کو بلا کر اس حادثہ عجیبہ کے ظہور میں آنے کی وجہ دریافت کی لیکن وہ کچھ نہ بتا سکا صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا کہ یہ عقد خدا و عیسیٰ مسیح کے منشا کے خلاف ہے۔

دوسرے روز میرے دادا نے شہر کو سجانے اور چراغاں کرنے کا حکم دیا۔ دربار کو بھی بار دیگر آراستہ کیا گیا۔ لیکن اب کے پہلے شہزادے کی جگہ اس کے دوسرے بھائی کو بٹھایا گیا مگر عین رسم نکاح کی ادائیگی کے وقت پھر وہی واقعہ پیش آیا۔ اب تو تمام لوگ اور زیادہ حیران ہوئے۔ پادریوں پر تو سکتہ کا عالم طاری ہو گیا شہر میں جا بجا اس حادثہ پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں اصل سبب نہ کسی کو معلوم تھا اور نہ کوئی معلوم کر سکا۔ میرا دادا غمگین حالت میں اٹھ کر محل میں چلا گیا اور ایک ہفتے تک محل سے باہر نہ آیا۔

اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی منبر دربار کے عین وسط میں جہاں کہ وہ مرصع تخت رکھا تھا بچھا ہے۔ جناب عیسیٰ اور ان کے حواریین وہاں موجود ہیں اسی اثنا میں کچھ اور لوگ آئے جن کے چہرے نورانی اور لباس پاکیزہ تھے۔ جناب عیسیٰ اور ان کے صحابہ ان کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے حالت خواب ہی میں کسی سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں جواب ملا کہ یہ سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اور ان کے ساتھ ان کے اوصیا ہیں۔ پیغمبر اسلام اسی منبر پر رونق افروز ہوئے اور جناب عیسیٰ کی طرف دیکھ کر ایک حسین و جمیل چہرے والے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے روح اللہ میں ملیکہ دختر شمعون الصفا کی اپنے اس فرزند کے لئے تم سے درخواست گواری کرتا ہوں۔ کیا تمہیں یہ منظور ہے۔

جناب مسیح شمعون سے مخاطب ہوئے اور فرمایا تم نے خاتم الانبیا کی خواہش کو سنا شمعون نے عرض کیا۔ میری اس دختر کی اس سے زیادہ کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ اس کا عقد سید المرسلین کے ایک فرزند سے ہو۔ یہ سنتے ہی پیغمبر آخر الزمان نے خطبہ پڑھا اور جناب عیسیٰ کی وکالت سے میرا عقد اسی جوان سے کر دیا۔ خواب سے بیدار ہونے کے بعد میں نے کسی سے اس خواب کا ذکر نہیں کیا مبادا ایسا کرنے سے مجھے کوئی نقصان پہنچے اسی روز سے میرے دل میں اس جوان کی محبت گھر کر گئی۔ اور یہ محبت وقت کے گزرنے کے ساتھ ترقی کر گئی حتی کہ خواب و خور و آرام و آسائش مجھ پر حرام ہو گئے اور میں دن بدن کمزور ہوتی گئی۔ آخر ایک روز میں نے مریم سلام اللہ علیہا کو دیکھا ان کے ساتھ ایک اور مخدرہ بھی تھیں جناب مریم نے مجھ سے فرمایا یہ تمہارے شوہر نامدار کی جدہ ماجدہ پیغمبر آخر الزماں کی دختر جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ میں ان کی تعظیم کے لئے اٹھی اور ان کے دامن کو بوسہ دیا اور شکایتی عرض کیا کہ آپ کے فرزند تو عقد کے بعد کبھی میرے دیکھنے میں نہیں آئے فرمایا بھلا وہ کیسے تمہارے پاس آ سکتا ہے کیونکہ تم حالت شرک میں ہو اور تمہارا یہ دین خود جناب عیسیٰ بن مریم کے نزدیک غلط ہے اگر تم چاہتی ہو کہ جناب عیسیٰ اور مریم تم سے خوش ہوں اور تمہارے شوہر کی تم سے ملاقات ہو تو تم دین اسلام کا اقرار کرو میں نے عرض کیا وہ کیسے فرمایا کہو، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ۔ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔

میرے منہ سے فوراً یہ کلمات اپنی زبان پر جاری ہو گئے۔ اس پر جناب سیدہ نے مجھے گلے سے لگا لیا۔ اور فرمایا اس کے بعد میرا فرزند روزانہ تمہارے پاس آیا کریگا۔

چنانچہ دوسری ہی رات میں نے اپنے شوہر عالی قدر کو خواب میں دیکھا۔ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا، آئندہ میں ہر روز اسی طرح تمہارے پاس آتا رہونگا تاوقتیکہ خداوند عالم مجھ سے تجھے ظاہری طور پر نہ ملائے اور اس کے بعد ہر روز میں ان کو خواب میں دیکھتی رہی۔ ایک روز میں نے عرض کیا۔ آخر کب تک ایسے ہی آپ کے آنے کا سلسلہ رہے گا۔ اور وہ وقت کب آئے گا۔ کہ میں عالم بیداری میں آپ کو دیکھ سکونگی۔ فرمایا، عنقریب تمہارے دادا کی فوجیں مسلمانوں کے مقابلہ پر روانہ ہوں گی۔ ان کے ساتھ تمہارے دادا بھی محاذ جنگ پر روانہ ہو جائیں گے۔ اور تم بھی بھیس بدل کر کنیزوں میں شامل ہو جانا۔ اسی ترکیب سے خدا نے چاہا تو تم مجھ سے آملوگی۔

آخر وہ دن آ ہی گیا جس کا مجھے انتظار تھا۔ میرا دادا اپنے لشکر کو لے کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوا۔ میں بھی کنیزوں کا بھیس بدل کر کنیزوں کے ایک گروہ میں شامل ہو گئی۔ راستہ میں ہمیں اسلامی فوج کا ایک دستہ ملا۔ انہوں نے ہم کو گرفتار کر لیا۔ اس دستہ میں بہت سے لوگ تھے جنہوں نے تمام کنیزوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ میں عمر بن یزید کے حصّہ میں آئی۔ جب اس نے میرا نام پوچھا۔ تو میں نے اپنے حسب و نسب اور اپنی ذات کو پوشیدہ رکھنے کے لئے اپنا نام ملیکہ بتایا۔ چنانچہ یہ لوگ ہمیں لے کر بغداد آگئے۔ آئندہ کے واقعات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم نے بچشم خود سب کچھ دیکھ ہی لیا ہے۔

اس معظمہ سے یہ حیرت انگیز واقعہ سن کر بشیر کے منہ سے فوراً ہی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

نکلا۔

دوسرے روز بشیر اس معظمہ کو ہمراہ لے کر امام زمانہ حضرت علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ اور ملیکہ خاتون کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

امام علیہ السّلام:- کہو تم نے دین اسلام کی عزّت و عظمت دیکھ لی۔

ملیکہ خاتون:- یا ابن رسول اللّٰہ بہت اچھی طرح جس سے حضور بھی ناواقف نہیں۔

امام علیہ السّلام:- اب میں تم کو ایسے فرزند کی بشارت دیتا ہوں۔ جو دنیا کو ظلم و استبداد کے شکنجے سے آزاد کرائیگا۔ اور اس کو عدل و انصاف امن و سلامتی سے بھر دے گا۔

ملیکہ خاتون:- کیا میں عرض کر سکتی ہوں کہ وہ فرزند کس سے ہوگا۔

امام علیہ السّلام:- اسی سے جس کے ساتھ روحانی طور پر تمہارا عقد ہو چکا ہے۔

ملیکہ خاتون:- الحمد للّٰہ۔ اس سے زیادہ میری اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

اگلا پرچہ

فروری میں شائع ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شبِ برات

از نتائج فکر جناب مولانا نذیر الحق صاحب میرٹھی خطیب جامع مسجد لیاقت میڈیکل کالج جامشورو

یہ ہم مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی اور محرومی ہے کہ ہم اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ایمان و اسلام کی توفیق بخشی ہدایت و سعادت کی راہ پر لگایا۔ اپنے پیارے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بنایا اور ہمیں خیرالامم کے معزز و مکرم لقب سے سرفراز و ممتاز کیا۔

الحمد للہ علیٰ ذالک

مگر یہ کس قدر افسوس و ندامت کا مقام ہے کہ ہم ایمانی اوصاف و خصائص اور اسلامی سیرت و کردار سے محروم اور دنیا میں اخلاقی و مادی اعتبار سے پست و ذلیل کمزور و ناتواں اور کفر و نفاق کی طاقتوں کے مقابلہ میں عاجز و درماندہ ہیں صرف اس لئے کہ ہم نام کے مسلمان بن کر رہ گئے ہیں۔ اسلام نے ہمیں جو خوبیاں، کمالات اور سرفرازیاں بخشی تھیں وہ سب ہم نے کھو دیں اور اپنے اندر وہ خرابیاں کمزوریاں اور گمراہیاں پیدا کر لیں جن کو اسلام مٹانا چاہتا ہے۔ اپنے اخلاق و اعمال کو اسلامی تعلیمات و ہدایات کی پیروی سے آزاد کر کے خواہشات نفسانی کی پیروی شروع کر دی دوسری گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی اپنی صورتیں بھی بگاڑ لیں اور اپنی سیرتیں بھی اور ایمان و عمل صالح کی روح سے محروم ہو گئے۔ خود ساختہ عقائد و اعمال اور فرقہ بندی کے ظرفوں میں ایمان و اسلام کی حقیقت گم کر بیٹھے۔ کہاں اسلام اور کہاں ہم مسلمان۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

سچے مومنوں کے اوصاف

اگر ہم قرآن مبین کی روشنی میں اپنے اخلاق و اعمال کو پرکھیں اور کبھی احتساب نفس کی توفیق نصیب ہو تو خود ہمارا نفس و ضمیر پکار اٹھے گا کہ بیشک ہمارے اخلاق و اعمال میں ایمان و اسلام کی حقیقت نہیں پائی جاتی ہم محض نام کے مسلمان ہیں۔

مثال کے طور پر میں قرآن پاک کی صرف ایک آیت کو پیش کرتا ہوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کو دعوت عبرت و نصیحت دیتا ہوں۔ سورۂ توبہ میں سچے مومنوں کے یہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

سچے مومن اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے جب کبھی ان سے خدا کی کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے اور وہ نفس و شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں تو فوراً بیدار و متنبہ ہو کر اپنے کئے پر نادم ہوتے۔ آہ و زاری کرتے اور توبہ کر کے اپنے دامن زندگی کو گناہ کی نجاست سے پاک کر لیتے ہیں وہ اپنی توبہ میں سچے اور پکے ہوتے ہیں ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ اپنی

غفلتوں اور لغزشوں سے نادم ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرگرم رہتے اُن کی ساری بندگیاں اور نیاز مندیاں صرف ایک اللہ کے لئے ہوتی ہیں اور وہ غیر اللہ کی اطاعت و بندگی کسی رنگ اور کسی حال میں بھی نہیں کرتے۔

وہ اپنے فکر و عمل یعنی قلب و زبان سے اللہ کی حمد و ستائش کرتے ہیں اس طرح کہ آسمان و زمین کی چیزوں میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، توحید و نبوت اور عالم آخرت کا علم و یقین اور تصور و اعتقاد حاصل کرتے ہیں مختلف اشیاء کائنات سے حدود شرعیہ میں رہ کر خود بھی استفادہ کرتے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ وہ راہِ حق میں سیر و سیاحت کرتے ہیں۔ اقوام و ممالک کے حالات و واقعات اور ان کی تہذیب و ترقی سے علم و حکمت کی باتیں حاصل کرتے اور عبرت و نصیحت پکڑتے ہیں قیام حق و عدل اور امن و سلامتی کی خاطر جدو جہد کرتے اور فلاح انسانیت کی تدبیریں سوچتے ہیں۔

وہ رکوع و سجود کی صرف ظاہری، رسمی اور شکلی پابندی نہیں کرتے بلکہ رکوع و سجود یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرمانبرداری کی دونوں حالتیں اپنے قلب و ذہن پر بھی طاری کرتے ہیں اور اُن کا ظاہر و باطن اسلامی تعلیمات کے سانچوں میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے۔

وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں صرف اپنے نفس کی اصلاح ہی کی کوشش نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی اصلاح کی فکر بھی کرتے ہیں۔ اس طرح دنیا میں حق و صداقت کا فروغ و غلبہ اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں

اور وہ تمام احکام الٰہی، حدود کی حفاظت کرتے ہیں خواہ وہ فرد کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں خواہ جماعت سے یعنی اسلام کی راہِ راست سے نہ خود بھٹکتے ہیں اور نہ دوسروں کو حتی الامکان بھٹکنے دیتے ہیں۔

یہ ہیں سچے مومنوں کے وہ سات اوصاف جو ان کی زندگی کی روح رواں اور اُن کا طرۂ امتیاز ہیں۔

یہ اوصاف کہاں ہیں؟

اگر ہم اپنے نفسوں کا احتساب کریں تو ہمارا ضمیر پکار کر کہہ اٹھے گا کہ ہماری زندگیاں ان اوصاف سے خالی ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کس بنا پر اپنے آپ کو مومن و مسلم اور دیندار سمجھے بیٹھے ہیں؟ کس دھوکے اور فریب میں مبتلا ہیں؟ اور کیوں ایمان و تقویٰ والی زندگی اختیار نہیں کرتے؟

بُرا ہو اس حب دنیا، خود غرضی، فرقہ بندی اور مذہبی رسوم کی پابندی کا جس نے ہمیں اسلامی سیرت و کردار سے محروم کر رکھا ہے اور ظلمات اوہام و ظنون ہمارے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں۔

عبادت و استغفار اور توبہ

ہماری غفلت و مدہوشی کی حد ہو گئی کہ قرآن و حدیث میں جگہ بہ جگہ ہمیں عبادت و استغفار اور توبہ کا حکم دیا گیا ہے مگر ہماری توجہ ان تینوں احکام کی حقیقت تک نہیں جاتی ہم نے عبادت، استغفار اور توبہ کے حقیقی مفہوم کو غارت کر کے حسب منشا اپنا مفہوم دے لیا ہے نتیجہ یہ کہ عبادت و استغفار اور توبہ کی حقیقت و اہمیت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی حالانکہ قرآن حکیم میں بار بار ہمیں ان کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ ہود میں ارشاد ہے۔

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ
وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم
مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بےشک میں تمہارے لئے اسی کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش کی دعا مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو وہ تمہیں اچھا فائدہ پہنچائے گا ایک وقت مقرر تک اور ہر فضل والے کو اس کے فضل کے مطابق اس کا اجر و مقام عطا کرے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝

اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اسی کی طرف توبہ کرو (یعنی گذشتہ گناہوں پر بخشش کی دعا مانگو اور آئندہ گناہوں سے بچنے کے لئے توبہ کرو گناہوں سے باز آجاؤ) وہ تم پر موسلا دھار بارش کرے گا (تمہیں معاشی فارغ البالی عطا کرے گا) اور تمہاری (مادی و روحانی) قوت میں اضافہ پہ اضافہ کرے گا اور مجرمانہ روگردانی نہ کرو۔

امت محمدی کو بھی بار بار یہی حکم دیا گیا ہے کہ احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرو احکام الٰہی کی نافرمانی سے باز آجاؤ گذشتہ گناہوں سے استغفار کرو اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی توبہ کرو۔

مگر آہ! ہم مسلمان کہاں سنتے ہیں دن و رات نافرمانیاں کر رہے ہیں گناہوں سے اپنے دلوں کو سیاہ کر رہے ہیں ہمارے معاشرہ میں بداعمالیوں اور جرائم کی جو کثرت ہے سب جانتے ہیں۔ گناہوں کی کثرت کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم دنیا بھر میں مادی و سیاسی اعتبار سے کمزور و ناتواں اور ذلیل و خوار ہیں اور اخلاقی اعتبار سے بدنام و رسوا ہیں یہ ہماری اپنی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی سزا ہے۔

استغفار و توبہ کی رات

دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو بیدار و متنبہ کرنے خدا فراموشی، خود فراموشی اور آخرت فراموشی کی غفلت پرستی اور گناہوں کی مدہوشی کی لعنتی زندگی سے ان کو نجات دلانے، توحید و خدا پرستی کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے اسلام سے بھاگے ہوئے مسلمانوں کو اسلام کی صراط مستقیم پر کھینچ لانے، ان کو فرش ذلت سے اٹھا کر عرش عزت پر بٹھانے پاکیزگی حیات کا نور دینے اور دنیوی ترقی اور اخروی فلاح کا مستحق بنانے کے لئے سال کے سال شعبان المعظم کی پندرھویں رات آتی ہے جو دنیائے اسلام میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی منادی کرتی اور مسلمانوں پر اس کی بخشش و عطا اور فضل و کرم کی بارش کرتی ہے۔

شعبان کے لفظ میں پانچ حروف ہیں شین، عین، با، الف اور نون۔ یہ مبارک مہینہ شین سے شرف اسلام اور شرف عبادت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔
عین علو رتبہ اور نیکی کی طرف اشارہ کرتا ہے
الف مسلمانوں کی باہمی الفت و محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور نون نور حیات کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی شعبان المعظم میں مسلمانوں کو بارگاہ خداوندی سے رحمت و بخشش کی نعمت عظمیٰ عطا ہوتی ہے۔

شب برات کیا ہے؟

توبہ و استغفار کی رات گناہوں سے پاکی کا اعلان اور دنیوی ذلت اور عذاب الٰہی سے نجات و رستگاری کا پروانہ۔ اس میں سچے مومنوں اور مسلمانوں کے ایمان و اخلاق پر بہار آتی ہے۔ نیکی کی روح بیدار ہوتی ہے بدی کی طاقت پر مردنی چھا جاتی ہے نفس امارہ و شیطان پر مومن کی طاقت ایمان کا لرزہ

طاری ہوتا ہے۔ نیکیوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں عبادت گذار بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔ گناہوں کا کفارہ کیا جاتا ہے اور متقین و محسنین نئی روحانی و اخلاقی طاقت حاصل کرتے ہیں۔

اس رات کی فضیلت و عظمت کا اندازہ اس حدیث پاک سے لگایئے جو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے مروی ہے۔

عن علی ابن ابی طالبؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ قال ینزل اللہ تعالیٰ فی لیلۃ النصف من شعبان الی سماء الدنیا فیغفر لکل مسلم الا لمشرک او مشاحن او قاطع رحم او امرأۃ تبغی فی فرجہا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو آسمان دنیا پر اپنی تجلی رحمت نازل کرتا ہے اور ہر مسلمان کو بخشش عطا کرتا ہے۔ مگر مشرک، کینہ رکھنے والے، صلہ رحمی کو قطع کرنے والے اور زنا کار عورت کی مغفرت نہیں کرتا۔ مگر یاد رہے وہ اسی مسلمان کو اپنی رحمت و مغفرت سے نوازتا ہے جو اس سے مغفرت چاہے گزشتہ گناہوں پر نادم ہو۔ اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا عزم صمیم کرے اور بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہو جائے۔

بد ترین گناہ کون سے ہیں

یہ رات مسلمانوں کو بیدار و متنبہ کرتی ہے کہ مسلمانو دیکھو تم خیر الامم ہو اخلاق و اعمال میں تمہیں دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ بہتر اور ممتاز دکھائی ہونا چاہیے اگر تم نے اپنی بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں سے توبہ نہ کی تو تمہارا یہ شرف و اعزاز خاک میں مل جائے گا اور تم دنیا میں ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے اس لئے گناہ

گناہ سے ایک سچے مسلمان کے لئے ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے بچنا لازم ہے۔ لیکن پھر بھی مسلمان انسان ہی رہتا ہے۔ فرشتہ نہیں بن سکتا۔ وہ خطاء و نسیان کا پتلا ہے اگر ایمان کی کمزوری اور ماحول کی خرابی سے گناہ ہو بھی جائے تو اس کا علاج توبہ و استغفار ہے جو ہر متقی سے متقی مسلمان کے لئے ایسی ہی لازمی عبادت ہے جیسے نماز و روزہ۔ ایک سچا مسلمان جتنا زیادہ گناہوں سے پاک ہوتا جائے اتنا ہی زیادہ توبہ و استغفار کرتا جائے۔

پھر بھی اگر غفلت و بدمستی باقی رہے تو اس کے لئے یہ شعبان کی پندرہویں شب ہے جو ہر مسلمان کے لئے پروانہ رحمت و مغفرت لیکر آتی ہے اور رجوع الی اللہ کی تمام راہیں کھول دیتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں اس حدیث پاک کی روشنی میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ بعض بد ترین قسم کے گناہ ایسے ہیں جو باقی تمام گناہوں سے زیادہ ظلم و فساد کی آگ لگاتے اور معاشرے کو تباہی و بربادی کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہ ہیں شرک، اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف ناحق بغض و عناد رکھنا، ان سے ہمدردی اور خیر خواہی اور امداد و اعانت کا رشتہ منقطع کر دینا، حقوق العباد کو ادا نہ کرنا اور زنا۔ یہ وہ چار گناہ ہیں جو اس رات میں بھی معاف نہیں ہوتے۔ جبکہ دریائے رحمت جوش میں ہوتا ہے اور گناہوں کے پہاڑ بہالے جاتا ہے لہٰذا اس رات میں ان گناہوں سے توبہ کرنے اور اپنی زندگی کو ان برائیوں سے پاک کرنے کا خاص فکر و اہتمام کرنا چاہیے۔

شب برات کی بخشش عام

ایک اور حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ صفحہ ۱۵۰ پر

قائم آل محمد کا ظہور کب ہوگا؟

از لسان الملت مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ رضوی

گناہوں کی فہرست اور ظلم و ستم کی جتنی صورتیں ہیں ان میں قتل کو بہت بڑی حیثیت حاصل ہے اور بیگناہ کا خون زیادہ سے زیادہ قیمتی ہے نوع بشر سے پہلا جرم قتل کی صورت میں سرزد ہوا اور اولاد آدم میں بھائی کو بھائی نے قتل کیا۔ ہابیل و قابیل کے بعد لاتعداد حوادث دنیا میں ہوئے اور خونریزی عالم بالا کو متاثر نہ کرسکی مگر فرزند بوتراب کا کربلا میں ذبح ہونا وہ ظلم عظیم تھا کہ طبقۂ عصمت میں تہلکہ پڑ گیا اور حوران جنان، قدسی، مقربین ملائکہ روئے ارحم الراحمین کو ارباب عصمت کی تشفی قلب مقصود ہوئی۔

إِنَّ اللّٰهَ أَوْحَىٰ إِلَى الْمَلَائِكَةِ يَوْمَ شَهَادَةِ الْحُسَيْنِ قَالَ يَا مَلَائِكَتِي إِنِّي قَتَلْتُ بِثَارِ يَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّا سَبْعِينَ أَلْفًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَقْتُلُ بِثَارِ الْحُسَيْنِ سَبْعِينَ أَلْفًا مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ عَلَىٰ يَدِ الْقَائِمِ الْمَهْدِيِّ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (الروضۃ الکافی ص۲۹، ۳۳۹)

بروز عاشور خداوند عالم نے فرشتوں کی طرف وحی کی اور فرمایا اے میرے ملائکہ میں یحییٰ بن زکریا کے انتقام میں ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا اور قتل حسینؑ کے سلسلہ میں بھی ستر ہزار بنی امیہ کو قائم آل محمد کے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ اس حدیث میں چند پہلو قابل نظر ہیں اُن پر تبصرہ سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ انتقام کا دن کب آئیگا اور کون حق کی حمایت میں آخری بار تلوار کھینچیگا اس سوال کے جواب میں سال ظہور معین کرنا تو شارعؑ کو پسند نہیں اور اس مقصد کو اسرار الٰہی میں رکھا گیا ہے مگر تاریخ اور دن خود علماء نے ظاہر فرمائے ہیں چنانچہ مجلسی علیہ الرحمہ نوروز کے فضائل میں لکھتے ہیں دریں روز قائم آل محمد صلوات اللہ علیہ وسلامہ ظاہر خواہد شد دریں روز اماماں دیگر بدنیا رجعت خواہند کرد دریں روز قائم ما ظفر خواہد یافت بر دجال و دجال را بر کناسہ کوفہ کہ محلہ ایست از محلات کوفہ او را بردار خواہد کشید و در ہیچ روز نوروزے نیست مگر آنکہ ما انتظار فرج می کنیم زیرا کہ آن روز ہائے ما و روز ہائے شیعیان ما است۔

(زاد المعاد مترجم ص۱۹۶ کشوری)

نوروز کے دن حضرت حجت ظاہر ہوں گے اور دوسرے اماموں کی رجعت بھی اسی دن ہوگی اور اسی دن وہ حضرت دجال پر فتح پائیں گے اور اس کو کوفہ کے ایک محلہ کناسہ میں سولی دیں گے۔ کوئی نوروز نہیں آتا مگر یہ کہ ہم ظہور کا انتظار کرتے ہیں یہ دن ہمارا اور ہمارے شیعوں کا دن ہے"۔ ہر شیعہ منتظر ہو سوز دل اشک رواں آہ سحر نالۂ شب ایں ہمہ آثار لطف شما ئی

سیم و علامہ موصوف نے اپنی عربی کتاب بحار الانوار میں ایک حدیث اور نقل کی ہے جس میں فرمایا ہے۔

عَنِ الْبَاقِرِ اِنَّ الْقَائِمَ یَخْرُجُ یَوْمَ السَّبْتِ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ الَّذِیْ قُتِلَ فِیْهِ الْحُسَیْنُ

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ قائم آل محمد بروز عاشورہ ہفتہ کے دن اسی روز ظہور کریں گے جس دن کہ امام حسینؑ قتل کئے گئے ان دونوں روایات میں اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر دو اقوال کو جمع کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ جس سال دسویں محرم کو ۲۱ مارچ ہو اسی دن ظہور کی توقع ہے۔ ہمارا ہر دن سعادت انتظار حاصل کرنے میں وقف ہے اور رہیگا ۔ے

غافل ز احتیاط نفس یک نفس مباش
شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود۔

کوفہ آپ کی فرودگاہ ہوگا اور ستر ہزار بنی امیہ کو قتل کرنے کے متعلق یہ بھی کہا کہ قاتلان حسین زندہ کئے جائیں گے اور آپ ان کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے اس لئے کہ جب اس وقت اموی نسل کا کوئی نہیں ہے تو سینکڑوں برس کے بعد روئے زمین پر بنی امیہ کہاں ہوں گے یا مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کا کردار بنی امیہ کا سا ہوگا اور جو دشمن حسینیت ہوں گے وہ ستر ہزار کی تعداد میں قتل ہوں گے اور انکو لسان عصمت سے بنی امیہ اسطرح کہا ہے جس طرح زبان قرآن فرعونیوں کو آل فرعون کہا ہے اس تاویل کی تائید حضرت شعیا نبی کے حالات کو سامنے رکھنے سے ہوتی ہے روایت حضرت امیرؑ ہے خطاب رب العزت نے حضرت شعیا نبی کی طرف وحی کی کہ میں تمہاری قوم سے سو ہزار انسانوں کو ہلاک کرنے والا ہوں ۴۰ ہزار بدکردار اور ۶۰ ہزار نیکبخت شعیا نبی نے عرض کیا پالنے والے نیکوں کو کیوں ہلاک کرنے کا فرمایا

اس لئے کہ یہ گنہ گاروں کی خوشامد کرتے ہیں اور عاصیوں پر معصیت سے غضبناک نہیں ہوتے (حیات القلوب ج ۱) اصل روایت میں مداہنت کی لفظ ہے جس کے معنی یہ بھی ہیں کہ ظاہر و باطن میں فرق ہو اور دل کے خلاف زبان ترجمانی کرے۔

اس قسم کے احادیث کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ جو طبقہ ظالم کے ظلم پر راضی ہو وہ بعینہ ظالم ہے اور بعید نہیں کہ قتل بنی امیہ کے معنی پیروان بنی امیہ ہوں یہ وہ مطلب ہے جس کو عمل عاشور میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام صاف کر چکے ہیں۔

اللّٰهم العن العصابة التی جاهدت الحسین صدا تلث علیه وشایعت وبایعت وتابعت علی قتله اللّٰهم العنهم جمیعاً بار الٰہا اپنی رحمت سے دور رکھ اس گروہ کو جس نے امام سے جنگ کی اور جس نے مدد پہونچائی اور جس نے سخت دشمنی کی اور جس نے ظالم خلیفہ کی پیروی کی وہ سب سزا وادست ہیں۔

حقیقت اسلام کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حافظان شریعت کے اقوال و افعال میں اختلاف نہیں ہے جو کسی بارگاہ سے افادہ ہوا وہی دوسری سرکار سے افاضہ ہوگا اعجاز قرآن کی دلیل بھی عدم اختلاف اور وقار اہلبیت کا برہان بھی اتحاد گفتار ہے حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام اپنے حکیمانہ ارشادات میں فرماتے ہیں ۔ے

سقی اللہ قائماً صاحب القیامه والناس
فی ذاکها هو المدرک الثار لی یا حسین
بل لک فاصبر لاتعابها لکل دم الف
الف دما القصر کی قبل احنی اکها
هنالک لا ینفع الظالمین قول بعذر واقتلها

(ماحصل اشعار) اللہ رحمت کرے قائمؑ پر جو قیامت
کے ساتھ ساتھ آنیوالا ہے حالانکہ اس وقت انسانیت
سخت ترین و لگداز مصائب میں ہو گی وہی خونِ حسینؑ
کے انتقام کا خواہاں ہے میرے اللہ تیکر لے تو پھر
(اس تصور میں) مسرت بخش ہوں گے ہر جان کے بدلے
ہزار ہزار جانیں تہ تیغ ہوں گی اور انتقام میں کوتاہی نہ
ہوگی۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ ظلم شعار طبقہ کو پشیمانی اور
معذرت کا کوئی موقع نہ ہو گا۔ کچھ شوق تحقیق رکھنے
والے دیوان منسوب کو زیادہ کمال پر نہیں سمجھتے۔ یہ احقر
اور گدائے در آل محمدؐ اپنے ایک مقالہ میں جو جریدہ سرفراز
رجب نمبر غالباً سنہ ۱۹۵۲ء میں نشر ہوا دیوان پر نگاہ اعتبار
ڈال چکا ہے اور اغیار جب مقبولیت کا دم بھریں تو ہمیں
کم از کم خاموش رہنے کی ضرورت ہے دیوان کا معتدبہ
حصہ یقیناً کلام حضرت امیرؑ ہے مزید براں دیوان پر
خواجہ محمد مرتضیٰ خان بہادر مستعد الشعراء اپنی منظومہ
میں کہتے ہیں ۔۔ چند دیوان بہ تقدیس بیان قدسی
حدیث ز واجب التعظیم بعد از مصحف جل و علا
شان این کلام از کشف پید البود بہر این حق در حق
خامش گشتہ بلاتے اس کے بعد جو اشعار ہیں
وہ مدح متکلم پر ایک بہتر شاہکار ہیں شارح موصوف
اول الذکر شعر کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

ای القائم بامر الدین منا وھو المھدی
الموعود (الو الحسن علی بن ابیطالب صـ۱۲۲ طبع لکھنؤ ۱۳۰۹ھ)
قائم سے مراد حضرت مہدی موعود ہیں جو اقامت دین کرینگے
وہ ہم ہی میں سے ہیں۔"

ظہور کا مسئلہ بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ
حدیث امام محمد باقر علیہ السلام کی روشنی میں موجود
ہے جسکے الہام و تفہیم میں ایک مبسوط بحث رسالہ
مبلغ لکھنؤ بابت جنوری سنہ ۱۹۳۰ء اور پھر ماہنامہ
الواعظ کی کسی اشاعت میں ہو چکی ہے کاش خدا
مجھے توفیق دے اور زمانہ ساز گار ہو کہ یہ پراگندہ حقائق
یکجا ہوں ہمارے اسلاف نے کوئی گوشہ گفتگو اور
تحقیق کا باقی نہیں رکھا ایک ماہوار رسالہ میں ان
مباحث کی گنجائش نہیں ہے ہماری ایمانی کمزوری ہے
اگر ہم وجود قائمؑ کو تسلیم نہ کریں۔

آقائے دو جہانؐ کا ارشاد۔

حدیث رسولؐ | جو مر جائے اور امام زمانہ کو نہ
پہچانے وہ جاہلیت کی موت مرا یاران طریقت
نے حدیث میں لفظیں بھی بدلیں ازالۃ الخفاء کے
صدر کلام میں حدیث کو مطابق مطلوب بنانے
کے بعد درج کیا ہے لیکن مفتی اعظم اسلام محمد
سلیمان نقشبندی نے ینابیع المودہ کی آخری صفحات
میں حدیث اصلی خدو خال میں درج کی جو موت جاہلیت
سے بچنا چاہے وہ سر تسلیم خم کرے زمین ایک لمحے
لئے حجت سے خالی نہیں رہی ہم آئے دن اخبارات
میں دیکھتے ہیں کہ جو دور دراز ملکوں میں مرتا ہے اس کی
ہمدردی رکھنے والے غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں مگر
امام غائب پر ایمان میں چشم دید مشاہدہ کی
ضرورت ع ایں چہ بوالعجبی۔

اثیر الدین ابی عبداللہ محمد بن یوسف

کہاں ہیں | بن علی یوسف بن حیان الاندلسی المتوفی
سنہ ۷۵۴ھ اپنی تفسیر آیہ حتی اذا بلغ مجمع البحرین
کی تحقیق میں رقمطراز ہے۔

قیل ھو بحر الاندلس والفریقیۃ
التی ابت ان تضیفھا ھی الجزیرۃ الخضراء
(البحر المحیط جلد پنجم صـ۱۴۳ طبع مصر)

جہاں دو دریا سفر حضرت موسیٰ و یوشع میں ملکر
بہتے تھے اس کی تفسیر میں ایک قول ہے کہ وہ بحر اندلس

سے اور وہ گاؤں جہاں کے رہنے والوں نے موسیٰ
خضر کی مہمانداری سے انکار کیا تھا جزیرۂ خضراء ہے۔
یہی وہ صحیح معنوں میں جنت نظیر مقام ہے جہاں
امام زمانؑ کی قیام گاہ ہے اگر کسی ریگستان، یا
کوہستان میں اقامت کا پتہ ہوتا تو تم کہتے کہ سارا
عالم ارض تلاش کیا جا چکا ہر پہاڑ کی چوٹی پر
ہم پہنچ چکے اور آئندہ پہنچ رہے ہیں ہمیں
نہ پایا اسلئے جزیرے میں قیام ہے اور ابھی تک سمندری
طول و عرض دور دراز تھا، کما حقہٗ تلاش نہیں ہوا۔
لہٰذا جائے قیام بھی برمحل اور یہی راز ہے کہ دریا میں
عریضہ سپرد آب کیا جاتا ہے ہمارا کوئی مذہبی رویہ محتاج
ثبوت نہیں ہے۔ لیکن عنان قلم روکتا ہوں کہ ۱۸۸۳ء میں
ڈاکٹر کاخ نے جرمن کو ثبوت دیا ہے کہ ہیضہ کے جاثیم
جراثیم اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ایک مربع انچ میں
چالیس کروڑ تک آسکتے ہیں اور خوردبین سے ان کو
دیکھا جاتا ہے۔

ایسی خبروں کو صحیح سمجھنے والوں سے ہی
ہمارا خطاب ہے کہ جو ایک انچ میں ۴۰ کروڑ کیڑے
دیکھ سکتے ہیں اور انکار نہیں کرتے وہ اس وسیع
فرش زمین پر ایک امام غائب کا وجود کیوں
نہیں مانتے۔

روشن دلوں کو باد حوادث سے کیا گزند
مرمر کے گل ہوا نہ چراغ آفتاب کا

والسلام۔

آئندہ شمارہ ماہ فروری میں شائع ہوگا۔

(ادارہ)

قصیدہ

از جناب مرزا اختر حسین صاحب اختر لکھنوی

پورے ہوں کس طرح مرے ارماں ترے بغیر
ہوگا نہ غیب سے کوئی ساماں ترے بغیر

دور خزاں ہے عالم امکاں میں ہر طرف
کس طرح آئے فصل بہاراں ترے بغیر

دیوانے تیرے حد جنوں سے گذر گئے
دامن میں چاک چاک گریباں ترے بغیر

آئے بہار گلشن ایماں میں جلد تر
بے کیف ہے یہ سیر گلستاں ترے بغیر

دنیا میں آج دور جہالت ہے سربسر
پیدا نہ ہوگا کوئی سخنداں ترے بغیر

موسیٰ نبی کو آگیا غش کوہ طور پر
ہم کیسے دیکھیں جلوۂ تاباں ترے بغیر

غائب ہے تو نگاہ سے اے جان مصطفےٰؐ
غائب خدا کا ہوگا نہ عرفاں ترے بغیر

جلوہ دکھا اُلٹ رُخ روشن سے اب نقاب
ملت ہوئی ہے تیری پریشاں ترے بغیر

کتنے ترے فراق میں دنیا سے چل بسے
دل مطمئن نہ ہوگا مہرباں ترے بغیر

دین ایک ہوگا تیری بدولت جہان میں
پورا نہ ہوگا حق کا یہ فرماں ترے بغیر

ہیبت دکھا نقاب اُٹھا جان مرتضیٰ
اب اہل کفر ہوں گے نہ لرزاں ترے بغیر

آدم سے منتقل تا بہ نقطہ اپنی ذات پر
ہرگز نہ سر جھکائے گا شیطاں ترے بغیر

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ استاد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

جناب عبداللہ الاشری حنفی کے قلم سے

خاتم النبیین سرور کونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے رکن رکین اور فلک امامت کے چھٹے نیر تاباں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام انبیائے کرام کے ظاہری و باطنی علوم و معارف کے صحیح معنوں میں وارث و جانشین تھے اور جن مقدسین امت کے عمل و عرفان علم و خبر اور تقوے و طہارت سے سانحہ کربلا کے بعد عظمت اسلام کے تحفظ و استحکام کا مقصد پایۂ تکمیل تک پہنچا ان میں آپ کی ذات معظم ایک امتیازی مقام اور نمایاں رتبے کی مالک تھی۔

آپ کی ولادت کے بارے میں بیشتر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ۱۷۔ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ مطابق سنہ ۷۰۲ء کو جمعہ کے روز مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے بعض روایات میں آپ کی تاریخ ۸۔ رمضان المبارک سنہ ۸۰ھ ہے لیکن یہ روایات اپنی ثقاہت کے اعتبار سے قدرے محل نظر ثابت ہوتی ہیں۔ مگر مورخین کی ایک کثیر تعداد نے ان سے بہت مدلل اختلاف بھی کیا ہے اس لئے تسلیم کرنے میں کسی ادنیٰ عذر یا معمولی اشتباہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ ۱۷۔ ربیع الاول کی تاریخ بالکل صحیح ہے کہ آپ کے اسم گرامی جعفر صادق کے اجزا کی تحقیق کے متعلق بہت سے مستند تذکروں میں مذکور ہے کہ جعفر نامی جنت کی ایک نہر کی مناسبت سے آپ کا نام جعفر رکھا گیا تھا جس سے مراد ہے کہ آپ علم و فضل کے سرچشمہ ہیں اور حق گوئی صداقت پسندی اور صدق کلام کی وجہ سے صادق آپ کے نام کا جزو قرار پایا۔ تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۳۶۹ اور جلد ۹ صفحہ ۰۰۰ مطبوعہ مصر اور مودۃ القربیٰ طبع بمبئی در سنہ ۱۳۱۰ھ کے صفحہ ۳۳ میں مرقوم ہے کہ آپ معصوم اور محفوظ تھے اور اسعاف الطیب کے صفحہ ۲۰ میں مذکور ہے کہ آپ نے اوائل عمر سے آخر زندگی تک کوئی گناہ نہیں کیا تھا مولانا عبدالرحمٰن جامی اپنی مشہور تصنیف شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ

> آپ بارہ اماموں میں سے چھٹے امام ہیں عالم طفلی میں آپ نے ۱۲ سال اپنے جد امجد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ گزارے اور ۱۹ سال اپنے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ہمراہ زندگی بسر کی۔ جیسا کہ تاریخ اعظم میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق تاریخ اسلام کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مقدس صحبتوں سے فیض یاب ہونے والے بزرگوں میں سے اکثر و بیشتر حضرات دنیا سے رخصت ہو چکے تھے

اور دنیا و حصول دین پر انسانی ہوس کاریوں اور اغراض پرستیوں نے طرح طرح کے غلاف چڑھانے کی مذموم کوششیں شروع کر رکھی تھیں دنیاوی اقتدار کے دیوانوں کی باہم آویزی یہاں تک بڑھ چکی تھی کہ ان کی معرکہ آرائیاں اور ہنگامہ خیزیوں کے شور میں اذان حق کی آواز کان بڑی سنائی نہ دیتی تھی اور لوگ جاہ و سطوت حاصل کرنے کے جنون میں اسلام اور اس کے احکام ارکان کو پس پشت ڈال کر ہی اپنی کامیابی کا ذریعہ تصور کرتے تھے اس بے راہ روی کے مقابلہ میں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے اور رشد و ہدایت کی طرف بلانے والے شاذ و نادر ہی باقی رہے تھے۔ جس کی وجہ سے باطل و گمراہی کی تاریکیاں بہت تیزی سے چاروں طرف پھیل رہی تھیں اور جرات و استقلال کی ناقابل تسخیر قوت کے بھروسے پر ان تاریکیوں کو نور حق کی ضیاپاشیوں سے کافور کرنے والا کوئی نہ تھا اگر کوئی تھا تو حیران و مایوس اور مستور و معزول حالت میں گوشہ نشین تھا۔

اس نازک وقت جو رحمت عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک دفعہ پھر دین حق کو زندہ کرنے کے لئے کمربستہ ہوئے اور اپنی مساعی حسنہ کو احیائے دین کے مقصد پر مرکوز کرنے کی غرض سے باہر نکل آئے اس ناموافق زمانے میں آپ کے سامنے جو میدان عمل تھا وہ قرآن مجید اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات کے احیا و اشاعت کا میدان تھا۔ جس میں وقت کی نزاکت کے پیش نظر قدم رکھتے ہوئے بھی کلیجہ دہلتا تھا۔ اور کسی شخص کے لئے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ لوگوں کو حق و صداقت کی طرف بلائے۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی قدرت کاملہ جن اہل عزیمت اور ارباب صدق و صفا کو عزم و ثبات اور ہمت و استقامت کی بے حد و بے شمار دولت سے بہرہ یاب کرتی ہے۔ وہ ہر قسم کی مشکلات و مہمات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے اور اپنے قوت عمل و ایمان سے ان کو مجبور کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں اور کوئی بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی ان کا راستہ روکنے کی جرات نہیں کرتی۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا جوار عزم و استقلال اس میدان کی حوصلہ شکن صعوبتوں اور یاس انگیز رکاوٹوں پر قابو پانے میں نہایت عالی ہمتی و اولوالعزمی سے منصور و کامران ہوا۔ اور آپ نے سرکار دو عالم سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین مبین کو ایک نئی زندگی سے ہمکنار کرتے ہوئے مسجد نبوی میں تدریس حدیث کا سلسلہ جاری کر دیا۔ جس سے بے شمار تشنگان علوم دینی کو استفادہ کا شرف حاصل ہوا بحر فیوض کی گہر افشانی نے ایسے ایسے بزرگان سلف کے دامن طلب کو تابدار موتیوں سے لبریز کیا جو استفادہ کے بعد تعظیم و تکریم اور شہرت و ناموری کے آسمان پر ماہ و انجم کی طرح چمکے۔

علمی فضائل

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو عقلی و نقلی اور مادی و روحانی علوم میں جو اعلیٰ و ارفع مقام حاصل تھا۔ اور علمی فضیلت و قابلیت کو آپ کی بدولت جس فخر و ناز کا موقع میسر آیا اس کا اندازہ کرنا محال ہے خصوصاً اس بنا پر کہ آپ کمال علم و فضل کے ان بلند مراتب پر متمکن تھے جن میں کوئی پرندہ بھی پر مار نہیں سکتا علامہ ذہبی نے اپنی مشہور و معروف تالیف تذکرۃ الحفاظ میں حضرت

امام جعفر صادق علیہ السلام کے علمی فضائل و کمالات کے بارے میں آپ کے شاگرد رشید حضرت امام ابوحنیفہؒ کی جو رائے نقل کی ہے اس سے آپ کے کمال علم پر بخوبی روشنی پڑتی ہے اس رائے میں حضرت امام ابوحنیفہ نے واضح طور پر تسلیم کیا ہے کہ

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑھ کر علم دین کا عالم کسی کو نہ پایا۔"

تذکرۃ الحفاظ

اسی طرح آپ کے دوسرے شاگرد حضرت امام مالک بن انسؒ نے امام معظم کی علمی فضیلت کے بے مثال ہونے کا صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

مَا رَأَتْ عَيْنِي أَفْضَلَ مِنْ جَعْفَرِ
بْنِ مُحَمَّدٍ فَضْلاً وَعِلْماً وَوَرَعاً
كَانَ مِنْ عُظَمَاءِ الْعُبَّادِ۔ اھ

یعنی میری آنکھوں نے علم و فضل اور زہد و تقوے حضرت امام جعفر بن محمد سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا وہ اللہ تعالی کے بہت بڑے بندوں میں سے تھے اور بہت بڑے زاہد و عابد تھے خدا سے بے انتہا ڈرتے تھے۔ بے شمار احادیث بیان فرمایا کرتے تھے بڑی پاک مجلس والے اور کثیر الفوائد تھے آپ کی صحبت سے بے انتہا فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔

علامہ شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعیؒ اپنی تصنیف مطالب السئول میں آپ کی علمی شان و عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ھو من عظماء اھل بیت و
سادَاتهم ذو علوم جم بتبع
معانی القرآن الکریم
ویستخرج من بحره جواهر
ویستنبع عجائبه

"وہ اہلبیت اور سادات کی عظیم ترین ہستی ہیں آپ مختلف قسم کے علوم سے معمور ہیں اور آپ ہی سے قرآن کریم کے معانی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور آپ کے بحر علم سے علم کے موتی رولے جاتے ہیں اور آپ ہی سے نوادر عجائب کا انکشاف ہوتا ہے۔"

علامہ ابن حجر مکی اپنی مشہور تالیف صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

علماء نے آپ سے اس درجہ علوم حاصل کئے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں اور آپ کے علم کا آوازہ دیار و امصار میں پھیلا ہوا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی اپنی مشہور تصنیف شواہد النبوت میں لکھتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے ایک بلند پایہ فرد ہیں آپ کے علوم کی کثرت کا احاطہ کرنے سے انسانی ذہن و فہم و ادراک عاجز ہیں۔

علامہ شبلنجی نے نورالابصار میں آپ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں کوئی گننے والا انہیں گن نہیں سکتا اور بے حد شمار لکھنے والا اگر لکھنے لگے تو حیران رہ جائے گا۔"

اطفال کی تربیت کے متعلق ائمۂ اہلبیت کے

ارشادات

از جناب مولینا شبیہ الحسن صاحب عابدی نوگانوی مدرسہ ایرانی۔ نجف اشرف۔ عراق

اطفال انسان کے ذمہ قوم وملت کی وہ مقدس امانت ہوتے ہیں۔ جن پر مستقبل کا دارومدار ہوتا ہے جن کی اصلاح سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے جن کی اصلاح و تنظیم سے قوم ملت میں ایک جاندار معاشرہ جنم لیتا ہے۔ کیونکہ آج کے بچے کل کو بزرگ بن کر قوم کے معمار بنتے ہیں۔ اس سبب سے انسانی زندگی کا ابتدائی اور پہلا قدم انتہائی نازک اور ایک خاص و صحیح تربیت کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت قلب کی مثال ایک سادہ صفحہ کے مانند ہوتی ہے جس پر مصور و معلم کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جو نقش چاہے اور جس طرح چاہے نقش کردے۔

اس زمانہ میں اگر بچے کی تربیت صحیح طور پر نہیں ہوئی تو مستقبل میں وہ بچے معاشرہ کے اور مذہب کے لئے ایک مستقل روگ ثابت ہوں گے اور اگر ان کی تربیت صحیح طریقہ پر ہو جائے تو مستقبل میں وہ بچے قوم وملت کا نام بلند کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس ترقی یافتہ دور میں تو اس مرض کی طرف خاص توجہ دی جاتی ہے اور ہر زندہ قوم اس بات کی متمنی ہوتی ہے کہ اس کے نونہالان ملت مستقبل کی قوم وانسانیت پر بار ثابت نہ ہوں اس لئے ان کی تربیت کے خاص انتظامات کر رکھے ہیں اور اب تو عالمگیر پیمانوں پر بچوں کی اصلاح و تربیت کے عملی انتظامات ہو چکے ہیں۔ کیونکہ اطفال اگرچہ نسبتاً ایک ہی باپ سے ملحق ہوتے ہیں لیکن وہ درحقیقت ان کے نگراں و سرپرست ہیں۔ اطفال کی دولت قوم وملت کی ملکیت ہوا کرتی ہے کیونکہ آئندہ چل کر قوم کی گاڑی کا جوا ان ہی کے کاندھوں پر رکھا جاتا ہے اس لئے ہر قوم بلاتفریق رنگ ونسل من حیث الجماعت اپنے اطفال کی ترقی و تربیت کے لئے کوشش کرتی ہے تاکہ ایک جاندار معاشرہ کی کرنیں ظلمت کے سیاہ افق سے پھوٹ کر مستقبل میں ماضی کا تدارک کرسکیں اور قوم کے مستقبل کو شاندار بنا سکیں۔

اور یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی بھی معاشرہ کو تبدیل کرنے کے لئے بچوں کی تربیت انتہائی لازمی بلکہ اصلاح کا جزو لاینفک ہے اس لئے کہ ان کی مثال ایک لچکدار اور باریک اور ملائم ٹہنے کی سی ہے جس کو حسب منشا رخیال و کردار کے مطابق ڈھالا اور بنایا جا سکتا ہو۔ باقی آئندہ

معرفة

یدرآباد (مغربی پاکستان)



دینی علمی

ادبی

اخلاقی

ماہنامہ

مدیر

مت علی ممتاز الافاضل

ماہنامہ المعرفت کا دکنی چمن

المعرفۃ

عام چھ روپے سالانہ
خاص۔ اہل دل کی دریا دلی

ٹنڈو طیب حیدرآباد

مدیر
حشمت علی
ممتاز الافاضل

جلد ۳ | ماہ ستمبر ۱۹۶۶ عیسوی | نمبر شمارہ ۶

فہرست مضامین

پرنٹر حشمت علی نے زاہد پریس قلعہ دروازہ حیدرآباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المعرفت ٹنڈو طیب سے حیدرآباد سے شائع کیا



نعت شریف

از جناب سید نذیر حسین شاہ صاحب نقوی ایگزیکٹو انجنیئر سانگھڑ

محمد مصطفیٰ اصلِ علی شانِ خدا تم ہو
شہِ ہر دو سرا تم ہو حبیبِ کبریا تم ہو

زمانہ کیوں نہ پائے روشنی حسنِ عقیدت سے
سبب یہ ہے کہ بس شمعِ حقیقت کی ضیا تم ہو

درِ اغیار پر اپنا کبھی سر جھک نہیں سکتا
ہمارے رہنما تم ہو۔ ہمارے پیشوا تم ہو

تمہارا نام لیتا ہوں تمہارا ذکر کرتا ہوں
زباں پر ورد رہتا ہے مرے دل کی صدا تم ہو

گنہگارانِ امت کرم کا مینھ برستا ہے
فضائے رحمتِ حق میں شفاعت کی گھٹا تم ہو

تم ہی تو رحم فرماؤ گے مجھکو بخشواؤ گے
سہارا ہے تمہارا دردِ عصیاں کی دوا تم ہو

نذیرِ ناتواں کی عرض ہے یا مصطفیٰ تم سے
مرے دل کی دوا تم ہو مرے حاجت روا تم ہو

مدح حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ

ازجناب مرزا اختر حسین صاحب اختر لکھنوی شہداپور

مظہرِ ذاتِ کبریا صلّو علیہ وآلہ
باعثِ خلقتِ خدا صلّو علیہ وآلہ

فرش کا اور عرش کا کوئی نشاں نہیں تھا
پہلے تھا نورِ مصطفٰےؐ صلّو علیہ وآلہ

کون ومکاں میں دوسرا لیس کمثلہ ہے وہ
جس کی ثنا کرے خدا صلّو علیہ وآلہ

فرش سے عرش پر گیا ایسے بشر کو کیا کہوں
عبد کہے جسے خدا صلّو علیہ وآلہ

نورِ خدا ہیں چودہ تن قولِ رسولِ پاک ہے
کہتی ہے چادرِ کسا صلّو علیہ وآلہ

آلِ نبی کو چن لیا حق نے تمام خلق سے
شاہد ہے جن پہ هل اتی صلّو علیہ وآلہ

علم کا شہر ہیں نبیؐ قولِ حضور دیکھ لو
در ہیں علی مرتضیٰؑ صلّو علیہ وآلہ

جانِ نبی حسنؑ حسینؑ فاطمہ دل کا چین ہیں
قوتِ بازو لافتیٰ صلّو علیہ وآلہ

نفس پہ اپنے غور کر حسنِ عمل کو یاد رکھ
راضی ہوں تجھ سے مصطفٰیؐ صلّو علیہ وآلہ

کفر کا بیڑہ غرق ہے کعبہ میں بت بھی گر پڑے
آج ظہورِ حق ہوا صلّو علیہ وآلہ

ہو جو حضور کی نظر اخترِ خستہ حال پر
درد کی میرے جو دوا صلّو علیہ وآلہ

از عالیجناب ڈاکٹر سید ظہور حسن صاحب

سائنٹفک مجلس

قسط آخری

یعنی کافر نہ ہو۔ بتوں کو سجدہ نہ کیا ہو۔ خدا پر جہل کا الزام عائد نہ کیا ہو خدا پر اعتراض وارد نہ کیا ہو۔ اپنی رائے کو خدا کی رائے سے بہتر قرار نہ دیا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

تو فرشتوں نے کسقدر ٹھوس اور مستحکم معیار پیش کیا۔ مگر پروردگار عالم نے اس اعتراض کو تسلیم نہیں کیا اور نہ ان کے پیش کردہ معیار کو منظور کیا۔ اور نہ ان کے استحقاق کو مانا۔ بلکہ ان کو جھڑک دیا کہ چپ رہو انی اعلم ما لا تعلمون۔ میں جانتا ہوں اُس بات کو جس کو تم سب نہیں جانتے اب فرشتے خاموش ہو گئے اور کہہ بھی کیا سکتے تھے اور کوئی دلیل ان کے پاس تھی ہی نہیں

اس کے بعد اب پروردگار عالم حضرت آدم کی طرف مخاطب ہوتا ہے۔ وعلم آدم الاسماء کلھا اور تعلیم کر دیئے آدم کو نام کل۔ اس آیۃ شریفہ میں پہلی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ اس میں لفظ الاسماء استعمال ہوا ہے۔ خالی اسماء نہیں استعمال ہوا۔ یعنی اسماء پر الف لام تعریف کا لگا ہوا ہے جو نکرہ کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ وہ خصوصیت خصوصیت پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے معنی اس آیۃ کے یہ ہوئے کہ تعلیم کر دیئے وہ مخصوص نام آدم کو کل۔ یعنی جو کل نام حضرت آدمؑ کو تعلیم کئے گئے وہ خاص بلکہ مخصوص نام تھے عام نہیں تھے اور نہ تمام دنیا بھر کے نام تھے۔ بلکہ جتنے مخصوص نام اللہ کے پاس تھے وہ سب اس نے حضرت آدمؑ کو بتا دیئے۔ غور کریں آپ حضرت آدم کو صرف نام بتائے گئے ہیں۔ کس کے یہ نام ہیں یہ ان کو ابھی نہیں بتایا گیا ہے۔ اور نہ نام والے ان کو دکھائے گئے جو اللہ کے پاس تھے اب جتنے بھی وہ ہوں پانچ یا بارہ ہوں یا چودہ ہوں۔ اس سے ہمیں کچھ بحث نہیں ہے۔ یوں کہ آیۃ اس کے متعلق کچھ نہیں کہتی ہے۔ آیۃ تو صرف یہ بتلا رہی ہے کہ نام جو ان کو بتائے

گئے ہیں وہ مخصوص نام ہیں۔ اور یہ کہ وہ ایک سے زیادہ ہیں۔ نہیں بلکہ دو سے زیادہ ہیں یعنی تین یا تین سے اوپر صیغۂ تثنیہ کا استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ جمع کا صیغہ ہے۔ بلکہ میں تو اب یہ عرض کرتا ہوں کہ نام ضرور تین سے زیادہ تھے اس لئے کہ لفظ اَلاسماء پر کلہا اور لگا ہوا ہے۔ اس لئے لازماً ماننا پڑے گا کہ نام ضرور تین سے زیادہ تھے اور چونکہ لفظ کلہا میں پانچ حرف۔ ک۔ ل۔ ل۔ ہ۔ ا ہیں اس لئے بہت ممکن ہے کہ قرآن حکیم نے یہ رمز اس لئے پنہاں رکھا ہو کہ نام پانچ ہی تھے۔

لفظ کلہا سے یہ سمجھ لینا کہ اس لفظ سے ان اشیاء کے اوصاف وخواص کا اظہار مقصود ہے جن کے نام تعلیم فرمائے گئے تھے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ لفظ کل تعداد یا مقدار ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے یہاں وہ کل تعداد بھی مراد ہے جو کہ ناموں کی گنتی یا اشیاء کی صفات مراد نہیں ہو سکتی کیوں کہ کلہا سے کسی قسم کی صفت کا اظہار نہیں ہوتا سوائے تعداد کے یا مقدار کے تو مقدار اس وجہ سے مراد نہیں ہو سکتی کہ ناموں کے ساتھ مقدار کا تعلق نہیں ہوتا نام تو گنے جاتے ہیں ناپے یا تولے نہیں جاتے۔ البتہ صفات کے ساتھ مقدار ہوتی ہے یعنی صفتیں ناپی اور تولی جاتی ہیں جیسے علمیت کم ہو گی یا زیادہ۔ حسن کم ہو گا یا زیادہ۔ سیاہی کم ہو گی یا زیادہ وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے یہاں لفظ کلہا سے مراد یہی مراد ہے۔ اور تعداد بھی مجموعی تعداد مثلاً اگر کہا جائے میں نے فلاں شخص کو روپے دیدیئے۔ تو اس سے یہ ضرور سمجھ میں آجائے گا کہ روپے جو دیئے گئے ہیں وہ کم از کم تین ضرور ہیں کیونکہ صیغہ جمع کا استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہو سکیگا کہ ابھی کچھ اور دینے باقی ہیں یا نہیں۔ لیکن اگر کہا جائے کہ میں نے کل روپے دیدیئے تو اس سے یہ قطعاً سمجھ لیا جا سکیگا کہ دینے والے کے پاس دینے کے لئے اب کوئی روپیہ باقی نہیں ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ میں نے روپے دیدیئے کل۔ تو اس لفظ کل کے فقرے کے آخر میں آنے سے ایک قسم کا زور تاکید اور اپنا بری الذمہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ تعداد اقل جمع سے زیادہ ہے۔

اب آیۃ پر غور کیجئے۔ آیۃ فرما رہی ہے۔ وعلّم آدم الاسماء کلہا۔ یعنی پروردگار عالم تاکید اور حصر کے ساتھ فرما رہا ہے کہ جتنے نام آدم کو تعلیم کرنے تھے وہ سب کر دیئے گئے۔ یعنی اب تعلیم کرنے کو کوئی اور نام باقی نہیں رہا۔ صرف انھیں ناموں کے تعلیم کرنے کی ان کو ضرورت تھی اس لئے کہ یہ نام آدم کی کل تعلیم کے اوپر حاوی تھے علاوہ ان کے اور کچھ تعلیم

کرنے کی ان کو ضرورت ہی نہیں تھی اس لئے کہ یہی نام آدم کی مکمل تعلیم کے اوپر حاوی تھے علاوہ ان کے اور کچھ تعلیم کرنے کی ان کو ضرورت ہی نہیں ورنہ تو پروردگار عالم جیسا معلم کیا تعلیم نامکمل چھوڑ دیتا۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے لفظ کلہا سے حسب ذیل مفہوم صاف ظاہر ہوتے ہیں

۱۔ یہ کہ نام صرف پانچ تھے۔

۲۔ یہ کہ پانچ نام ہی حضرت آدم کی مکمل تعلیم تھی۔

۳۔ یہ کہ ان پانچ ناموں کے علاوہ ان کو اور مزید تعلیم کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

۴۔ یہ کہ پروردگار عالم نے حضرت آدم کو مکمل تعلیم فرما دی تھی۔

۵۔ یہ کہ ایسی تعلیم کی بدولت وہ امتحان میں پاس ہوئے

الغرض حضرت آدم کو نام تعلیم فرما کر اب پروردگار عالم پھر فرشتوں کی طرف مخاطب ہوتا ہے۔ ثمّ عرضہم علی الملائکۃ پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر۔ عرض کے معنی ہیں پیش کرنا۔ سامنے رکھنا۔ دکھلانا۔ پھیلا کر دکھلانا۔ کھول کر دکھلانا۔ بیان کرنا۔ آپ کپڑا خریدنے جاتے ہیں آپ کو کپڑے کا عرض پھیلا کر دکھایا جاتا ہے لمبائی نہیں دکھائی جاتی۔ تو عرض کے معنی ہوئے پھیلا کر دکھانا۔ کھول کر پیش کرنا۔ یعنی پھر ان کو فرشتوں کے سامنے علیحدہ علیحدہ رکھا اور دکھلایا تاکہ اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔ اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دکھلایا۔ ضمیر چونکہ جمع کی استعمال ہوئی ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ دکھلائی جانے والی چیزیں متعدد تھیں جو فرشتوں کے سامنے رکھا گیا۔ اور دکھلایا گیا کیا وہ نام تھے جو حضرت آدم کو بتائے جا چکے تھے۔ یاد رکھئے نام دکھلانے کی چیز نہیں ہوتے سنانے

یا بتانے کی چیز ہوتے ہیں۔ یعنی ناموں کا تعلق کان سے ہے۔ آنکھ سے نہیں ہے۔ جہاں نام بتائے گئے تھے وہاں فرمایا گیا ہے علّم سکھایا۔ پڑھایا۔ بتایا۔ بیان فرما رہا ہے عرض یعنی دکھایا اور بالتشریح دکھایا۔ اور چونکہ ہم کی ضمیر ذوالعقول کے لئے آتی ہے اس لئے نام تو یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتے۔ تو پھر سوال باقی رہتا ہے کہ کیا دکھایا۔ آیۃ خود آگے بتا رہی ہے۔ پوچھتا ہے فرشتوں سے۔ انبئونی باسماء ھؤلاء خبر دو مجھ کو ان سب ناموں کی دیکھئے فرشتوں سے نام پوچھتا ہے تو معلوم ہوا کہ فرشتوں کو جو چیزیں دکھائی جا رہی تھیں وہ نام نہیں تھے بلکہ نام والے تھے۔ یعنی وہ کچھ وجود تھے جن کے نام پوچھے جا رہے تھے کیوں کہ ناموں کے نام پوچھنا بالکل بے معنی سی بات ہے۔ اور پھر یہ اور خود

فرمایئے کہ لفظ ھٰٓؤُلَآءِ استعمال ہوا ہے۔ جو اسم اشارہ ہے قریب کے لئے اور جمع کے لئے تو معلوم ہوا کہ قرب پروردگار عالم میں کچھ تھا جس کی طرف اشارہ کرکے فرشتوں سے فرما رہا تھا اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ مجھے ان سب کے نام بتلاؤ۔ تو اب پھر وہی سوال آتا ہے کہ کیا تھا وہ۔ یا کیا تھے وہ جن کے نام پوچھے جا رہے تھے۔ مٹی کے کھلونے تو وہاں ہو نہیں سکتے تھے پتھر کے تراشے ہوئے بُت تو وہاں کہاں سے آتے مادی اشیاء کا وہاں نشان تک نہیں تھا کیونکہ نورانی کائنات تھی۔ اللہ بھی نور تھا فرشتے بھی نوری مخلوق تھے۔ مادی چیز اگر کہہ سکتے ہیں تو وہ صرف حضرت آدم ہی کو کہہ سکتے ہیں کہ ان کا پتلا مٹی اور پانی سے بنایا گیا تھا مگر اس میں بھی اللہ کی پھونکی ہوئی روح کا نور آ گیا تھا اور وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ نوری کائنات میں رہ سکے تو پھر وہ اور کیا چیزیں تھیں جو فرشتوں کو دکھائی جا رہی تھیں اور پوچھا جا رہا تھا۔ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ مجھے ان کے نام بتاؤ۔ تو اب میں کیوں نہ یہ کہہ دوں کہ وہ چند نور کے مجسمے تھے جو قرب پروردگار عالم میں کھڑے تھے اور قطار باندھے کھڑے تھے۔ جن کی طرف اشارہ کرکے پروردگار عالم فرشتوں کو دکھا رہا تھا اور پوچھ رہا تھا کہ ان کے نام مجھے بتاؤ۔ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ط اگر تم سچے ہو تو یہ سچے اور جھوٹے کا یہاں کیا موقع تھا۔ فرشتے تو معصوم تھے وہ جھوٹ کب بول سکتے تھے۔ ان کو جھوٹ بولنا آتا ہی نہیں تھا اور انہوں نے جھوٹ کبھی بولا ہی نہیں تھا۔ یعنی پروردگار عالم فرشتوں سے فرما رہا ہے کہ اگر تم اپنے خیال میں ٹھیک ہو کہ تم سب کچھ علم رکھتے ہو اور سب کچھ جانتے ہو تو بتاؤ مجھ کو ان کے نام دیکھوں تو تم کتنے عالم ہو اور تمہارا زور علم کتنا ہے

دیکھئے پروردگار عالم نے فرشتوں کے علم کی پکڑ کی۔ کیونکہ انہوں نے اپنا زور علم ہی تو جتایا تھا کہ تو جس کو خلیفہ بنا رہا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ فساد کرے گا اور خونریزی کرے گا۔ تو گویا فرشتے تو جانتے تھے اور ان کو علم تھا مگر جس بات کو معاذ اللہ خدا نہیں جانتا تھا۔ تب ہی تو یہ کہہ کر ان کو جھڑک دیا تھا کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اب یہاں پروردگار عالم نے فرشتوں کی وہی بات پکڑ لی کہ آدم کو دیکھ کر تو اس کی سیرت پر حکم لگا دیا تھا اب ان کو دیکھ کر کیا کہتے ہیں۔ اس لئے پوچھتا ہے کہ سیرت تو تم کیا بتاؤ گے ذرا ان کے نام ہی مجھے بتا دو کہ کس کس کا کیا کیا نام ہے۔

غور کریں آپ پروردگار عالم کس حسن و

خوبی سے فرشتوں کے اعتراض کا جواب دے رہا ہے۔ اس وقت جب فرشتوں نے اعتراض کیا تھا یہ کہدیا تھا کہ جس بات کو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ یہ فرشتوں کے اعتراض کا شافی جواب نہیں تھا۔ ڈر کے مارے چاہے فرشتے خاموش ہو جاتے مگر دل میں یہی رہتا اور یہی کہتے کہ یوں تیری مرضی مگر بات تو یہی ہے جو ہم نے کہی۔ یعنی اپنے خیال میں پختہ رہتے اور اپنے اعتراض کو صحیح سمجھتے اور اپنے استحقاق کو مستحکم مانتے۔ کیوں اس لئے کہ آخر فرشتے تھے۔ خلقت نوری تھے۔ معصوم تھے اور پھر جس وقت آدم کا پتلہ بنا تھا ان کے سامنے بنا تھا دیکھ رہے تھے کہ مٹی اور پانی سے بنایا جا رہا ہے۔ مٹی اور پانی میں نورانیت کہاں۔ کثیف شئے سے تو کثافت ہی ظاہر ہوگی۔ اس میں ان کو فساد ہی نظر آیا۔ خونریزی نظر آئی۔ ترک اولیٰ بھی دکھائی دیا۔ اسی لئے انہوں نے سمجھا اور اپنے نزدیک صحیح سمجھا کہ جس کی خلقت ایسی کثیف ہو اس سے نورانی افعال کیونکر صادر ہو سکتے ہیں۔ وہ ظاہر بظاہر دیکھ رہے تھے اور دل میں سمجھ رہے تھے مگر یہ سوءِ ادب تھا کہ اس کی خلقت اور ماہیت پر اعتراض کرتے نہیں بلکہ اس کی صفات ظاہر کریں اور اپنی صفات ظاہر کریں تاکہ پروردگار عالم خود موازنہ کرے اور انصاف فرمائے اور ہماری دلیل کو قبول فرمائے۔ اور ہمارے استحقاق کو مان لے مگر خدا کس خوش اسلوبی سے فرشتوں کو ان کے زعم ناقص پر منفعل کرتا ہے۔ نور کے مجسموں کو ان کے سامنے برابر برابر کھڑا کر دیتا ہے اور پوچھتا ہے اَنْبِئُونِي بِاَسْمَاءِ هٰٓؤُلَاءِ مجھے صرف ان کے نام بتا دو۔ نام کیوں پوچھتا ہے نام اسلئے پوچھتا ہے کہ نام ہی وہ چیز ہے جس سے معنی اس شئے کے سمجھ میں آتے ہیں جس کا وہ نام ہے۔ اور درحقیقت نام وہی ہے جس سے معنی سمجھ میں آئیں اور اگر نام سے کچھ معنی سمجھ میں نہ آئیں تو وہ نام نہیں ہے۔ بلکہ لفظ مہمل ہے۔ اور معنی کس کو کہتے ہیں۔ معنی وہ جملہ صفات ہیں جو کسی شئے میں قدرت کے عطا کردہ پائے جاتے ہیں اور جن کو اسی شئے کا نام اپنے اندر لئے ہوئے ہوتا ہے۔ گویا نام وہ کوزہ ہے جس میں معنی کا سمندر سمویا ہوا ہوتا ہے۔ ایک مثال یہاں پیش کردوں تو مطلب واضح طور سے سمجھ میں آجائے گا۔ ایک شئے رقیق اور بہنے والی ہوتی ہے۔ صاف و شفاف ہوتی ہے۔ بے بو بے ذائقہ اور بے رنگ ہوتی ہے۔ کنوئیں یا سمندر میں پائی جاتی ہے۔

مان سے بھی برستی ہے۔ پیاس بجھاتی ہے۔ وانات اور نباتات کی زندگیوں کے لئے زوری ہوتی ہے۔ اس کا نام ہم نے رکھا ہے پانی۔ اب جو وقت بھی یہ نام آپ کے سامنے آجائے گا اسی وقت آپ کے دماغوں میں پانی تصور مع اس کی جملہ صفات کے آجائے گا ور کوئی شخص بھی اس نام کو سن کر دودھ کا صور اپنے دماغ میں نہیں لائے گا۔ تو یہ نام ہی ہے جس سے اس شے کی جس کا وہ نام ہے دماغوں میں پوری پوری تصویر کشی ہو جاتی ہے۔ اور گویا وہ شے بحیثیت مجموعی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے تو آپ خلاق عالم نور کے مجسموں کو فرشتوں کو دکھا رہا ہے اور پوچھ رہا ہے کہ ان کے نام بتاؤ۔ گویا فرشتوں کا امتحان لے رہا ہے۔ کس چیز میں۔ علم میں۔ سمجھ میں۔ فہم میں۔ فراست میں۔ ادراک میں۔ مجسمے نور کے ان کے سامنے کر دیئے ہیں سوال برابر ہو رہا ہے ان کے نام بتاؤ۔ مگر فرشتے خاموش ہیں نام نہیں بتا سکے۔ نور کے مجسموں کو دیکھ رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ان کے کیا نام ہو سکتے ہیں جتنا دیکھتے ہیں اور غور کرتے ہیں حسن ہی حسن نظر آتا ہے قبح کا تو کوئی چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ یاد رہے۔ کہ فرشتوں کو نام نہیں بتائے گئے ہیں بلکہ شئے دکھائی جا رہی ہے۔ امتحان لیا جا رہا ہے کہ آدم کے پتلے میں تو کثافت دیکھ کر حکم لگا دیا تھا کہ فساد کرے گا خونریزی کرے گا۔ اب اپنی نورانیت اور حسن کو دیکھ کر کیا کہتے ہیں کوئی نام تجویز کر کے بتاتے ہیں یا نہیں۔ مگر فرشتے مجبور ہو گئے سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے کیا نام ہو سکتے ہیں۔ آخر اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور ذات خداوندی پر جو اعتراض وارد کیا تھا اس کی تلافی یہ کہہ کر کی سبحانک پاک ہے تیری ذات ہر برائی اور نقص سے اے معبود ہم نے بڑی غلطی کی لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ہم کو ان کے ناموں کا علم نہیں ہے اتنی قابلیت بھی نہیں ہے کہ ہم خود ان کے نام تجویز کر سکیں ہم کو تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے دیا ہے اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ بے شک صاحب علم اور صاحب حکمت تو ہی ہے۔

اب پروردگار عالم نے دیکھا کہ فرشتے اپنی غلطی پر منفعل ہو گئے اور اپنے جہل کا اعتراف کر لیا تو اب حضرت آدم کو آواز دی یا آدم انبئھم باسمائھم اے آدم اب تم ان کو ان کے نام بتاؤ۔ معلوم ہوا کہ فرشتے اس قابل نہیں تھے کہ پروردگار عالم خود ان کو ان ناموں کی تعلیم دیتا بلکہ اپنے خلیفہ اور اپنے شاگرد سے کہا کہ تم

ان کو ان کے نام بتاؤ گویا اب فرشتوں کو ان کی کمتری دکھلا رہا ہے اور ان کو آدم سے پست درجہ پر ہونے کا احساس کرا رہا ہے۔ فرماتا ہے حضرت آدم سے تم ان کو انکے نام تعلیم کرو یاد رہے کہ حضرت آدم کو نام بتائے جا چکے ہیں۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ کس کے یہ نام ہیں۔ اور کون سا نام کس کا ہے نہ نام والے اس سے قبل ان کو دکھائے گئے تھے۔ یہ آدم کی عقل، سمجھ، فہم۔ فراست اور ادراک کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ فرشتوں کا امتحان لیا جا چکا ہے وہ مجسموں کو دیکھ کر ان کے نام تجویز کر کے نہیں بتا سکے تھے یعنی امتحان میں فیل ہو گئے تھے پہلے امتحان سے یہ امتحان سخت ہے حضرت آدم کو مجسموں کو دیکھ کر ان کے اوصاف و خواص حسن و قبیح کو سمجھنا ہے پھر ناموں کو غور کر کے ان کے معنی سمجھنا ہے پھر دونوں کی مطابقت کر کے ہر ایک مجسمہ پر نام کو صحیح منطبق کرنا ہے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا فرشتوں کے امتحان سے کم از کم دوگنا سخت ضرور تھا مگر فلما انبأهم بأسمائهم حضرت آدم فرشتوں کو ان مجسموں کے نام بتاتے ہیں۔ کس طرح بتاتے ہیں۔ غالباً

حضرت آدم نے پہلے مجسمے کو دیکھا تو دیکھا کہ وہ قرب پروردگار عالم میں سب سے قریب اور سب سے بلند مقام پر ہے اور پروردگار عالم کی نظر رحمت و حمد براہ راست اس پر پڑ رہی ہے تو کہا اے عز... یہ محمد ہے اور مصطفیٰ ہے۔ پھر دوسرے مجسمے کو دیکھا تو د... و جلال اور شجاعت و علو ہمت کو اس کے چہرے سے ہو... عرض کی اے خدائے اعلیٰ یہ تو علی ہے۔ پھر تیسرے مجسمے پر... ڈالی تو نظر جھپکی آنکھیں خیرہ ہو کر نظر نیچی ہو... کیونکہ اس میں سے عصمت و طہارت کی شعا... کر نکل رہی تھی اور کچھ ایسے انوار قدسیہ اس... چمک رہے تھے کہ جن کے حسن کی شعاعیں... پھوٹ رہی تھیں کہ حجاب نظر نہیں تھا حضرت... نے عرض کی اے فاطر ارض و سماء یہ فا... پھر چوتھے مجسمے کو دیکھا تو اس کو سر سے... پیر تک اخلاق حسنہ کا مجسم نمونہ پایا اور ... سنجیدگی اور سکون کی تموجات اس سے بلند ہو... تھیں کہا اے احسن الخالقین یہ حسن مجتبیٰ ہے پانچویں مجسمہ پر نظر ڈالی تو کیا دیکھتے ہیں کہ مجسم... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خون میں نہایا ہوا ہے سرخی اور چمک اس کے چہرے سے پھوٹ رہی ہے صبر و سکون ہمت و شجاعت اور استقلال کے ارتعاشات اس سے بلند ہو رہے ہیں۔ اس کی گردن سے... اور ایک خط زردی خونچکاں سا نظر آ رہا ہے۔ حضرت... کی آواز گلوگیر ہو گئی ہوگی اور عرض کیا ہوگا کہ نادر مطلق اور شاہد اعظم اس مجسمہ کا نام حسین بنتا ہے مگر پروردگار یہ اس کا کیا حال ہے

جَنّتُ الفِردَوس والے

مسلم عباس منیجر المعرفت

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ
لاتِہِمْ خاشِعُوْن۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ
ضُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فاعِلُوْنَ
الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُروجِھِمْ حافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی
وَاجِھِمْ اَوْ ما مَلَکَتْ اَیْمانُھُمْ فَاِنَّھُمْ
مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَاءَ ذٰلِکَ
لٰئِکَ ھُمُ العادُوْن۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰا
تِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی
لَوٰتِھِمْ یُحافِظُوْنَ
اُولٰئِکَ ھُمُ الوارِثُوْنَ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ
فِرْدَوْسَ ھُمْ فِیْھا خالِدُوْنَ

س مومنون۔ پ ۱۸ ع ۱

فلاح ونجات ہے ان مومنین کے لئے
و نماز خضوع وخشوع کے ساتھ پڑھتے ہیں
ان کے لئے نہیں جو نماز پڑھتے ہی نہیں یا پھر
ٹے دار پڑھتے ہیں) اور ان کے لئے جو لغویات
نا بجانا۔ کھیل کود وغیرہ) سے دور رہتے
ان کے لئے بھی کامیابی ہے۔ جو مال میں زکوٰۃ
مس) وغیرہ ادا کرتے رہتے ہیں نیکوکار
ک دامن اور عفت مآب مومنین بھی نجات یافتہ

ہیں (نہ کہ داد عیش وعشرت دینے والے) ہاں البتہ اپنی بیویوں اور کنیزوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو حلال ہی اس لئے کی گئی ہیں کہ حرام اور بدکاری سے دامن ملوث نہ ہونے پائے۔ اور جو لوگ اپنی حدود سے ہٹ کر اور کسی غیر شرعی طریقہ سے شہوت پرستی کی ہوس کرے گا تو وہ حدود خدا سے آگے بڑھنے والا ہے۔ یعنی ظالم ہے۔

جو لوگ امانتدار ہیں اور اپنے وعدوں اور عہدوں کا لحاظ رکھنے والے ہیں (بد عہد اور خائن لوگوں کے لئے جنت نہیں) جنت ان کی ہے۔

اور جو لوگ نمازوں کے سختی سے پابند ہیں بیشک جنت الفردوس انہی کی ہے اور ایسے ہی لوگ فردوس کے وارث ہیں۔ اب جو لوگ نماز کی اہمیت ہی نہیں سمجھتے ذرا غور کریں کہ خدا نے جنت کا کن لوگوں سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ کاش اب بھی آنکھیں کھل جائیں اور غفلت کے پردے چاک ہو جائیں۔

ان کو ان کے نام بتاؤ گویا اب فرشتوں کو ان
کی کمتری دکھلا رہا ہے اور ان کو آدم سے پست
درجہ پر ہونے کا احساس کرا رہا ہے۔ فرماتا ہے
حضرت آدم سے تم ان کو ان کے نام تعلیم کرو
یاد رہے کہ حضرت آدم کو نام بتائے جا
چکے ہیں۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ کس کے یہ نام
ہیں۔ اور کون سا نام کس کا ہے نہ نام والے اس
سے قبل ان کو دکھائے گئے تھے۔ یہ آدم کی عقل و
سمجھ و فہم۔ فراست اور ادراک کا امتحان لیا جا
رہا ہے۔ فرشتوں کا امتحان لیا جا چکا ہے وہ
مجسموں کو دیکھ کر ان کے نام تجویز کر کے نہیں
بتا سکے تھے یعنی امتحان میں فیل ہو گئے تھے پہلے
امتحان سے یہ امتحان سخت ہے حضرت آدم کو
مجسموں کو دیکھ کر ان کے اوصاف و خواص ان
کو سمجھنا ہے پھر ناموں کو غور کر کے ان کے معنی
سمجھنا ہے پھر دونوں کی مطابقت کر کے ہر ایک
مجسمہ پر نام کو صحیح منطبق کرنا ہے۔ یہ بڑا مشکل
کام تھا فرشتوں کے امتحان سے کم از کم دو گنا
سخت ضرور تھا مگر فلما انبئھم باسمائھم
حضرت آدم فرشتوں کو ان مجسموں کے نام
بتاتے ہیں۔ کس طرح بتاتے ہیں۔ غالباً
حضرت آدم نے پہلے مجسمے کو دیکھا تو دیکھا
کہ وہ قرب پروردگار عالم میں سب سے قریب
اور سب سے بلند مقام پر ہے اور پروردگار عالم کی

نظر رحمت وحمد براہ راست اس پر پڑ رہی ہے تو کہا اے خو...
یہ محمد ہے اور مصطفیٰ ہے۔ پھر دوسرے مجسمے کو دیکھا تو ...
و جلال اور شجاعت و علو ہمت کو اس کے چہرے سے ...
عرض کی اے خدائے اعلیٰ یہ تو علی ہے۔ پھر تیسرے مجسمے ...
ڈالی تو نظر جھجکی آنکھیں خیرہ ہو کر نظر نیچی ہو ...
کیوں کہ اس میں سے عصمت و طہارت کی ...
کر نکل رہی تھی اور کچھ ایسے انوار قدسیہ ...
چمک رہے تھے کہ جن کے حسن کی شعاعیں ...
پھوٹ رہی تھیں کہ مجال نظر نہیں تھی حضرت آ...
نے عرض کی اے فاطر ارض و سماء یہ فاطمہ ...
پھر چوتھے مجسمے کو دیکھا تو اس کو سر سے ...
پیر تک اخلاق حسنہ کا مجسم نمونہ پایا اور ...
سنجیدگی اور سکون کی تموجات اس سے بلند ہو ...
تھیں کہا اے احسن الخالقین یہ حسن مجتبیٰ ہے ...
پانچویں مجسمہ پر نظر ڈالی تو کیا دیکھتے ہیں کہ مجسمہ ...
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خون میں نہایا ہوا ہے ...
سرخی اور چمک اس کے چہرے سے پھوٹ رہی ہے لیکن ...
صبر و سکون ہمت و شجاعت اور استقلال کے ...
اور نشانات اس کے بلند ہو رہے ہیں۔ اس کی گردن ...
اور ایک ٹیڑھی سی خونچکاں سا نظر آ رہا ہے۔ حضرت ...
کی آواز گلوگیر ہو گئی ہوگی اور عرض کیا ہوگا کہ ...
ناد رمطلق اور شاہد اعظم اس مجسمہ کا نام حسین ...
بتاتا ہے مگر پروردگار یہ اس کا کیا حال ہے

جنت الفردوس والے

مسلم عباس مینجر المعرفت

قد افلح المؤمنون الذین ھم فی
تہم خاشعون۔ والذین ھم عن اللغو
ضون والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون
لذین ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ
واجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم
ملومین فمن ابتغیٰ ورا ذالک
لئک ھم العادون۔ والذین ھم لاما
ھم وعھدھم راعون والذین ھم علیٰ
اتہم یحافظون
اولئک ھم الوارثون الذین یرثون
دوس ھم فیھا خالدون
س مومنون۔ پ ۱۸ ع ۱

فلاح ونجات ہے ان مومنین کے لئے
ناز خضوع وخشوع کے ساتھ پڑھتے ہیں
نکے لئے نہیں جو نماز پڑھتے ہی نہیں یا پھر
ے وار پڑھتے ہیں) اور ان کے لئے جو لغویات
نا بجانا۔ کھیل کود وغیرہ) سے دور رہتے
ان کے لئے بھی کامیابی ہے۔ جو مال میں زکوٰۃ
س) وغیرہ ادا کرتے رہتے ہیں نیکوکار
سدامن اور عفت مآب مومنین بھی نجات یافتہ

ہیں (نہ کہ داد عیش وعشرت دینے والے)
ہاں البتہ اپنی بیویوں اور کنیزوں کے استعمال
میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو حلال ہی
اس لئے کی گئی ہیں کہ حرام اور بدکاری سے
دامن ملوث نہ ہونے پائے۔ اور جو لوگ اپنی
حدود سے ہٹ کر اور کسی غیر شرعی طریقہ سے شہوت
پرستی کی ہوس کرے گا تو وہ حدود خدا سے
آگے بڑھنے والا ہے۔ یعنی ظالم ہے۔

جو لوگ امانتدار ہیں اور اپنے وعدوں
اور عہدوں کا لحاظ رکھنے والے ہیں (بدعہد
اور خائن لوگوں کے لئے جنت نہیں) جنت ان
کی ہے۔

اور جو لوگ نمازوں کے سختی سے پابند ہیں
بیشک جنت الفردوس انہی کی ہے اور ایسے ہی
لوگ فردوس کے وارث ہیں۔ اب جو لوگ نماز
کی اہمیت ہی نہیں سمجھتے ذرا غور کریں کہ خدا نے
جنت کا کن لوگوں سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ کاش
اب بھی آنکھیں کھل جائیں اور غفلت کے پردے
چاک ہو جائیں۔

ڈگری میں انجمن حیدری کا قیام

۲۸ جون کو شہر ڈگری کے رہنے والے شیعہ حضرات کی ایک اہم میٹنگ ہوئی جس میں حسب ذیل قراردادیں پاس ہوئیں۔

۱:۔ ضروریات قومی کے پیش نظر ضروری ہے کہ ایک انجمن کا قیام ہو لہذا انجمن حیدری قائم کی گئی جس کے حسب ذیل عہدہ دار چنے گئے

صدر۔ میر فتح خان صاحب تالپور

نائب صدر:۔ حاجی سید طفیل حسین شاہ صاحب

اعزازی صدر:۔ میر جان محمد صاحب تالپور

اراکین:۔ جناب یحییٰ بھائی یوسف بھائی

حکیم اظہر الدین صاحب۔ سیٹھ یوسف بھائی۔

مستری غلام حسین صاحب۔

جمعدار محمد ہارون صاحب۔

سید فدا حسین شاہ صاحب

آرائیں میوہ خان صاحب

سید کارو شاہ صاحب

مسٹر غلام حسین صاحب بلوچ

سید چھٹل شاہ صاحب۔

" مقبول حسین شاہ صاحب۔

محمد رحیم صاحب۔

جنرل سکریٹری سید خیال حسین شاہ صاحب

جوائنٹ سکریٹری۔ عبد الستار صاحب

خزانچی:۔ سید برکت علی شاہ صاحب

ملازم نیشنل بینک آف پاکستان ڈگری

محمدؐ و آلِ محمدؐ کی گھریلو زندگی

علامہ سید ابن حسن صاحب قبلہ جارچوی

کہتے ہیں کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اور کسی جسم نامی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنا مثل پیدا کرے اور اخلاق و عادات کا جو ورثہ اس نے اپنے آبا و اجداد سے پایا ہے اس کو اپنی نسل میں منتقل کر دے اگر یہ بات سچ ہے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا تعارف حاصل کرنے کے لئے ہم کو امام حسنین علیہما السلام کی سیرت کا جائزہ لینا پڑے گا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ گلشن ہدایت کے یہ پھول اور چمن رسالت کے یہ دونوں نونہال بچپن ہی سے اپنے نانا کے قدم بقدم چلتے اور ان کی ہر نقل و حرکت کا اتباع فرماتے تھے۔

حضور صلعم کو بھی اپنے دونوں نواسوں سے بیحد محبت تھی کبھی سینے پر لٹاتے کبھی کندھے پر چڑھاتے کبھی زانو پر بٹھاتے اور فرمایا کرتے، یہ میرے باغ کے پھول ہیں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ سجدے میں مشغول ہیں دونوں میں سے کوئی نواسہ اگر پشت مبارک پر سوار ہو گیا حضرت اس وقت تک سر نہ اٹھاتے جب تک یہ خود ہی پشت مبارک سے نہ اتر جاتے۔ ایکدن کا ذکر ہے رسول مقبول صلعم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ دونوں نواسے لمبے لمبے عربی کرتے پہنے ہوئے گھر کے دروازے سے نکل کر ذوق و شوق کے عالم میں تیزی کے ساتھ منبر کی طرف بڑھے۔ کرتے میں پاؤں الجھا اور گر پڑے رسول مقبول بے چین ہو کر منبر پر سے اتر پڑے۔ بچوں کو گود میں اٹھا لیا پیار کر کے منبر پر ہی بٹھا لیا اور خطبہ جاری رکھا۔ عرب کے لوگوں نے رسول اللہ صلعم کے اس طرز عمل کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھا ہوگا اور آج بھی کہ تمدن، تہذیب، ثقافت اور کلچر کی دوڑ میں ہم بہت آگے نکل آئے ہیں۔ کسی عوامی قائد کسی حکمران اور مشغول سربراہ کے لئے یہ بات مناسب نہیں سمجھی جاتی کہ وہ اپنی اولاد سے اتنی محبت کرے کہ عوامی جلسے نجی جذبات کا مظہر بن کر رہ جائیں پبلک پلیٹ فارم اور گھریلو زندگی میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے مگر حضور سرور کائنات دین فطرت کے داعی اور قوانین قدرت کے پھیلانے والے تھے وہ یہ بتانے تھے کہ مذہب رہبانیت سی ہے نہ ترک دنیا۔ اللہ کی دی

قوتوں کو خیر و خوبی کے ساتھ بروئے کار لانا اور عقل و جذبات کے مناسب استعمال ہی کا دوسرا نام دین دھرم اور مذہب ہے۔

آپ نے عملاً ہم کو یہ تعلیم دی کہ انسان جبتک انسان ہے فطری تقاضوں اور قدرتی رجحانوں کو نظرانداز نہیں کرسکتا نروان کا مرتبہ پتھر کی مورتی کو حاصل ہوسکتا ہے یا بےحس حرکت برہما کو انسان جب تک انسانی جامے میں ہے اس کا کمال یہی ہے کہ نہ تو وہ حیوان مطلق کی طرح جبلت کا کھلونا بن کر رہ جائے اور نہ جذبات حسیات امیال و عواطف سے اس قدر معرا ہو جائے کہ بے جان و بے شعور مادے کی طرح بجائے آپ فرشتہ بن سکتے ہیں شاید لونا بھی بن سکتے ہوں مگر انسان بننا آسان نہیں

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

انسانیت مخلوق الٰہی کا سب سے بڑا نسب ہے انسان وہ ہے جو انسانی قوتوں کو بخیر و خوبی بروئے کار لائے اور حیوان مطلق اور ملائکۂ دونوں سے الگ رہ کر اپنے مفوضہ فرائض انجام دے یہ نظر نہ آئے کہ وہ مجبور محض ہے اور تقدیر کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہے یا ماحول کو مرعوب کرنے کے لئے فطری تقاضوں پر مصنوعی پردے ڈال رہا ہے قائد، رہنما، رہبر، نبی یا امام آتا ہی اس لئے ہے کہ ہمارے سامنے انسانی کردار کے اعلیٰ نمونے پیش کرے اور جبلت انسانی کو کچلنے کے بجائے اس کے صحیح مظاہرے کا طریقہ بتائے خدمت خلق یا سیاستدان کے کام کتنے ہی اہم ہی مگر وہ آدمی کو تہذیب نفس اور تدابیر منزل سے بے نیاز نہیں کرسکتے۔ اگر کوئی قائد سربراہ، مصلح یا رہبر عام مسائل میں اس قدر الجھا ہوا ہے کہ اس کو گھر کی فکر، بچوں کی خبر اور عائلی فرائض کا ہوش نہیں تو دراصل وہ انسانی کردار ادا نہیں کر رہا ہے۔

قاضی شہر کہ مردم ملکش می خوانند
قول ما نیز ہمیں است کہ او آدم نیست

تذکرہ محمد و آل محمد جلد دوم صفحہ ۱۳۱ پر راقم الحروف نے امام حسین علیہ السلام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام دونوں ابھی کمسن تھے اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لئے دونوں کو سنبھالنا مشکل تھا اس لئے حضرت ام المومنین ام سلمہ سلام اللہ علیہا اکثر آپ کو گود میں لے لیا کرتیں اور آپکی دیکھ بھال کرتیں وقت ملتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی اپنے اس پیارے نواسے کو گود میں لے لیتے۔ سینہ پر لٹاتے کاندھے پر چڑھاتے اور ہر قسم کی نازبرداریاں کرتے نام خدا جب ذرا بڑے ہوئے چلنے لگے تو خود مسجد میں پہنچ

جاتے اور زیادہ وقت نانا ہی کے پاس گذارتے امام حاکم اپنی کتاب مستدرک میں لکھتے ہیں ام سلمہؓ ناقل ہیں کہ رسول مقبول نماز پڑھا کرتے امام حسینؑ پشت مبارک پر سوار ہو کر کھیلا کرتے تھے۔

"جب کبھی امام حسین علیہ السلام روتے تو آپ بے چین ہو جاتے حسین کی آواز سے ملتی جلتی آواز بھی اگر رونے کی آجاتی تو آپ گھبرا جاتے اور تفتیش شروع کر دیتے اور لوگوں کو بھیجتے جب تک رونے کی آواز بند نہ ہو جاتی آپ کو چین نہ آتا۔

رسول مقبول صلعم کے اس طرز عمل پر اسوقت بھی بعض یہودیوں نے اعتراض کیا تھا اور آج بھی انسان نما شیطان جن کے دل جذبات سے خالی اور دماغ غور و فکر سے عاری ہیں اعتراض کر سکتے ہیں کہ قائد لیڈر اور رہبر راہ کے لئے گھریلو زندگی سے اس قدر مانوس ہونا مناسب نہیں مگر یاد رکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف قائد ہی نہ تھے جو دنیا کو ظاہری ٹیپ ٹاپ اور حماکشی رعب داب سے مسحور کرنا چاہتا ہے وہ بادشاہ، ملک، قیصر، کسریٰ، دارا و فغفور نہ تھے جو اپنے آپ کو عام انسانوں سے بالا ثابت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں وہ انسانیت کا مکمل نمونہ تھے اور آدم کی اولاد کو انسان بنانے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی سے ثابت کیا کہ میں خدا کا بیٹا نہیں ہوں کہ خانگی اور عائلی ذمہ داریوں کو سنبھالنا اپنے لئے کسر شان سمجھوں نہ سادھو جوگی بھکشو اور راہب ہوں کہ ترک دنیا کر کے جنگل میں جا بیٹھوں میں انسانی مشاغل کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں اور ہر مفید کام کے اندر تقدس خوشگواری اور برکت پیدا کرنے کے لئے آیا ہوں، پہلے لوگ خانگی عائلی، اور منزلی زندگی کو پاپ سمجھکر بسر کرتے تھے میں اس کو پن ثواب اور روحانی شغل کا درجہ بخشنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جنت کا پیش خیمہ ہے، گھر بار چھوڑنا بیوی بچوں سے منھ موڑنا پن نہیں پاپ ہے۔ اور ابدی زندگی اور دائمی نجات مقدس اور معاشرتی رشتوں کو توڑنے سے نہیں بلکہ ان کو استوار کرنے سے ملتی ہے وہ کام جو ہم یہاں کرتے ہیں آخرت میں پھولتے پھلتے اور ہماری روحانی ترقی کا دروازہ کھولتے ہیں ہی تذکرہ محمد و آل محمد کی جلد دوم صفحہ ۱۳۵ پر یہ عبارت درج ہے۔

> دنیا کو معلوم ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب صاحبزادے کم سنی میں وفات پا چکے تھے یہ نواسے ہی تھے جن کے ذریعہ سے آپ کی نسل بڑھنے اور تعلیم پھیلنے کی امید ہو سکتی تھی اس لئے آپ نے پوری کوشش کر کے ان بچوں کو اپنی سیرت کا آئینہ دار اپنے کردار کا نمونہ اپنے مشن کا داعی بنا دیا

تعلیم و تربیت کا کوئی ایسا نہ تھا جس کو رسول اکرم نے نظر انداز کیا ہو یا دونوں بچے اس سے مستفید نہ ہوئے ہوں جب باہر سے وفد آنے لگے سیاسی، معاشی اور معاشرتی سمجھوتے، معاہدے اور مذاکرات ہونے لگے تو یہ پاس بیٹھے سنتے تھے۔ ذہین نکتہ رس اور طباع تو تھے ہی جو سنتے دماغ میں محفوظ رکھتے اور موقع و محل پر اس سے کام لیتے۔

دن گذرتے رہے حسنؑ و حسینؑ ماں باپ کے زیر سایہ اور نانا کے زیر تربیت دن دونی رات چوگنی ترقی کرتے رہے ہم سب کو معلوم ہے کہ اسلام کے احکام بیک وقت نہیں بلکہ آہستہ آہستہ نازل ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو دینی ڈسپلن اور مذہبی قاعدوں کا رفتہ رفتہ پابند بنایا گیا ہے جب ماہ رمضان کے روزے واجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے خاتمہ پر عید منانے کا حکم دیا ہے اور مہینے بھر کی آزمائش کے بعد مسلمان اس تہوار کو دھوم دھام سے منانے لگے حسنؑ و حسینؑ علیہما السلام کے بچپن ہی میں ایک عید اس طرح آئی کہ گھر میں نئے کپڑوں کا انتظام نہ تھا۔ تذکرہ محمد و آل محمدؐ میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے

عید کے کپڑے

ولی ہوں یا نبی، امام ہوں یا رسول، ہوتے تو آخر انسان ہی ہیں۔ ان کے پہلو میں بھی دھڑکتا ہوا دل ہوتا ہے دل میں آرزوؤں اور تمناؤں کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ پھر بچپن کا زمانہ تو بہت ہی سادگی معصومیت اور نت نئے تقاضوں کا۔ بچہ ماں باپ سے ضدیں کرتا ہے۔ روتا ہے مچلتا ہے اور اپنی بات منوا کر چھوڑتا ہے ہم نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بڑے بڑے کارنامے پڑھے ہیں ہم ان کو اسلام کا بہت بڑا ہیرو سمجھتے ہیں ان کے حالات زندگی کو عظمت و افتخار کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر ان کے بچپن کے واقعات اور کمسنی کے حالات ہم تک بہت کم پہنچے ہیں آیئے آج آپ کو ان کے عہد طفلی کا ایک واقعہ سنائیں جس سے معلوم ہوگا کہ انسانی فطرت شاہ و گدا امیر و فقیر اور نبی و ولی ہر ایک کے اندر یکساں طور پر کارفرما ہوتی ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حسن و حسین کے بچپن میں ایک سال عید قریب آگئی۔ مدینے کے بچوں کے ماں باپ اپنی اولاد کے لئے زرق برق لباس کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے مگر حسینؑ و حسنؑ

ے پاس پہننے کے لئے کچھ نہ تھا دونوں بھائی اپنی ادر گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادب سے جھک کر کہنے لگے۔

اماں جان عید کا دن آ رہا ہے سارے سب بچے عمدہ عمدہ لباس پہنکر عید گاہ جائینگے ہمارے کپڑوں کا ابھی تک کچھ انتظام نہیں ہوا اگر ہم کو نئے کپڑے میسر نہ آئے تو ہم چشموں میں سبکی اور ساتھیوں سے شرمندگی ہوگی۔

بھولے بھالے بچوں کی باتیں سن کر سیدہ عالم کو بے حد قلق ہوا۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ علی علیہ السلام بہت سے سخی تھے محنت مزدوری کر کے جو کچھ کماتے وہ اللہ کی راہ میں دے ڈالتے اسی لئے ہمیشہ تنگی ترشی سے بسر ہوتی تھی نئے کپڑے تو بڑی چیز ہیں روکھی سوکھی روٹی بھی مشکل سے میسر آتی تھی حضرت فاطمہ نبی زادی ہونے کے ساتھ ساتھ ماں کا دل بھی رکھتی تھیں بچوں کی بھولی بھالی باتیں سن کر دل بے چین ہو گیا۔ ماں تا کہ یہی تھی کہ بچوں کا دل میلا نہ ہو اور گھر کی حالت بتا رہی تھی کہ یہ فرمائش کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔ حضرت فاطمہ کبھی بچوں کی ضد کا خیال کرتیں اور کبھی اپنی عسرت پر نظر ڈالتیں۔ آخر دل بہلانے کے لئے فرما دیا۔

بچو! عید تو آنے دو تمہارے کپڑوں کا بھی اللہ کوئی انتظام کر ہی دے گا۔

دن گذرتے کیا دیر لگتی ہے۔ آخر وہ رات آپہنچی جس کی صبح کو عید ہونے والی تھی۔ اب بچے ہمہ تن انتظار بنے ہوئے تھے ننھی ننھی آنکھیں دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ذرا آہٹ ہوتی تو کان کھڑے ہو جاتے آخر دروازے پر آکر کسی نے پکارا۔

اے رسول کی بیٹی! بچوں کے کپڑے لے کر آیا ہوں" حسنین خوشی خوشی دوڑے ہوئے گئے اور ایک بقچہ لے کر گھر میں آئے۔ کھولا تو دو ننھی قمیضیں تھیں دو پاجامے دو دو عمامے اور دو دو ردائیں اور دو دو موزے نکلے کپڑا اتنا اچھا اور تراش خراش ایسی نفیس کہ دیکھنے والے عش عش کرتے تھے تھوڑی دیر کے بعد رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ادھر آنکلے بچوں نے خوشی خوشی اپنے کپڑے دکھائے۔ آپ نے دونوں نواسوں کو گلے سے لگایا اور دیر تک منہ چومتے رہے

پھر ارشاد فرمایا کچھ خبر بھی ہے یہ کپڑے کہاں سے آئے ہیں۔؟

بچوں نے کہا درزی دے گیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو یہ عمدہ عمدہ لباس اسی کا عطیہ ہے۔ یہ خلعت فاخرہ اسی نے بھیجا ہے اور لانیوالا اسی کا بھیجا ہوا کوئی فرشتہ تھا۔ (صواعق محرقہ)

فاطمہ زہرا کے در کی عظمت اور گھر کی جلالت کا کیا کہنا جہاں فرشتے حاضری دیتے اور ملائکہ آسیا گردانی کرنے آتے تھے کچی اینٹ اور گارے کا یہ مکان تاج محل اور لال قلعہ سے زیادہ پائیدار اور طاق کسریٰ قصر مدائن اور اہرام مصر سے زیادہ مستحکم نکلا کہ ان سب کی

عظمت کا آفتاب اور رونق کا ماہتاب چند دن چمک کر غروب ہو گیا مگر فاطمہ کا گھر دنیا کو آج بھی ترقی کی راہ دکھا رہا ہے۔ یہ گھر تھا جہاں دن رات قرآن مجید کی آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں ہرچند کہ مالی وسائل محدود اور معاشی ذرائع کم تھے۔ مگر کوئی بھوکا اس در سے محروم نہیں گیا اور کوئی منگتا نا امید نہیں پلٹا۔ اس گھر کے مالک سے کسی نے کہا کہ حاتم کی سخاوت کا کوئی کیا مقابلہ کرے گا۔ کوئی بارہ دری بنواتا ہے اس نے چہل درہ بنوایا تھا ایک ہی سائل ہر دروازہ سے اکثر مانگتا تھا اور وہ دریا دل ہر در سے کچھ نہ کچھ دیتا تھا۔ یہ علی پر چوٹ تھی کہ آپ کے لے دے کر ایک گھر ہے جس میں ایک دروازہ ہے آپ حاتم کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ حضرت علی کا برجستہ جواب سنیئے۔ فرماتے ہیں ایک ہی در سے اتنا کیوں نہ دے دیا جائے کہ دوسرے در سے آنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

یہ افصح العرب کی حاضر جوابی نہ تھی بلکہ حقیقت کا اظہار تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ علی و فاطمہ کے گھر پر کوئی سائل ایسا نہیں آیا جو منھ مانگی مراد لے کر نہ گیا ہو، اندھے ٹٹولتے ہوئے آتے اور آنکھیں لے کر جاتے۔ بیمار، اپاہج، لنگڑے لولے، دوسروں کے کاندھوں پر چڑھ کر اور سواریوں پر لد لد کر پہونچے اور گھوڑے کی طرح کودتے ہوئے واپس ہوتے۔ اس گھر نے ناداروں کو مالا مال اور حاجتمندوں کو نہال کر دیا۔ روٹی کا ٹکڑا مانگنے والوں کو اونٹوں کی قطار دی۔ اور اونٹ کی مہار پکڑنے والوں کو عنان حکومت بخش دی جب عالم پر جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اس گھر سے علم کی روشنی پھیل رہی تھی۔ جب دنیا کالے گورے، امیر، غریب کے امتیاز پر جان دیتی تھی یہ گھر انسانی مساوات کا عملی مظاہرہ کر رہا تھا۔ قنبر کا لباس اپنے آقا سے بہتر ہوتا تھا۔ گھر کا کام ایک دن جناب فضہ کرتی تھیں دوسرے دن سیدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا یہ خدمت انجام دیتی تھیں۔

چشم فلک نے چاندی سونے، سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کے مکان تو دیکھے ہوں گے علم و عمل کے یہ نمونے کسی دوسرے گھر میں ہوں تو نشان دہی کیجئے۔ عدل معاشری اور مساوات انسانی کے جیتے جاگتے پیکر کسی اور جگہ پائے جاتے ہوں تو بتایئے۔ دنیا رسول مقبول کو کالی کملی والا کہتی ہے مگر اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ وہ جوگیوں اور بیراگیوں کی طرح تیاگ کر چکے تھے یا عیسائی راہبوں بدھ مت کے بھکشو اور صوفی درویشوں کی طرح ترک دنیا کئے بیٹھے ہوئے تھے ان کی کالی کملی کے نیچے علی و فاطمہ، حسین و حسن نظر آئیں گے یعنی وہ عائلی ذمہ داریوں اور خانگی فرائض سے الگ نہیں ہو گئے تھے اور تمدنی و مجلسی حقوق نظر انداز نہیں کر دیئے تھے۔ بلکہ اللہ

بیتُ المقدس

شامِ غریباں

بلال زبیری

مشرق وسطیٰ کا یہ عظیم خطہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے قبلۂ اوّل کا عظیم درجہ رکھتا ہے بلکہ دیگر اہل کتاب اقوام مثلاً امت موسیٰ، امت عیسیٰ، امت ابراہیم، امت لوط، اور امت سلیمان علیہما السلام کا بھی دینی مرکز ہے۔ یہی وہ ارض مقدس ہے جہاں مسجد اقصیٰ، تخت رب العالمین، مقبرہ سلیمان و داؤد علیہما السلام، اور صلیب مسیح، دیوار موسیٰ، مقام ابراہیم اور غار الانبیاء موجود ہیں۔ گو اس وقت فلسطین تقسیم ہو چکا ہے ایک حصہ یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ ایک حصہ شرق اردن کے ہاشمی سلطنت کے زیر کنٹرول ہے اور قبلۂ اوّل کا خاص علاقہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہے۔ اس خاص علاقہ میں روسیوں کا گرجا ہے جس کی اندرونی دیواریں سونے چاندی کی ہیں۔ اس کے ساتھ رومن کیتھولک عیسائیوں کا گرجا مزار مریم کے بالکل قریب مسجد اقصیٰ، مسجد عمرؓ اور تخت رب العالمین ہے۔ یہ علاقہ دنیا کے تمام اہل کتاب فرقوں کا مشترکہ طور پر متبرک اور مقدس مقام ہے۔

اسلامی جشن نوروز

دیگر عرب ممالک اور علاقوں کی طرح محرم کا چاند نظر آنے پر تین روز جشن نوروز منایا جاتا ہے اور فلسطین کے دونوں حصوں میں سرکاری چھٹی ہوتی ہے مسلمان نئے سال کے آغاز پر بلا تخصیص چھٹیاں مناتے اور عبادت کرتے ہیں نوروز کی تین روزہ تقریبات کے بعد ماحول معمول پر آجاتا ہے اور پھر ساتویں محرم کو ماتمی تقریبات کا آغاز ہوتا ہے جو گیارہویں محرم کی شام تک جاری رہتی ہیں۔ اس علاقہ میں شام غریباں محرم کی گیارہویں تاریخ کو منائی جاتی ہے اور اس میں مقامی مسلمانوں کے علاوہ ایسے زائر بھی شریک ہوتے ہیں جو حج کرنے کے بعد شام اور فلسطین کے مقدس مقامات کی زیارت کو آتے ہیں

وادیٔ لوط

یہ وادی بیت المقدس سے قریباً

قریباً ۲۲ میل دور جنوب مغرب میں واقع ہے یہاں پر آبادی زیادہ مسلمانوں کی ہے۔ ۴۰ فیصدی شیعہ ہیں۔ یہاں کے شیعوں کا عقیدہ ہے کہ وہ ان انبیاء کرام کے وارث ہیں جن کے مزار اسی علاقہ میں موجود ہیں مصالح نام کے ایک پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام سے قبل اس وادی میں گذرے ہیں ان کا مزار اس جگہ پر واقع ہے اور مزار کے قریب ہی شیعہ فرقہ کی آبادی ہے جو محرم کی ساتویں تاریخ سے ماتمی تقریبات کا آغاز کر دیتے ہیں۔ یہاں کے شیعہ سیاہ لباس نہیں پہنتے بلکہ صرف دائیں بازو پر سیاہ پٹی باندھتے ہیں جو ماتمی کیفیت کی مظہر تصور کی جاتی ہے ساتویں محرم کو پہلا جلوس علم نکالا جاتا ہے۔ علم کا نشان اس طرح ہوتا ہے کہ قریباً ۸ فٹ لمبی لکڑی کے ساتھ سیاہ رنگ کا ریشمی کپڑا جھنڈے کی طرح باندھتے ہیں۔ اس کپڑے پر قرآن مجید کی آیات اور کلمہ طیبہ درج ہوتا ہے اور لکڑی کے اوپر پنجہ . . . . . بنا ہوا ہوتا ہے۔ یہ جلوس علم ساتویں محرم کو بعد نماز فجر مسجد لوط علیہ السلام سے برپا ہوتا ہے اور وادی لوط کے اس مقام پر جاکر ختم ہوجاتا ہے جسے غار الانبیاء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

مسجد اقصیٰ

فلسطین میں سب سے اہم مقام مسجد اقصیٰ ہے یہ بہت بڑی مسجد ہے رقبہ کے لحاظ سے یہ مسجد لاہور کی شاہی مسجد سے بھی بڑی ہے محرم کی آٹھویں سے گیارہویں تک اس مسجد میں مجالس عزا منعقد ہوتی ہیں اور ماتمی جلوس برپا ہوتے ہیں اس مسجد کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضور نبی کریمؐ مکہ سے معراج کے لئے جب چلے تو سب سے پہلے اسی مسجد میں تشریف لائے مسجد اقصیٰ میں مختلف بزرگوں کے نام کے مصلے موجود ہیں ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ حسنین رضی اللہ عنہما کے نام سے منسوب ہیں جہاں ہر وقت عبادت جاری رہتی ہے۔ مسجد اقصیٰ میں حضرت علیؓ کے نام سے جو مصلیٰ منسوب ہے آٹھ محرم کی تمام تقریبات اسی جگہ منائی جاتی ہیں اس مصلے کے بالکل سامنے ... کا دروازہ ہے اس کے دوسری طرف ایک ... کمرہ موجود ہے جو عیسائیوں کا معبد ہے۔ اس ... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا ... تھا۔ اس کمرے کے قریب آکر عیسائی اس قدر ... ہیں کہ آہ و بکا سے شور پیدا ہو جاتا ہے۔ ا... علاوہ سات ایسے اور مقامات موجود ہیں ... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مختلف اذیتیں ... تھیں۔ ان مقامات پر دیواروں پر تصاویر ... ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس مقام پر کون ... دی گئی تھی۔ جب عیسائی ان تصاویر کو دیکھتے تو شدت غم سے دیواروں کے ساتھ ٹکر... روتے اور ماتم کرتے ہیں۔ بعض اوقات ماتم بھی کر...

اور کبھی کبھی ٹکر مارنے سے کئی عیسائی مر بھی جاتے ہیں ایسے عیسائیوں کو رومن کیتھولک کے عالمی گرجا میں فلسطین کا بڑا پادری خود دفن کرتا ہے یہ جگہ عیسائیوں کے لئے بڑی متبرک ہے

فرانسیسی پولیس

چونکہ مسجد اقصیٰ کا علاقہ بین الاقوامی کنٹرول میں ہے اس لئے ہر سال عشرۂ محرم کے آخری چار دنوں میں غیر ملکی پولیس کا انتظام کیا جاتا ہے جو تقریبات محرم کے موقعہ پر امن بحال رکھنے کی خدمت انجام دیتی ہے۔

عام طور پر فرانسیسی سپاہی ڈیوٹی پر لگائے جاتے ہیں مسجد اقصیٰ میں ساتویں محرم کی شام سے ہی مجالس عزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہر نماز کے بعد مجالس عزا ہوتی ہے۔ جس میں مختلف قبائل کے لوگ فضائل اور مصائب اہل بیت بیان کرتے ہیں ان مجالس میں شامل ہونے والے تمام افراد سیاہ نشان بازو پر باندھتے ہیں اور مقرر کا لباس سیاہ ہوتا ہے۔ قرآن خوانی زیادہ ہوتی ہے اور ماتم بہت کم ہوتا ہے۔

عام طور پر ان مجالس میں قریبی علماء بھی شامل ہوتے ہیں

خاموش جلوس

دسویں محرم کو بعد نماز فجر مجتہد ایک خاموش جلوس کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہیں اور مقام علیٔ قم کے قریب ایک منبر پر کھڑے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے بعد مجلس شروع ہوتی ہے جو نماز ظہر تک جاری رہتی ہے۔ اس روز ماتمی لباس پہنا جاتا ہے مسجد اقصیٰ کے آس پاس کی آبادی میں مختلف مقامات پر تعزیے نکالے جاتے ہیں اور علم کھڑے کئے جاتے ہیں۔ عین ظہر کی نماز کے وقت مفتی اعظم فلسطین (جس سال کا ذکر ہو رہا ہے مفتی اعظم سید امین الحسینی شامل ہوئے تھے) تشریف لاتے ہیں۔ ان کے ساتھ مختلف فقہا کے ماننے والے مالکی حنبلی، شافعی، حنفی، جعفری علماء بھی ہوتے ہیں انکی آمد پر نماز ادا کی جاتی ہے اور مفتی اعظم امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ عام طور پر شرق اردن کے بادشاہ یا ان کے نامزد نمائندے وزیر بھی سرکاری طور پر شامل ہوتے ہیں۔ نماز ظہر کے بعد نماز خوف بھی ادا کی جاتی ہے اور بعد میں مفتی اعظم فضائل اہل بیت بیان کرتے ہیں

فرزوق کے نوحے

دیگر ممالک کی طرح نوحہ خوانی کا بھی رواج ہے مشہور شاعر فرزدق کا جس نے سیدنا امام حسین علیہ السلام کو کربلا جانے سے روکا تھا اور جس کا دیوان مدح حسین و اہل بیت سے معمور ہے۔ اکثر نوحہ خواں اس موقعہ پر فرزدق کے اشعار پڑھتے ہیں اور ان اشعار میں اس قدر تاثر ہوتا ہے کہ ہر آنکھ اشک غم لاتی ہے۔ تھوڑے وقت کے بعد

مجلس ختم ہو جاتی ہے اور نماز عصر تک مسجد اقصیٰ کے بڑے دروازے پر چھوٹے چھوٹے تعزیوں کے جلوس پہنچ جاتے ہیں اور پھر یہاں ایک بڑا جلوس بن کر مسجد سلیمان کی طرف جاتا ہے اور جب جلوس مسجد سلیمان تک پہنچتا ہے تو کم و بیش بیس ہزار ماتم گسار ان حسین شامل ہو جاتے ہیں۔ اور آفتاب غروب ہونے تک یہاں نوحہ خوانی اور ماتم ہوتا رہتا ہے۔ اکثر ماتمی عراق، ہندوستان، ایران اور لیبیا وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ .... ہر دس پندرہ منٹ کے بعد اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ وضو کے بغیر کوئی شخص جلوس میں شامل نہ ہو اسی لئے جلوس کے ساتھ پانی کا معقول انتظام کیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ جلوس کے خاتمہ پر تمام علم اور تعزیئے مسجد سلیمان کے قریب دفن کر دیئے جاتے ہیں

تعزیوں کی قسمیں

یہاں پر مختلف اماموں کے نام پر الگ الگ تعزیئے نکالے جاتے ہیں عام تعزیئے کی لمبائی ۵ فٹ، چوڑائی تین فٹ ہوتی ہے یہ عموماً لکڑی اور کاغذ کے بنائے جاتے ہیں۔ ہر تعزیئے کے سامنے کے حصہ پر اس امام کا نام لکھا جاتا ہے۔ جس کے نام سے تعزیہ منسوب کیا جاتا ہے۔ حضرت عباسؑ سے منسوب شدہ تعزیہ کی ٹوپی پر پنجہ کا نشان ہوتا ہے۔

مسجد عمرؓ اور خواتین کی مجالس

محرم کے دنوں میں شیعہ عورتوں کے لئے مجالس عزا کا انتظام مسجد عمرؓ کے قریب صحن میں ہوتا ہے۔ چونکہ فلسطین کے مسلمانوں میں پردہ کا رواج ابھی تک موجود ہے اس لئے کوئی عورت مردوں کے جلوس میں یا مجالس عزا میں شامل نہیں ہوتی۔ عورتوں کے لئے مسجد عمرؓ کے صحن میں انتظام کیا جاتا ہے۔ عورتیں قبرستان کے دروازہ سے داخل ہوتی ہیں اور پھر مسجد اقصیٰ سے ہو کر باب سلیمان سے باہر چلی جاتی ہیں۔ چونکہ عورتوں کی خاص مجالس میں شامل ہونے کا موقع نہیں۔ اس لئے وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ عورتیں ماتم کرتی ہیں یا نہیں۔

شام غریباں

فلسطین کے مسلمان شام غریباں گیارہویں محرم کو مناتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ سے جلوس شروع ہو کر غار انبیاء میں ختم ہو جاتا ہے بعض عبادت کے لئے واپس مسجد اقصیٰ چلے آتے ہیں لیکن اکثر گھروں کو آ جاتے ہیں۔ گیارہویں کی صبح کو مسجد اقصیٰ چلے آتے ہیں لیکن اکثر گھروں کو آ جاتے ہیں۔ گیارہ کی صبح کو مسجد اقصیٰ اور مقبرہ سلیمان علیہ السلام کے درمیان ایک وسیع میدان میں جمع ہونے لگتے ہیں

یہ میدان میلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس
ان کے جنوبی کنارہ پر طور پہاڑ ہے جہاں
رت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے تھے۔
ی کنارہ پر غار انبیاء اور مزار خلیل موجود ہیں
کنارے پر مزار حضرت داؤد اور مقبرہ
رت بلقیس ملکہ سباء مقبرہ حضرت ذکریا یحییٰ
و دیں مشرقی کنارہ جھیل مردار ہے اس میدان
م و بیش پچاس لاکھ آدمی سما سکتے ہیں اسی
ان میں شام غریباں منائی جاتی ہے۔ ہر شخص
نص اپنی بساط کے مطابق نیاز دیتا ہے۔ اس
بعد مجلس فاتحہ خوانی ہوتی ہے اور مجتہد اعظم فاتحہ
تی پڑھتا ہے۔ اس کے بعد ماتم شروع ہوجا
اور یہ سلسلہ نماز عشاء تک جاری رہتا ہے۔
فاتحہ خوانی ہوتی ہے اور لوگ منتشر ہوجاتے ہیں
مختلف قبیلوں کے سردار علماء دین غیر ملکی سیاہ
ں باقاعدہ تیرہویں محرم تک موجود رہتے ہیں
رقل خوانی کے بعد وہ مجلس برخواست کرتے
۔ فلسطین میں محرم کی تعطیلات نویں سے تیرہویں
سرکاری چھٹی رہتی ہے اور ان دنوں میں گوشت
ستعمال ممنوع ہو جاتا ہے۔ سنیما شراب خانے بند
دیئے جاتے۔ سوائے خارجیوں اور یہودیوں کے
تمام مسلمان مجلس شام غریباں میں شامل ہوتے

ماہ جمادی الاوّل سنہ ۱۳۸۶ھ

نیک تاریخیں

۱ - ۲ - ۴ - ۶ - ۷ - ۸
۹ - ۱۲ - ۱۵ - ۱۷ - ۱۸
۱۹ - ۲۰ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۶
۲۷ - ۲۹ - ۳۰

بد تاریخیں

۳ - ۵ - ۱۰ - ۱۱
۱۳ - ۱۴ - ۱۶ - ۲۱
۲۴ - ۲۵
۲۸

۱۵ر جمادی الاوّل ولادت باسعادت
حضرت امام زین العابدین علیہ السلام
قمر در عقرب :- ۳ - ۴ - اور ۵ جمادی الاوّل سنہ ۱۳۸۶ھ

تاریخِ پاکستان ایک منظر میں

سوال

۱۔ قرارداد لاہور کا تشکیل پاکستان سے کیا تعلق ہے؟

۲۔ پاکستان کس سنہ ہجری میں بنا ؟

۳۔ پاکستان کب اقوام متحدہ کا رکن بنا۔ اور کس ملک نے مخالفت کی ؟

۴۔ پہلی دستوریہ کب اور کیسے منتخب ہوئی ؟

۵۔ پاکستان کا منشور آزادی کب منظور ہوا۔ ؟

۶۔ پاکستان کی پہلی مردم شماری کب ہوئی ؟

جواب

۱ قرارداد لاہور کا تشکیل پاکستان سے گہرا تعلق ہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے منٹو پارک میں مسلم لیگ نے باقاعدہ طور پر پاکستان کی قرارداد منظور کی۔

۲ پاکستان ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ یعنی شب قدر کی مقدس رات کو وجود میں آیا

۳ پاکستان ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کا رکن بنا افغانستان واحد ملک تھا جس نے پاکستان کے خلاف ووٹ دیا

۴ یہ دستوریہ متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں نے منتخب کی تھی یہ انتخابات ۲۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو منعقد ہوئے تھے۔

۵ پاکستان کا منشور آزادی جسے قرارداد مقاصد بھی کہتے ہیں ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو منظور ہوا قائد ملت لیاقت علی خان نے یہ قرارداد پہلی دستور ساز اسمبلی میں پیش کی تھی۔

۶ پاکستان کی پہلی مردم شماری ۲۸ فروری ۱۹۵۰ء

سوال	جواب
	کو شروع ہوئی اور ۲۰ مارچ کو اعداد و شمار کا اعلان کیا گیا جس کے مطابق ملک کی آبادی ، کروڑ ۵۶ لاکھ ۸۷ ہزار تھی
۷ خان لیاقت علی خان کی موت کہاں اور کیسے واقع ہوئی ؟	۷ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو خان لیاقت علی خان کو راولپنڈی میں شہید کر دیا گیا۔ مرحوم کمپنی باغ راولپنڈی میں جلسۂ عام میں قاتل سید اکبر کی گولیوں کا نشانہ بن گئے
۸ پاکستان کے دوسرے وزیر اعظم کون بنے اور کب تک رہے۔ ؟	۸ پاکستان کے دوسرے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین تھے۔ گورنر جنرل غلام محمد نے ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو ان کی وزارت توڑ دی اور محمد علی بوگرا کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔
۹ پہلی دستوریہ کب توڑی گئی	۹ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا اور دستوریہ کو کام کرنے سے روک دیا
۱۰ دستوریہ توڑنے کے خلاف کس نے رٹ دائر کی	۱۰ دستور ساز اسمبلی کے سپیکر مولوی تمیز الدین نے ۸ نومبر ۱۹۵۴ء کو دستوریہ توڑنے کے خلاف سندھ چیف کورٹ میں مقدمہ دائر کیا۔ ۹ فروری ۱۹۵۵ء کو سندھ چیف کورٹ نے دستوریہ توڑنے کے فرمان کو غیر قانونی قرار دیا۔ حکومت پاکستان نے اس فیصلے کے خلاف ۱۷ فروری کو فیڈرل کورٹ میں اپیل کی ۲۵ مارچ کو فیڈرل کورٹ نے سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کے خلاف پاکستان کی اپیل منظور کر لی جسٹس ۔

سوال	جواب
	اے آر کارنیلیس نے اختلافی نوٹ لکھا اس وقت فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس محمد منیر تھے۔
۱۱ پاکستان میں خواجہ ناظم الدین کے بعد کون کون وزیر اعظم بنے۔ اور کتنی مدت تک رہے۔؟	۱۱ خواجہ ناظم الدین کے بعد مارشل لار کے نفاذ تک چھ حکومتیں وجود میں آئیں اور عدم کو سدھار گئیں ۱۔ محمد علی بوگرا وزارت۔ اپریل ۱۹۵۳ء تا اکتوبر ۱۹۵۴ء ۲۔ محمد علی بوگرا وزارت۔ اکتوبر ۵۴ء تا مئی ۱۹۵۵ء ۳۔ چودھری محمد علی وزارت۔ مئی ۱۹۵۵ء تا ستمبر ۱۹۵۶ء ۴۔ حسین شہید سہروردی وزارت ستمبر ۵۶ء تا اکتوبر ۵۷ء ۵۔ چندریگر وزارت۔ دسمبر ۵۷ء تا اکتوبر ۱۹۵۸ء ۶۔ فیروز خاں نون وزارت دسمبر ۵۷ء تا اکتوبر ۱۹۵۸ء
۱۲ دوسری دستوریہ کب وجود میں آئی اور اس کے کتنے ارکان تھے؟	۱۲۔ ۲۱ جون ۱۹۵۵ء کو دوسری دستورساز اسمبلی کا الیکشن ختم ہوا۔ ۷ جولائی کو مری میں اس کا پہلا اجلاس شروع ہوا اس دستوریہ کو صوبائی مجالس قانون ساز نے منتخب کیا تھا اور اس کے ۸۰۔ ارکان تھے۔
۱۳ معاہدۂ بغداد سے پاکستان کا کیا تعلق تھا؟	۱۳۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان نے جمہوریہ ترکی کے ساتھ فوجی معاہدہ کیا۔ ۱۹۵۵ء میں ایسا ہی معاہدہ ترکی اور عراق کے درمیان ہوا۔ اسی سال پاکستان عراق اور ترکیہ نے ایک معاہدہ کیا جس میں بعد ازاں برطانیہ بھی شامل ہوگیا۔ اس معاہدہ کا مقصد رکن ممالک کے دفاع کو مستحکم اور مشرق وسطیٰ میں کمیونیزم کی جارحیت کا مقابلہ کرنا تھا۔ امریکہ اس کا پورا ممبر تو نہیں تھا لیکن اس کا نمائندہ بحیثیت مشیر

سوال	جواب
	معاون کی حیثیت سے اس دفاعی تنظیم کے اجلاس میں شرکت کرتا تھا۔ اس دفاعی تنظیم کا مرکز بغداد تھا۔ اسلئے اسکا نام معاہدۂ بغداد قرار پایا۔ ۱۹۵۸ء میں عراق میں فوجی انقلاب آیا تو یہ ملک امریکی بلاک سے الگ ہو گیا۔ نئی تنظیم قائم کی گئی۔ جس کو سینٹو کا نام دیا گیا اور اسکا مرکز انقرہ قرار پایا۔
۱۴۔ وحدت مغربی پاکستان کب وجود میں آئی؟	۱۴۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء میں وحدت مغربی پاکستان وجود میں آئی
۱۵۔ گورنر جنرل غلام محمد کب مستعفی ہوئے	۱۵۔ جولائی ۵۵ء میں غلام محمد کو رخصت دیکر آرام کرنے کا مشورہ دیا گیا اور ۶ر اکتوبر ۵۵ء کو وہ مستعفی ہوگئے اسکے بعد سکندر مرزا پاکستان کے چوتھے گورنر جنرل مقرر ہوئے اور بعد میں پاکستان کے پہلے صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔
۱۶۔ پہلا دستور کس کے عہد وزارت میں منظور اور نافذ ہوا	۱۶۔ ۸ر جنوری ۱۹۵۶ء کو چودھری محمد علی کے عہد وزارت میں وزیر قانون چندریگر نے پہلے دستور کا مسودہ اسمبلی میں پیش کیا۔ ۲۹ر فروری ۱۹۵۶ء کو دستور ساز اسمبلی نے رات کو ۱۱ بجکر ۵۰ منٹ پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین منظور کر لیا اور ۲۳ر مارچ ۵۶ء کو نافذ ہوا۔
۱۷۔ پاکستان میں مارشل لا کس نے نافذ کیا اور کب تک رہا؟	۱۷۔ اکتوبر ۸ ۱۹۵۸ء کو سکندر مرزا نے مارشل لاء نافذ کیا اور ۸ر جون ۱۹۶۲ء اٹھا لیا گیا۔
۱۸۔ بھارت کے ساتھ پانی کا معاہدہ کب ہوا؟	۱۸۔ ۱۹ر ستمبر ۱۹۶۰ء کو طاس سندھ کے معاہدہ پر دستخط ہوئے

سوال	جواب
	اور مسٹر نہرو نے دستخط کئے
۱۹۔ دوسرا دستور کس تاریخ کو نافذ ہوا	۱۹۔ دوسرا دستور مارشل لاء کی کابینہ نے وزیر خارجہ مسٹر منظور قادر کی رہنمائی میں مرتب کیا جسے ۲۳ مارچ ۱۹۶۲ء کو ایک آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کیا گیا
۲۰۔ یکم جولائی ۱۹۶۵ء کو ہماری قومی زندگی میں کیا اہمیت حاصل ہے۔؟	۲۰۔ یکم جولائی ۱۹۶۵ء کو تیسرے پنجسالہ منصوبہ کا آغاز ہوا۔ پہلا پنجسالہ منصوبہ کا اعلان چودھری محمد علی نے ۱۴ مئی ۱۹۵۶ء کو کیا۔ دوسرے پنجسالہ منصوبہ کا اعلان ۳۰ دسمبر ۱۹۶۰ء کو کیا گیا۔
۲۱:۔ معاہدہ استنبول کب ہوا اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟	۲۱:۔ جولائی ۱۹۶۴ء میں پاکستان نے معاہدہ استنبول پر دستخط کئے جس کی رو سے ایران، ترکی، اور پاکستان کا تجارتی و ثقافتی رابطہ بڑھے گا۔
۲۲:۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں کل کتنے ڈویژن اور کتنے اضلاع ہیں۔	۲۲:۔ مغربی پاکستان کے ڈویژن اور اضلاع۔ کراچی ڈویژن۔ کراچی لس بیلہ۔ قلات ڈویژن: قلات مکران خاران۔ اور کلاچی۔ کوئٹہ ڈویژن۔ کوئٹہ پشین ژوب لورالائی سبی اور چاغی۔ خیرپور ڈویژن:۔ خیرپور جیکب آباد سکھر۔ اور نواب شاہ۔ لاڑکانہ۔ حیدرآباد ڈویژن۔ حیدرآباد ٹھٹھہ: دادو۔ تھرپارکر۔ اور سانگھڑ۔ بہاولپور ڈویژن:۔ بہاولپور، بہاولنگر، اور رحیم یار خاں ملتان ڈویژن:۔ ملتان، منٹگمری، ڈیرہ غازی خان، اور مظفر گڑھ سرگودھا ڈویژن:۔ سرگودھا لائلپور، جھنگ اور میانوالی لاہور ڈویژن:۔ لاہور، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، اور شیخوپورہ راولپنڈی ڈویژن:۔ راولپنڈی، جہلم، گجرات، اور کیمبل پور

سوال	جواب
	۲۲ :- ڈیرہ اسمٰعیل خاں ڈویژن :- ڈیرہ اسمٰعیل خاں شمالی وزیرستان، بنوں، اور جنوبی وزیرستان پشاور ڈویژن :- پشاور، مردان، ہزارہ، کوہاٹ، مالاکنڈ ایجنسی، مہمند ایجنسی، خیبر ایجنسی، کرم ایجنسی، چترال، اور دیر، وغیرہ مشرقی پاکستان کے چار ڈویژن ہیں۔ ڈھاکہ، راجشاہی، کھلنا اور چٹاگانگ مشرقی پاکستان کے ۱۷۔ اضلاع ہیں۔ ڈھاکہ، میمن سنگھ، فرید پور، چٹاگانگ، سلہٹ، کومیلا، نواکھالی، چٹاگانگ ہل ٹریکس، راج شاہی، رنگ پور، دیناج پور، پبنہ، بوگرا، کھلنا، باری سال، جیسور، کشتیہ
۲۳ :- پہلے دستور میں پاکستان کا سرکاری نام کیا رکھا گیا۔ اور نئے دستور میں کیا ہے ؟	۲۳ :- ۱۹۵۶ء کے آئین میں پاکستان کا سرکاری نام اسلامیہ جمہوریہ پاکستان تھا۔ نئے آئین میں صرف جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ لیکن بعد میں ایک ترمیم کے ذریعہ نام کو اسلامیہ جمہوریہ پاکستان سے تبدیل کر دیا گیا۔
۲۴ :- وہ کون سا بڑا ملک ہے جو پاکستان کی کوشش کے باوجود اب تک اقوام متحدہ کا رکن نہیں بن سکا ؟	۲۴ :- چین

(شکریہ اردو ڈائجسٹ)

تاریخی معلومات

اردو کے قدیم ترین مرثیہ نگار

جو دسویں اور گیارہویں صدی کے
ادبی اقدار پر طاری رہے

قطب شاہی حکمرانوں نے سرپرستی کی

شمالی ہند والوں نے پیروی کی

(عبدالرؤف عروج)

ابوالقاسم فرشتہ کے بیان کے مطابق دکن کے شاہی دفتروں میں ایسی زبان استعمال کی جاتی تھی جسے مختلف طبقوں اور فرقوں کے افراد مساوی طریقہ پر بولتے تھے۔

اُس کے اس بیان کے بعد یہ بات کسی تحقیق کی محتاج نہیں رہتی ہے کہ شمالی ہند سے بہت پہلے دکن میں اردو کو قبول عام کا درجہ مل چکا تھا۔ جس طرح تصوف کے رسائل اور مذہبی مثنویاں پہلے پہل دکن میں لکھی گئیں اسی طرح میلادناموں اور مرثیوں کا ابتدائی نشو و نما بھی دکن ہی میں ہوا۔ دکن کے شاہی عاشورخانوں کی تفصیل تاریخوں میں ملتی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہوں سے لے کر وزیروں اور امیروں تک ہر شخص ہر سال محرم کی آمد پر ماتمی لباس پہنے علموں کے جلوس کے ساتھ شہر میں گشت کرتا۔ مرثیہ کہتا اور مجلسوں میں سنایا جاتا تھا۔

اگرچہ قطب شاہی سلطنت کے بانی سلطان قلی اور اس کے بعد کے حکمرانوں میں جمشید قلی، سبحان قلی اور ابراہیم قلی، علم دوست بھی تھے اور ادب نواز بھی لیکن ان کے حالات پر نظر رکھی جائے تو اندازہ ہوگا کہ ان کے زمانہ میں مرثیے نہیں لکھے گئے۔ مجلسوں میں عام طور پر محتشم کاشی اور دوسرے فارسی مرثیہ گو شعراء کا

کلام پڑھا جاتا تھا البتہ قطب شاہی کلیات میں مرثیوں کی موجودگی اس پر دلالت کرتی ہے کہ دہی پہلی مرتبہ انتہائی باقاعدگی کے ساتھ اس صنف کی طرف متوجہ ہوا تھا

محمد قلی قطب شاہ کے دورِ حکومت کے شعرا میں وجہی کو اس کے سب رس اور قطب مشتری کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ بعض تحقیق نگاروں نے مختلف دکنی بیاضوں کے مطالعہ کے بعد اس کے بعض مراثی کا پتہ چلایا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مجلسی ضرورتوں کے تحت لکھے گئے تھے“

محمد قلی قطب شاہ کے بعد سلطان محمد قطب شاہ نے حکومت سنبھالی۔ بعض مورخوں کے مطابق وہ خود بھی شاعر تھا۔ لیکن اس کا دیوان اب تک دریافت نہیں ہو سکا اس لئے قطعیت کے ساتھ یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ اس نے مرثیے بھی لکھے تھے۔ اس کی علم دوستی اور ادب نوازی کا شہرہ سنکر عرب اور عجم کے تمام ہی باکمال دکن آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان میں ابن خاتون، حسین آملی، جعفر علی شرقی یزدی، علی گل، استرآبادی، ادائی یزدی، مسیح کاشی، اور ملا عبدالحکیم کے نام قابل ذکر ہیں ان کے ہجوم میں مقامی شعرا کو کوئی خاص مقام حاصل نہ ہو سکا وہ درباری سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ چونکہ عوام کو فارسی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ہر بات کو اپنی روزمرہ کی زبان میں لکھنا، پڑھنا اور سننا پسند کرتے تھے۔ اس لئے غواصی نے اپنی سیف الملوک و بدیع الجمال اور طوطے نامہ کی وجہ سے عوام میں بڑی مقبولیت حاصل کی تھی۔ اس مقبولیت کی بناء پر اسے بھی بیرونی شعراء کی طرح دربار کا توسل حاصل ہو گیا۔ اس کی کلیات میں مرثیے بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی مختلف بیاضوں میں اس کا ایک آدھ مرثیہ مل جاتا ہے۔ اس بناء پر یہ رائے غلط نہیں ہوگی کہ غواصی کو مرثیہ نگار کی حیثیت سے بھی شہرت حاصل تھی۔

سلطان محمد قطب شاہ کے انتقال پر عبداللہ قطب شاہ سریر آرا ہوا۔ اس کے دور میں برہانی تبریزی، فکری، صفا باقی، خرج اللہ شوستری، فطرت مشہدی، رضی دانش، عبدالعلی طالستانی جیسے متعدد ایرانی نژاد علماء و فضلا دربار میں موجود تھے۔ اس نے اس سے متاثر ہو کر فارسی میں بھی طبع آزمائی کی لیکن اس کے کلام کا بڑا حصہ اردو ہی میں ہے اس لئے اس پر یہ الزام عائد نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اردو کی توسیع و اشاعت سے دلچسپی نہیں لی اس کے اردو دیوان کا ایک نسخہ سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس میں اس کے اردو مرثیوں کے

پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے دور میں مرثیوں نے زبان و بیان کے اعتبار سے خاصی ترقی کرلی تھی۔

اس کے انتقال پر ابوالحسن اتفاقی طور پر فرمانروا ہوگیا۔ اگرچہ مغل مورخوں اور وقایع نویسوں نے اس کے لقب تاناشاہ کو عیاش، تنگ مزاج، ظالم اور عیار جیسے مفہوم میں ادا کیا ہے۔ لیکن دکن کے عوام اسے ولی نعمت کے علاوہ صوفی بھی خیال کرتے تھے اور صاحب کشف و کرامت بھی۔

ابوالحسن کے عہد حکومت کے مرثیہ نگاروں میں شاہ قلی خان شاہی کا نام اس اعتبار سے زیادہ اہم ہے کہ شمالی ہند کے رہنے والے پہلی مرتبہ اس کے مرثیوں سے روشناس ہوئے تھے۔ قائم اور میر حسن کے تذکروں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

عالمگیر نے ۱۰۹۵ھ میں حیدرآباد کو دارالجہاد قرار دیکر آٹھ مہینے کے طویل محاصرہ کے بعد ابوالحسن کو گرفتار کرلیا تو اہل کمال میں سراسیمگی پھیل گئی وہ مغلوں کے ظلم و تشدد کے باعث اپنی جانوں کو لئے مختلف غیر معروف اور نامعلوم شہروں کی طرف نکل گئے لیکن ان میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس نے ملکی سیاست کی خطرناکیوں سے گھبرا کر خود کو مرثیہ نگاری تک محدود رکھا۔ اس طبقہ کی روح رواں روحی تھے۔ ان کے مرثیوں میں ایک آدھ لفظ کی تبدیلی کردیں تو وہ ابوالحسن کی بپتا معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا یہ مرثیہ۔

آج غمناک ہیں چمن کے پھول
بلکہ دل چاک ہیں چمن کے پھول
جب سنے قصے کی بات مجلس میں
جل بجھے شمع انجمن کے پھول
نقش پا دیکھ دل ہوس رکھتا
سر پہ رکھے کون اس چرن کے پھول

ہمارے اس دعوے کا مدلل ثبوت ہے اس میں چمن کے بجائے دکن لکھدیا جائے تو اس دور کی مکمل ترین تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ اس دور کے مرثیہ نگاروں میں مرزا کا نام بھی مشہور ہے اس کے متعدد مرثیے یورپ کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

شعرائے برہان پور و احمد آباد نے اپنے اکثر مرثیوں میں اس کے لکھے ہوئے مرثیوں کا ذکر کیا ہے۔ اور تعریف کی ہے قائم نے اپنے تذکرہ میں ایک دکنی مرثیہ نگار رضا کا تذکرہ کیا ہے۔ ایڈنبرا یونیورسٹی کی ایک بیاض میں اس کے پچیس مرثیے موجود ہیں۔ اس دور کے ادبی رجحانات کے پیش نظر یہ بات مسلمات کا درجہ رکھتی ہے کہ قطب شاہیوں کے دور میں مرثیوں کا نشو و نما ہوا ہے اور مغلوں کے زمانے میں سب ہی شعرا مرثیہ کہنے لگے تھے

پیغمبروں کی عمریں

نمبر شمار	اسمائے گرامی	عمر
۱	حضرت آدم علیہ السلام	۹۳۰ برس
۲	حضرت حوا علیہا السلام	۹۳۷ "
۳	" شیث علیہ السلام	۸۸۲ "
۴	" نوح علیہ السلام	۹۵۰ "
۵	" ادریس علیہ السلام	۳۶۵ "
۶	" ہود علیہ السلام	۲۶۵ "
۷	" صالح علیہ السلام	۲۸۵ "
۸	" ابراہیم علیہ السلام	۱۳۷ "
۹	" اسمٰعیل علیہ السلام	۱۳۷ "
۱۰	" یعقوب علیہ السلام	۱۳۷ "
۱۱	" اسحٰق علیہ السلام۔	۱۳۰ "
۱۲	" یوسف علیہ السلام۔	۱۱۰ "
۱۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱۲۵ برس
۱۴	" ہارون علیہ السلام	۱۱۹ "
۱۵	" داؤد علیہ السلام	۱۴۳ "
۱۶	" سلیمان علیہ السلام	۱۵۰ "
۱۷	" ذکریا علیہ السلام	۳۰۰ "
۱۸	" ایوب علیہ السلام	۱۴۶ "
۱۹	" شعیب علیہ السلام	۲۴۵ "
۲۰	" یحییٰ علیہ السلام	۹۵ "
۲۱	" مریم علیہا السلام	۱۱۳ "
۲۲	" عیسیٰ علیہ السلام	۱۸۰ "
۲۳	" لقمان علیہ السلام	۳۵۰ "
۲۴	" محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۶۳ "

عبدیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

پر

امام رضا علیہ السلام اور ایک عالم نصرانی کا مناظرہ

حسن بن نوفل سے روایت ہے کہ جب حضرت امام رضا علیہ السلام مامون کے پاس تشریف لائے تو مامون (بادشاہ وقت) نے فضل بن سہل کو حکم دیا کہ وہ اصحاب مقالات کو مثل جاثلیق نصرانی اور راس الجالوت وغیرہ کو بلائے چنانچہ فضل بن سہل نے حسب الحکم ان سب کو بلایا جب یہ سب آگئے تو مامون نے ان کو بیٹھنے کا حکم دیا جب وہ اپنے اپنے مقام پر بیٹھ گئے اس وقت مامون جاثلیق نصرانی کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے کہ اے جاثلیق یہ میرے ابن عم علی بن موسیٰ بن جعفر (علیہم السلام) ہیں اے جاثلیق میں اس امر کو پسند کرتا ہوں کہ تو ان سے مباحثہ مناظرہ کرے۔

جاثلیق ۔ اے بادشاہ میں ایسے شخص سے کیا سوال کروں جو ایسی کتاب سے جواب دے گا جس کا میں منکر ہوں اور ایسے نبی کا وہ ماننے والا جس پر میں ایمان نہیں رکھتا۔

امام رضا نے ارشاد فرمایا اے نصرانی اگر میں تیرے اوپر تیری کتاب انجیل سے احتجاج کروں تو کیا تو اقرار کرے گا۔

جاثلیق :- ہاں ضرور اقرار کروں گا۔

امام علیہ السلام :- پہلے تو شروع کر پھر اس کا جواب مجھ سے سن۔

جاثلیق :- آپ جناب عیسیٰ اور ان کی کتاب کے متعلق کیا کہتے ہیں اور کیا آپ ان میں سے کسی کے منکر بھی ہیں

امام علیہ السلام :- میں جناب عیسیٰ اور ان کی کتاب کا اقرار کرتا ہوں اور منکر ہوں نبوت کا عیسیٰ کی جو جناب رسول خدا کی نبوت کا منکر ہو

جاثلیق ۔ کیا احکام میں شاہدین عادلین کی ضرورت

ں ہوتی لہٰذا پہلے آپ شاہدین عادلین جو
پ کے نبی کی ملت نہ ہوں اور نصرانی ہوں پیش
یجئے۔

امام علیہ السلام۔ ہاں اب تو آیا انصاف
ی منزل پر۔ جاثلیق۔ اچھا تو آپ ان کے اسماء
یرے سامنے پیش کریں۔

امام علیہ السلام:۔ تو کیا کہتا ہے یوحنا دیلمی
ے متعلق۔

جاثلیق:۔ بخٍ بخٍ آپ نے ایسے شخص کا نام لیا
جناب عیسیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھے

امام علیہ السلام:۔ میں تجھکو قسم دے کر پوچھتا
ہوں کہ کیا انجیل میں یہ ہے کہ یوحنا نے کہا کہ مسیح ؑ نے
ہم کو خبر دی ہے کہ جناب محمد عربی کے دین کی اور
اس امر کی کہ وہ میرے بعد ہوں گے پس میں نے
اس کی بشارت حواریین کو دی۔ اس وقت حواریین
اس پر ایمان لائے

جاثلیق:۔ یوحنا نے اس خبر کو مسیح سے سن کر
بیان کیا ہے۔ اور ایک مرد کی نبوت کی اور اس کے
اہلبیت اور وصی کی بشارت دی ہے لیکن یہ نہیں
بتایا کہ وہ کب ہوگا اور نہ قوم کو بتایا کہ ہم اس کو
پہچانیں

امام علیہ السلام:۔ اگر میں تیرے پاس ایسے
شخص کو لاؤں جو انجیل پڑھتا ہو اور تم پر محمد و
اہل بیت اور ان کی امت کا ذکر تلاوت کرے تو
ایمان لائے گا۔

جاثلیق:۔ ہاں ضرور ایمان لاؤں گا۔

امام علیہ السلام نے نسطاس رومی سے ارشاد
فرمایا کہ تو نے سفر ثالث انجیل سے کیا یاد کیا ہے اس
نے کہا کچھ نہیں۔ تب امام متوجہ ہوئے۔ راس الجالوت
کی طرف اور ارشاد فرمایا۔ کہ کیا تو انجیل کا اقرار نہیں
کرتا اس نے کہا ہاں قسم میری عمر کی تب امام نے ارشاد
فرمایا کہ سفر ثالث کو پڑھ اگر اس میں محمد و آل محمد علیہم السلام
کا ذکر ہو تو تم سب میری اس امر میں شہادت دو اور
اگر ذکر نہ ہو تو میری شہادت نہ دو۔ اس کے بعد
امام ؑ نے سفر ثالث کو پڑھا یہاں تک کہ ذکر نبی و آل
نبی تک پہنچے اس کے بعد کہا کہ اے نصرانی میں تجھ سے
مسیح اور ان کی ماں کے حق کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں
کہ آیا تو جانتا ہے میں عالم ہوں۔ انجیل کا اس نے کہا
ہاں۔ پھر آپ نے محمد و اہلبیت اور ان کی امت کے
ذکر کی تلاوت کر کے ارشاد فرمایا۔ کہ اے نصرانی تو عیسیٰ
ابن مریم کے اس قول کے متعلق کیا کہتا ہے اگر تو نے اس
قول کو جھٹلایا تو تو نے موسیٰ و عیسیٰ کی تکذیب کی اور جب
تو نے انکار کیا تو تو اس وقت واجب القتل ہو گیا۔
کیونکہ تو نے کفر کیا۔ اپنے رب اپنے نبی اور اپنی کتاب
کے ساتھ۔

جاثلیق:۔ جو کچھ انجیل میں ہے میں ان سب کا مقر ہوں۔

ہے کیونکہ اگر نافرمان کہیں گے تو ان کی برائی ثابت ہوگی۔ اس لئے وہ فرمانبردار کہیں گے لہٰذا جب وہ جناب عیسیٰ کو فرمانبردار کہیں تو اس وقت ان سے کہنا چاہئے کہ فرمانبرداری کو بندہ کہتے ہیں لہٰذا جناب عیسیٰ کی عبدیت ثابت ہو گئی۔

۲۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا بھی مانتے ہیں اور صاحب کتاب نبی بھی۔ اور خدا کو غیر جائز الخطا جانتے ہیں۔ اور انبیاء کو جائز الخطا۔ اس لئے حضرت عیسیٰ بحیثیت نبی ہونے کے غیر جائز الخطا ہوں گے اور بحیثیت نبی ہونے کے جائز الخطا اور یہ دو متضاد صفتیں ہیں جو بیک وقت ایک انسان میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ فلھٰذا یا تو عیسائی اس استحالہ کو اٹھائیں۔ یا جناب عیسیٰ کی الوہیت سے دست بردار ہو جائیں رہ گئی جناب عیسیٰ کی نبوت تو وہ ہمارے اور ان کے درمیان متفق علیہ ہے اس لئے نبوت تو ثابت رہے گی۔ لیکن الوہیت مختلف فیہ ہے لہٰذا اس سے ان کو دست بردار ہونا چاہئے جو ہمارے اور ان کے درمیان متفق علیہ ہے پس اس صورت میں بھی جناب عیسیٰ کی عبدیت ثابت ہو جائے گی۔"

قطعات

از عالی جناب مرزا اختر صاحب لکھنوی۔ شہداد پور

دنیا میں آج کیوں نہ ہو اہلِ ولا کی عید
اسلام کے عروج میں ہر انبیاء کی عید
پیدائشِ حبیب علیہ السلام ہے
کون و مکاں میں جشن ہے یہ ہے خدا کی عید

مبارک اہلِ ایماں مظہر لطف و عطا آئے
خدا کی اولیں مخلوق شاہ انبیاء آئے
تمام عالم میں "اختر" رحمت للعالمیں آئے
محمد ابن عبد اللہ محبوب خدا آئے

امام علیہ السلام :- اے حاضرین جلسہ تم سب اس کے اقرار پر شاہد ہو جاؤ۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے نصرانی جو تو چاہے دریافت کر۔

جاثلیق :- مجھکو خبر دیجئے کہ حواری عیسیٰ بن مریم کے متعلق کہ وہ کتنے تھے اور علماء انجیل کتنے تھے

امام :- ہاں میں اس کے جواب کا اہل ہوں لیکن حواریین وہ بارہ تھے۔ اور عالم و افضل ان میں لوقا تھے۔ لیکن علمائے نصاریٰ پس وہ تین تھے۔

(۱) یوحنا الاکبر باجی۔ (۲) یوحنا قرقیسا۔ (۳) یوحنا دیلمی برخار اور یوحنا دیلمی ہی کے پاس ذکر نبی وآل نبی تھا اور انھوں نے بشارت دی تھی۔ اس نبی کی امت عیسیٰ اور بنی اسرائیل کو۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے طرز گفتگو بدل دیا۔ اور اہل اسلام کو طریقہ مناظرہ بھی تعلیم کیا۔ اور مقابل کو زبان بندی کی چہار دیواری میں ایسا بند کیا کہ بجز اقرار اور کوئی راہ فرار نہیں رہی۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے نصرانی قسم خدا کی میں اس عیسیٰ پر ایمان لایا ہوں جو حضرت محمد مصطفیٰ اور ان کے اہل بیت پر ایمان لائے۔ اور اے نصرانی میں جناب عیسیٰ میں کوئی عیب نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ قلیل الصوم والصلوٰۃ تھے۔

جاثلیق :- قسم خدا کی آپ نے اپنے علم کو فاسد کیا اور اپنے امر کو کمزور۔ حالانکہ میں گمان کرتا تھا کہ آپ عالم اہل اسلام ہیں۔

اے جاثلیق یہ کیسے تو نے سمجھا۔

جاثلیق :- آپ کے اس قول سے کہ وہ قلیل الصوم والصلوٰۃ تھے۔ حالانکہ انھوں نے کبھی کسی دن نہ افطار کیا اور نہ راتوں کو سوئے۔ بلکہ وہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ یعنی دنوں کو روزے رکھتے اور راتوں کو عبادت کیا کرتے تھے۔

امام علیہ السلام :- اے نصرانی یہ بتا کہ جناب عیسیٰ کس کے لئے روزہ رکھتے تھے۔ اور کس کی نمازیں پڑھتے تھے۔ امام علیہ السلام کا یہ ایسا مسکت اور زبان بند کرنے والا سوال تھا۔ کہ جاثلیق تمام راہ فرار بھول کر گونگا ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے اسی کے قول سے جناب عیسیٰ کی عبدیت کو ثابت کر دیا۔ یہ تھے ہادیٔ خلق۔ بلکہ ان کی زبان مبارک کے نکلے ہوئے ایک ایک حرف رہبر عالم بننے کا حق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اس ایک جملۂ قلیل الصوم والصلوٰۃ نے بھول کر جاثلیق کی گرفت کر لی۔ اب اگر ہم اس واقعہ کو سامنے رکھکر ان سے سوال و جواب کریں تو انشاء اللہ فتح کا سہرا ہمارے سر ہوگا۔

(۱) مثلاً اگر ہم ان سے یہ کہیں کہ جناب عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے میں ہم کو شک نہیں لیکن تم یہ بتاؤ کہ وہ اپنے باپ خدا کے نافرمان تھے یا فرمانبردار۔ اس سوال پر فوراً وہ کہہ بیٹھینگے کہ جناب عیسیٰ فرمانبردار

کوثر رضوی بی کام

حسینؑ

نانا کے دین کی عظمت و جاوید کے لئے
پونجی تمام اپنی لٹا دی حسینؑ نے
قطرے ہزار قطرۂ خوں سے نکل پڑے
دنیا میں شمع ایسی جلا دی حسینؑ نے

سجدے میں سر کو دیکھ کے بولا دمِ سرورش
اللہ خود اٹھائے گا تیری جبیں حسین
رکھا جو سر حسین کا نیزے کی نوک پر
آئی صدا یہ عرش سے صد آفریں حسین

ہوتی ہے انتہا بھی ہر اک ابتدا کے بعد
لازم حصول امن ہے رزم و وغا کے بعد
رازِ حیات اصل میں مضمر ہے موت میں
اسلام زندہ ہوگیا بس کربلا کے بعد

حق و باطل میں اگر جنگ نہ ہوتی کوثر
پھر کوئی جذبہ ابھرتا نہ جہاد ہوتی
حاصلِ عزم براہیم یہی ہے — گویا
خونِ شبیرؑ نہ بہتا تو قیامت ہوتی

حسینؑ اور نماز

(علامہ سید علی نقی)

آج یہ مضمون ان شہیدوں سے متعلق ہے جنہوں نے تیروں کی بوچھار اور تیغوں کے سائے میں فریضۂ نماز ادا کیا تھا

شہادت حسینؑ کے دو اہم مقاصد

دین کی بقا اور نماز کا قیام

اسلام جو یقیناً عالمگیر مذہب ہے اور جس کے قوانین و احکام ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے یکساں واجب العمل اور جس کی شریعت ہر مکلف کے لئے شریعت سہلہ ہے چند ایسی خوبیوں اور خصوصیات کا حامل ہے۔ جو دوسرے مذاہب و ادیان میں ناپید ومفقود ہیں۔ محض اقوال کی بناء پر کسی مذہب و دین کی بنیادیں استوار اور محکم نہیں بن سکتی جب تک کہ افعال و اعمال کے سیمنٹ سے ان کو پختہ نہ کیا جائے

روحانیت، نورانیت اور عبادت کا ہر فرقہ و مذہب علمبردار نظر آتا ہے۔ خدا پرستی اور دانشور حقیقت کے تصور و تخیل کا ہر مذہب مدعی ہے۔ اور اپنے اپنے نظریات اور تخیلات کی بنا پر عبادت و بندگی کے طریقے رائج کر رکھے ہیں۔ لیکن جو طرز و طریقۂ عبادت اسلام نے پیش کیا ہے۔ وہ انوکھی شان رکھتا ہے۔ نماز ادا کرتے وقت انسان کے جمیع اعضاء و جوارح متاثر ہوتے ہیں اور روحانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور جس قدر نماز میں خضوع و خشوع یکسوئی اور روحانیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ روحانیت و نورانیت میں ترقی ہوتی جائیگی۔ یہ شان عبادت یہ طرز بندگی اور روحانیت پیدا کرنے کا یہ طریقہ دیگر مذاہب و ادیان میں ناپید ہے۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ حضرت انسان کی غرض خلقت عبادت معرفت خدا ہے۔ اگر زیستن برائے خوردن ہوتا تو فعل خلاق عالم عبث و بیکار ہو کے رہ جاتا۔ اس لئے کہ محض کھانا پینا مقصد نہیں ہے بلکہ وہ تو حیات و قوت انسانی کے قائم و برقرار رکھنے کا

ذریعہ و واسطہ ہے جو کسی صورت میں بھی مقصد قرار نہیں دیا جا سکتا بمقولئے فعل الحکیم لایخلو اعن الحکمت خلاق عالم حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی جن وانس کے پیدا کرنے کی غرض وغایت محض عبادت خداوندی ہے۔ عبادت ایک وسیع الذیل مضمون ہے مطالب ومعانی کی تشریح اور توضیح کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

یہاں صرف یہ فقرہ عرض کر کے بڑھنا چاہتا ہوں معصوم علیہ السلام کا ارشاد ہے کل حرکۃ تتحرک بامر اللّٰہ عبادۃ یعنی وہ حرکت جو خدا کے حکم کے مطابق عمل میں آئے عبادت ہے۔ انسان اگر اس غرض کے ماتحت کھائے پیئے کہ طاقت و توانائی آئے گی اور جسمانی قوت وطاقت قائم رہیگی جس کی وجہ سے اپنے پروردگار کی عبادت بجا لا سکوں گا تو یہ کھانا پینا عبادت ہے۔ اسی طرح اگر آرام کرنا اور سونا اس غرض کیلئے ہو کہ اس سے جسم کی تھکاوٹ دور ہو گی اور راحت واطمینان حاصل ہو گا جس کے بعد نہایت دلجمعی اور سکون قلب سے عبادت خدا بجا لا سکوں گا تو یہ سونا عبادت ہے۔ غرضکہ ہر فعل جو خدا کے حکم کے مطابق اور شریعت رسول کے تابع کیا جائے یقیناً عبادت ہے۔ پس اس لحاظ سے ہر حرکت اور ہر سکون عبادت الٰہی میں شمار ہو گا یہ ہے منشاء خلقت الانسانی وہو المقصود

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث برسالت ہونے کا مقصد اولین خدائے بزرگ و برتر کی توحید والوہیت کی نشر و اشاعت ہے۔ اور اس کا بہترین طریقہ صلوٰۃ یعنی نماز ہے۔ انسان اپنے سر و گردن جسم کو بحالت نماز حرکت دیکر اور اپنی پیشانی خاک پر رکھ کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کا پرستار ہے خداوند عالم نے اپنے مقدس کلام میں قریباً پچاس مقامات پر عبادت و نماز بجا لانے کا حکم دیا ہے اقامت صلوٰۃ کی بار بار تاکید آئی ہے ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ "واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین" نماز کو قائم کرو اور مشرک نہ ہو بالفاظ دیگر نماز مسلم و کافر اور مومن و مشرک کے مابین حد فاصل اور مابہ الامتیاز ہے۔ نماز پڑھنے والے پر کافر و مشرک کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور بے نماز و مشرک میں بظاہر کوئی فرق نہیں لہٰذا کفر و شرک کی نجاست سے بچنے کا واحد ذریعہ نماز ہے۔ جو اسلام کا طرۂ امتیاز اور ایمان کا زیور ہے چونکہ اسلام صرف قولی مذہب نہیں بلکہ فعلی مذہب ہے لہٰذا بانی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو قائم و برقرار رکھنے میں بے حد سرگرمی و انہماک کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ حضور نے خدا کی عبادت اس طرح کی ہے کہ آپ کے پاؤں متورم

گئے اور خدا کو ان الفاظ میں خطاب کرنا
طٰہٰ مَا اَنزَلنَا عَلَیکَ القُرآنَ لِتَشقٰی اے
نب وطاہر! اے پاک و پاکیزہ بندے ہم نے
پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم اتنا مگن
ین اور قائم الصلوٰۃ میں اس قدر تکلیف برداشت
د۔ دوسرے مقام پر خدا نے اپنے حبیب خاص
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کی تعریف
صیف کرتے ہوئے اپنی خوشنودی اور ر
دی کا تحفہ ان الفاظ میں مرحمت فرمایا ہے۔
یایھا المزمل قم اللیل الا قلیلاً۔ یعنی اے
لی کملی اوڑھنے والے محبوب (سبحان اللہ کیا پیارا
طب ہے) تم ساری ساری رات عبادت میں نہ کھڑے
اکرو کچھ وقت آرام کے لئے رکھ لو۔

المختصر سرکار رسالت جس پابندی وقت سے
از ادا کرتے رہے اور مسلمانوں کو بہ پابندی
قت سے ادا کرنے کی تاکید فرماتے رہے وہ اظہر
ن الشمس ہے۔ حقیقتاً نماز حسنات کی احساس اور
کمال کا خلاصہ ہے

جناب رسول خدا کے بعد ہم حضرت علی ابن
ابی طالب علیہ السلام کی عبادت اور نماز گذاری
طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو یہاں استغراق و
یت کا ایک عالم پاتے ہیں۔ امیر المومنین کے پائے
اقدس میں تیر لگتا ہے جس کے نکالنے پر عضو تکلیف
اذیت محسوس کرتے ہیں لیکن جب آپ محراب
عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ تو آپ پر اسقدر
خضوع وخشوع اور فنا فی اللہ کی کیفیت طاری
ہو جاتی ہے کہ آپ کے پاؤں سے تیر نکال لیا جاتا ہے
اور آپ ذرہ بھر بھی اذیت محسوس نہیں کرتے سبحا
اکبر حضرت امام حسن علیہ السلام جب نماز پڑھنے کے
لئے تیار ہوتے تھے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا
اور آپ کا بند بند کانپنے لگتا تھا۔ اگر کوئی شخص
آپ سے پوچھتا تھا تو آپ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک
عبد ذلیل معبود جلیل کے دربار میں حاضر ہوتا ہے
لیکن اقامۃ الصلوٰۃ کے سلسلہ میں حضرت امام حسین
علیہ السلام اور آپکے رفقاء واصحاب وانصار نے
میدان کربلا میں جس سرگرمی اور انہماک ورجوع
قلب اور دلی اشتیاق کا شاندار مظاہرہ کیا ہے
اس کی نظیر وتمثیل از قبیل ناممکنات ہے۔ رفقائے
حسین مظلوم رضوان اللہ علیہم بہترین اطاعت گذار
عابد و زاہد اور متقی راکع وساجد، عشق الٰہی میں
سرشار تھے۔ ایسے نمازی چشم فلک نے نہ آجتک
دیکھے نہ آئندہ دیکھنے میں آئیں گے

حضرت صفی نے کیا خوب کہا ہے۔

کچھ مصلی کربلا کے عازم خلد بریں
ساتھ اپنے ذوق محراب و منبر لے گئے

چاہتا ہوں کہ اقامۃ صلوٰۃ کے چار منظر پیش کروں

تاکہ ہمیں بھی جو امام حسین علیہ السلام کے محب و غلام ہونے کے مدعی ہیں عبادت خدا کا شوق پیدا ہو جائے اور ان مقدس بزرگواروں کے اوصاف کی ایک جھلک ہمارے دلوں میں رونما ہو جائے

منظر اول شب عاشورہ

نویں تاریخ کو عمر بن سعد کے نام عبید اللہ بن زیاد کا خط پہنچا ہے جس پر صلح کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اور عمر سعد نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور امام مظلوم پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ عصر کا وقت تھا اور امام خیمہ کے دروازہ پر تلوار کا سہارا لے گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے بیٹھے تھے اور کچھ غنودگی بھی طاری تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز جناب زینب سلام اللہ علیہا کے کان میں آئی آپ بیتابانہ اپنے محبوب بھائی امام حسین کے قریب آئیں اور کہا بھیا دشمن کے لشکر کی آواز بہت قریب آ رہی ہے اور اپنی گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار فرمایا۔ امام نے تسکین دی اور صبر و سکون کی ہدایت فرمائی اور اس کے بعد امام نے جناب عباس علمدار سپاہ حسینی کو بلا کر فرمایا جاؤ اور ان سے پوچھو کہ اس وقت حملہ کا کیا باعث ہے۔ جناب عباس گئے اور واپس آ کر عرض کیا۔ یا مولا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ یا حسین بیعت کریں یا جنگ کے تیار ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا جاؤ اور ان سے ایک شب کی مہلت طلب کرو عمر سعد نے قدرے پس و پیش کے بعد مہلت دیدی امام مظلوم نے ایک شب کی مہلت اس لئے نہیں مانگی کہ لڑائی کے لئے تیاری کی جائے۔ بلکہ دل کھول کر خدا کی عبادت بجا لائیں۔ اور طاعت و عبادت خدا سے رخصت و وداع ہو لیں۔ یہ تمام شب امام نے اور آپ کے اعزا و اصحاب نے عبادت و طاعت خدا میں بسر کی رجوع قلب سے نمازیں پڑھیں تکبیر و تہلیل و تمجید تقدیس اور تسبیح کی صدائیں اس سنسان جنگل میں اور لق و دق صحرا میں اس طرح گونج رہی تھیں جیسا کہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز ہوتی ہے۔ ان مجاہدین راہ خدا کو زندگی کی حسرت نہ تھی بلکہ اس بات کی حسرت تھی کہ افسوس اب یہ عبادت نصیب نہ ہوگی۔ محبوب کی یاد و وصال محبوب سے بھی طرب انگیز اور لذت بخش ہوتی ہے۔ اس نکتہ کو پرستاران عشق و محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عارفوں اور عابدوں سے پوچھئے کہ عبادت میں کیا مزہ ملتا ہے

منظر دوم نماز صبح

یہ عبادت گذار بندے تمام شب عاشورہ اوراد و وظائف اور دعا و مناجات میں مشغول و منہمک رہے کہ سپیدۂ سحری نمودار ہوا اور صبح صادق

وقت طلوع ہوا۔ نماز صبح پڑھنے کے لئے صفیں تیار ہوگئیں اور امامؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔ تاریخ میں اگرچہ اس کی صراحت نہیں لیکن مشہور و معروف ہے کہ صبح عاشورہ اذان ہمشکل پیمبر جناب علی اکبر نے دی تھی گویا کہ "بلبل چہک رہا تھا۔ ریاض رسول میں" دل کہتا ہے کہ یقیناً اذان علی ہی نے دی ہوگی۔ اس لئے کہ جب آپ میدان قتال میں جانے لگے لئے رخصت ہو رہے تھے تو اس وقت امام نے ارشاد فرمایا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اشھد علیٰ ھؤلاء القوم فقد برز الیھم فتیً اشبه الناس خلقاً وخُلقاً ومنطقاً برسولک وکنا اذا اشتقنا الیٰ نبیک نظرنا الیٰ وجھه

خداوندا گواہ رہنا اس قوم کے ظلم و ستم پر کہ اب ان کی طرف وہ جوان جاتا ہے جو صورت و سیرت اور گفتار میں تیرے محبوب رسولؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو ہم علی اکبر کے چہرے کو دیکھ لیا کرتے تھے اس ارشاد امامؑ سے معلوم ہوتا ہے کہ علی اکبر کی آواز۔ رسول کی آواز کے مشابہ تھی پھر کوئی تعجب نہیں کہ حسینؑ مظلوم نے نوجوان فرزند علی اکبر کو اذان کے لئے مامور کیا ہو تاکہ ایک طرف تو اہل حرم آخری بار ہمشکل رسول کی آواز سن لیں اور دوسری طرف نام نہاد مسلمانوں کو جو آپ کے قتل پر آمادہ اور تیار رہیں۔ رسول یاد آئیں اور اس بات کا احساس ہو جائے کہ رسول کی آخری یادگار رہیں۔

منظر سوم نماز ظہر

زوال آفتاب ہو رہا ہے۔ امام مظلوم مع اپنے اصحاب جانثار کے عروس شہادت سے ہمکنار ہونے کے لئے آمادہ ہیں آپ کے صحابی ابوثمامہ صیدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھتے ہیں اور امام سے عرض کرتے ہیں کہ مولا زوال آفتاب ہوگیا ہے۔ اور نماز ظہر کا وقت ہے۔ میں اس بات کا مشتاق و متمنی ہوں کہ نماز ظہر آپ کی اقتدا میں باجماعت پڑھ کر خدا کے حضور میں پہونچوں۔ امام نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہا بیشک نماز کا اول وقت ہے ذکرت الصلوٰۃ جعلک اللہ من المصلین اے ابوثمامہ اس وقت تم نے نماز یاد دلائی خدا تمہیں نماز گذاروں میں محشور فرمائے اس کے بعد امام نے فرمایا کہ جاؤ دشمن سے نماز کی مہلت مانگو لیکن دشمن نے نماز کی مہلت نہ دی۔ اور جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا۔ امام کے دو صحابی آگے بڑھ کر عرض کرتے ہیں یا مولا۔ آپ نماز پڑھائیے ہم آپ کی حفاظت کریں گے۔ چنانچہ صحابۂ کرام نے نماز کی صف باندھی۔ امام نے نماز شروع کی اور دو صحابی سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے امام نماز پڑھتے رہے جو تیر آ رہا تھا وہ جانثار صحابی اپنے سینوں پر لیتے رہے۔ ادھر نماز ختم ہو گئی اور ادھر ایک صحابی امامؑ کی حفاظت کرتا ہوا درجۂ شہادت پر فائز ہو گیا۔ اگرچہ یہ صحابی شریک نماز باجماعت

نہ تھے چونکہ انھوں نے نماز اور نمازیوں کی حفاظت کی لہٰذا یہ بھی نمازگزاروں میں محشور ہوں گے۔ اللہ اللہ کس شان کے یہ نمازی تھے کہ تیروں کی بوچھار میں نماز حق ادا فرمائی

منظر چہارم نماز عصر

امام کے تمام اصحاب باوفا حق نصرت ادا کرتے ہوئے باری باری شہید ہو کر اعلیٰ علیین میں جا پہنچے۔ آپ کے بھائی، بیٹے، بھتیجے اور بھانجے بھی جو وجاہت و شجاعت اور تقویٰ و طہارت میں یگانۂ روزگار تھے درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ اب وہ وقت آ گیا کہ میدان میں امام عصر یکہ و تنہا رہ گئے۔ تمام جسم تلواروں نیزوں اور بھالوں کے زخموں سے چور تھا اور تیروں سے تمام بدن چھلنی ہو رہا تھا امام نے اس عالم تنہائی میں جانب آسمان نگاہ اٹھائی۔ ہنگام عصر تھا امام نے جس طرح سے نماز عصر ادا فرمائی بیان نہیں کروں گا۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن مقصود صرف اتنا ہے کہ باوجود اس قدر مصائب و شدائد کے امام نے اقامۃ الصلوٰۃ میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں فرمائی اور آخری وقت اپنے پیروؤں کو یہ پیغام دیا کہ جس طرح میں نے اور میرے انصار و اصحاب نے انتہائی مصیبت و شدت کے وقت میں بھی نماز کو قائم رکھا ہے اور خدا کی یاد سے منہ نہیں موڑا ہے اسی طرح تم پر بھی واجب ہے کہ نماز کی حفاظت کرتے رہنا اور خدا کی یاد سے ہرگز غافل نہ ہونا۔

اقامۃ دین اور اقامۃ صلوٰۃ دو اہم مقاصد تھے جن کی تکمیل میں امام نے شہادت قبول کی لہٰذا حسینیوں کا ایمانی فریضہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ کرتے وقت ان دو اہم مقاصد کو اپنی نگاہ میں رکھیں حسینیت ان ہی دو مقاصد کا دوسرا نام ہے۔

سلام

سید مبارک حسین متردد

طلوع مہر ایماں بے کسوں کی چاک دامانی
فروغ صبح خنداں حق کے جانبازوں کی پیشانی
یہ روشن کر رہی ہے کربلا کی نور سامانی
کہ ہوتی ہے فروزاں خون دل سے شمع ایمانی
اسی کے نور کا پرتو، ضیا بخش دو عالم ہے
لہو سے اپنی بخشی دین حق کو جس نے تابانی
مآل جور پرستی رہے گی حشر تک یوں ہی
حبیب کبریا کے لاڈلوں کی چاک دامانی
فروغ خون جانبازاں شفق کے رنگ میں ابھرا
جہاں والوں نے جب عظمت شہیدوں کی نہ پہچانی
حسین ابن علی کی سربلندی سے یہ ظاہر ہے
کبھی جھکتی نہیں حق کے پرستاروں کی پیشانی

بچوں کا صفحہ

از سلطان عباس صاحب۔ حیدرآباد

شریر بچہ

۱۔ وقت کی قدر نہیں کرتا اور کبھی کوئی کام وقت پر نہیں کرتا۔

۲:۔ ماں، باپ، استاد، اور بزرگوں کا احترام نہیں کرتا

۳:۔ سویرے سونا اور دیر سے اٹھتا ہے

۴:۔ لکھنے پڑھنے اور علم و ہنر سیکھنے سے بھاگتا ہے

۵:۔ راستہ میں آتے جاتے ہمیشہ شرارت کرتا اور بچوں، کمزوروں اور معذوروں کو ستاتا ہے

۶:۔ ہمیشہ اسکول سے بھاگتا ہے اسکول کا کوئی کام نہیں کرتا۔

۷:۔ اسکول میں۔ گھر میں یا باہر ہمیشہ کسی نہ کسی سے لڑتا۔ جھگڑتا رہتا ہے

۸:۔ ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹی قسمیں کھایا کرتا ہے۔

۹:۔ جو پڑھتا ہے اس پر کبھی دھیان نہیں دیتا، سبق یاد نہیں کرتا اس لئے ہمیشہ اسکول میں مار کھاتا ہے

۱۰:۔ چوری کرنا، جوا کھیلنا، چغلی کھاتا اور ایک دوسرے میں جھگڑے کراتا ہے

۱۱:۔ کھانے پینے کی چیزوں میں خواہ مخواہ مین میخ نکالتا اور رزق کی بے حرمتی کرتا ہے۔

شریف بچہ

۱:۔ ہر کام اپنے وقت پر کرتا ہے

۲:۔ ماں، باپ، استاد اور بزرگوں کا دل سے احترام کرتا ہے۔

۳:۔ روزانہ صبح سویرے اٹھتا اور وقت پر سوتا ہے۔

۴:۔ شوق سے پڑھتا اور لکھتا ہے

۵:۔ راستہ چلتے میں شرافت سے آتا جاتا ہے کبھی کسی قسم کی کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا۔

۶:۔ ہر روز اسکول جاتا ہے اور اپنا پورا کام روز کا روز کرتا ہے

۷:۔ اسکول میں۔ گھر میں یا باہر کبھی کسی سے لڑتا جھگڑتا نہیں۔

۸:۔ کبھی بھول کر جھوٹ نہیں بولتا

۹:۔ چوری نہیں کرتا، جوا نہیں کھیلتا اور کسی کی چغلی نہیں کھاتا ہے

۱۰:۔ جو پڑھتا ہے گھر پر پڑھتا ہے اور خوب محنت سے یاد کرکے استاد کو سناتا رہتا ہے

۱۱:۔ گھر میں جو کھانے پینے کو مل گیا صبر و شکر کے ساتھ کھا لیا اور پہن لیا

سال رواں کے

انجمن سفینۂ محمدی نوابشاہ کے انتخابات

۴ جولائی کو انجمن سفینۂ محمدی کی مجلس عامہ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں آئندہ تین سال کے لئے مندرجہ ذیل عہدیداران و اراکینِ مجلسِ عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

جناب سید جعفر حسین صاحب نقوی ۔ صدر

جناب سید محمد احسن صاحب زیدی نائب صدر نمبر ۱

" " ناظم حسین صاحب زیدی ۔ نائب صدر نمبر ۲

" " عباس حیدر رضا صاحب زیدی ۔ جنرل سکریٹری

جناب مرزا جواد حسین صاحب ۔ معاون سکریٹری

جناب سید صغیر حسین صاحب زیدی ۔ سکریٹری مالیات

" " رضا حسین صاحب جعفری سکریٹری نشر و اشاعت

ان عہدیداران کے علاوہ جناب سید ناصر حسین نقوی، جناب سید قاسم حسین زیدی ۔ جناب سید اطہر حسین زیدی ۔ جناب سید ذوالفقار علی شاہ ۔ جناب سید شبیر حسین زیدی ۔ جناب نیر رضا صاحب اور جناب سید امیر عباس زیدی مجلسِ عاملہ کے رکن منتخب ہوئے ۔

سید رضا حسین رضوی
(سکریٹری نشر و اشاعت)
انجمن سفینۂ محمدی نواب شاہ)

٭٭٭

انجمن سفینہ محمدی نوابشاہ

کے جدید انتخاب اسی شمارہ میں درج ہیں ۔ ماشاء اللہ یہ انجمن کارہائے نمایاں انجام دے رہی ہے خدا کرے کہ اس سے بھی زیادہ خلوص کام کرے حسابات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ نادار طلبا یتیم و بیوائیں اور دینی تعلیم کے سلسلہ میں کافی رقم خرچ کی ہے ہماری رائے ہے کہ انجمن کو اموات کے غسل و کفن اور دفن کی طرف بھی خاص توجہ دینا چاہیئے علاوہ اس کے آنے جانے والے مسافرین کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے ۔ انجمن نے سال گذشتہ دینی تعلیم ایتام پروری ۔ وظائف طلبا اور انعقاد مجالس محافل ولادت و شہادت حضرات معصومین علیہم السلام پر کافی رقمیں خرچ کی تھیں ۔ خداوند عالم ان اراکین کو جزائے خیر دے اور توفیقات میں اضافہ فرمائے ۔ آمین

تقریباً ہر مد میں اچھا خاصا خرچ کرنے کے بعد بھی کافی بچت ہے جو اراکین کی ہمت و جرأت اور کارکردگی کی نشانی ہے ۔

فجزاھم اللہ خیرا الجزاء
(ادارۂ المعرفت)

چاہیں تو گدا کو یہ شہنشاہ بنادیں

از جناب رفیق الشعراء اہلبیت رفیق صاحب رضوی۔ کراچی

ہر بحر سیاہی ہو اور اشجار قلم ہوں — اوصاف کچھ اتنے ہیں کہ پھر بھی نہ رقم ہوں
جس در کے گدا مستحقِ باغِ ارم ہوں — اسی گھر کے مکیں جو بھی نہ واللہ ہوں کم ہوں
کیا رعب ہے کیا شان ہے کیا جاہ و حشم ہے
پیشانیٔ جبریل بھی دروازے پہ خم ہے

ہے ناز ان انوار کی خلقت پہ خدا کو — یہ چھین لیں چاہیں تو ستاروں سے ضیا کو
جبریل بھی پہونچیں نہ کبھی اس کی ہوا کو — دیں طاقتِ پرواز یہ جب ذہن رسا کو
اک آن میں مفلوک کو ذیجاہ بنا دیں
چاہیں تو گدا کو یہ شہنشاہ بنادیں

یہ احمد مختار ہیں وہ حیدر صفدر — یہ حضرت شہزادیٔ کونین وہ شبر
یہ حضرت شبیر بہ آغوشِ پیمبر — خورشید کے مانند ہے ہر چہرہ منور
کیا حسن خدا داد ہے ہر روئے حسیں پر
ہوتا ہے گماں عرش کا اترا کی زمیں پر

نسیاں سے بری ہیں یہ مبرا ہیں خطا سے — یہ نفس وہ بیٹی ہے یہ دونوں ہیں نواسے
جاتے ہیں نصاریٰ کی طرف حکم خدا سے — آجائے قیامت نہ کہیں ان کی دعا سے
ہر روح تہِ چرخ بریں کانپ رہی ہے
افلاک کو لرزہ ہے زمیں کانپ رہی ہے

تثلیث کے قائل ہوں کہ بندے ہوں صنم کے — حیران پریشان پجاری ہیں صنم کے
ماحول پہ آثار ہیں سب کرب و الم کے — اٹھتے ہیں سیہ ابر ہر اک سمت سے غم کے
نجرانی تو ڈر دیں گے یہ دنیا نہ فنا ہو
ہر شخص لرزتا ہے کہ اب دیکھئے کیا ہو

اچھا ہے بر اجمال بتا دو ذرا جو یہ قصہ   کرنے کے لیے بحث کچھ آگئے تھے نصاریٰ
تخمیص نے آپس کی بہت طول جو کھینچا   آخر یہ ملا حکم محمد کو خدا کا

بیٹوں کو خواتین کو اور نفسوں کو لائیں
کاذب پہ کریں رب سے بلاؤں کی دعائیں

ہر نور کے پیکر کو لیا ساتھ نبی نے   چیدہ تھے چنیدہ تھے محمدؐ کے نگینے
بیتاب ہوئے قلب دھڑکنے لگے سینے   طوفان میں غرقاب ہوں جس طرح سفینے

چادر میں چھپے ذہن کی اوہام لرز کر
اک جا پہ رکی گردش ایام لرز کر

روپوش جو اجنت تو شیاطین گئے گھر بند   مشرک پہ ہوئی دہر کی ہر راہ گذر بند
فتنوں کے ہر اک سمت سے ہونے لگے در بند   معبود نے ظلمت کو کیا شب میں نظر بند

پتھرائی ہوئی آنکھ تھی بے جان صنم تھے
شدت سے ضیا بار جو انوارِ حرم تھے

حالت تھی دگر ذہن کی اور دل کی دگر تھی   کیا ذکر سقر کا ہے کہ دنیا ہی سقر تھی
اس وقت کی ہر صورتِ قرآں پہ نظر تھی   جزیے کے سوا اور نہ کوئی راہ مفر تھی

رضوی تھے ذکاوت میں ہر عنوان سے بہتر
مشرک تھے مگر تھے وہ مسلمان سے بہتر

دیارِ سندھ

میں قومی ایک ہی آواز ہے اس کا

چندہ

نہ دینا یا وی۔ پی واپس کرنا بلا جرم سزا دینے کے مترادف ہے

اکتا سے پرہیز لازم ہے

(مینیجر)

معرفة

یدرآباد (مغربی پاکستان)

دینی علمی
ادبی
اخلاقی
ماہنامہ



مدیر

مت علی ممتاز الافاضل

مدیر
حشمت علی
ممتاز الافاضل

المعرفۃ

حیدرآباد سندھ لطیف

فی پرچہ ۵۰ پیسے
ششماہی ۳ روپے
سالانہ چھ روپے

جلد ۳ | ماہ اگست ۱۹۶۶ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ ہجری | نمبر شمارہ ۵

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلیشر حشمت علی نے زاہد پریس سے چھپوا کر دفتر المعرفت ٹنڈو طیب حیدرآباد سے شائع کیا۔

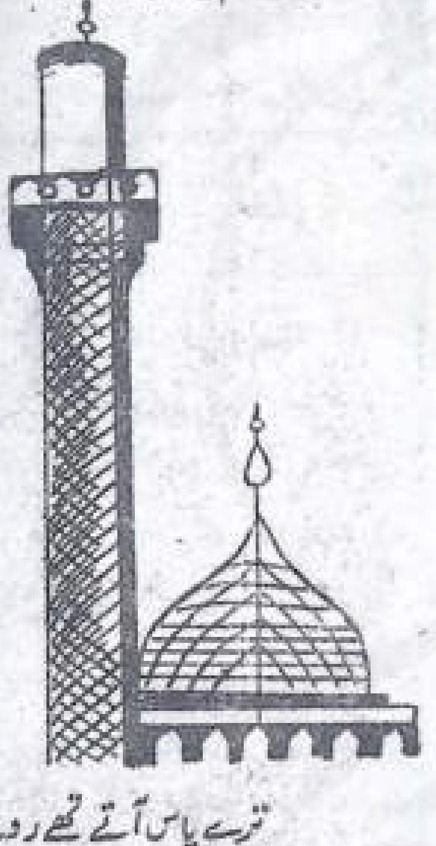
نعت سرور کائنات ﷺ

از عالی جناب شاعر کردار ساز مرزا محمد معتقد رضا خاں صاحب ناظم ایڈوکیٹ حیدرآباد

تو کنزِ خفی رازدار دو عالم
تو مطلوب پروردگار دو عالم
تری آمد آمد بہار دو عالم
صلوٰۃ علیک سلام علیک

تو آدمؑ سے پہلے مؤخر مقدم
معظم مقدس مکرم مفخم
تو خلق سراپا تو نورِ مجسم
صلوٰۃ علیک ۔ سلام علیک

غرض تیری بعثت کی کردار سازی
ترا کام تبلیغ و عرفاں طرازی
تری شانِ رحمت ہے بندہ نوازی
صلوٰۃ علیک ۔ سلام علیک ۔



ترے پاس آتے تھے روح الامیں بھی
ہوئی تجھ پہ نازل کتاب مبیں بھی
مکمل ہوا تجھ سے دین متیں بھی
صلوٰۃ علیک ۔ سلام علیک

جمیل الشیم ہے تری ذات والا
عمیم الکرم ہے تری ذات والا
شفیع الامم ہے تری ذات والا
صلوٰۃ علیک ۔ سلام علیک

صلی اللہ علیک یا نور محمد ﷺ

نجمہ صابری۔ ایم۔ اے

اس کائنات میں آخر خدائے لم یزل نے اپنا کو کیوں بھیجا؟ یہ ہے وہ سوال جو اکثر و بیشتر لوگوں کے ذہنوں پر چھایا رہتا ہے خداوند تعالیٰ نے خالق کل نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ اس کائنات میں اپنا خلیفہ اس کا نائب اس کی مخلوق وہ راہ اختیار کرے جو اس کو دونوں جہاں میں سرخرو کردے ایک ایسی راہ عمل ہو جس پر عمل پیرا ہو کر مخلوق خدا اپنے رب کو پہچان سکے وہ یہ جان جائے کہ کونسی راہ میں فلاح ہے۔ اور یہ راہ ہدایت انسان کو

خدا اور بندگی خدا میں ملتی ہے

بندگی کیسے کی جائے؟ اطاعت کیونکر کی جائے؟ عبادت کیسے کی جائے؟ اس کے معنی کیا ہیں؟ وہ کیا چاہتا ہے؟ انسان بے بس تھا وہ لاچار تھا۔ خدا نے اس کی مدد کی اپنے احکامات اپنی ہدایت اپنے پیغمبروں کے ہاتھوں مخلوق تک بھیجے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور مرضی و منشاء جاننے کے ذریعہ بنے۔ خدائے لم یزل نے اس کائنات کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے لاتعداد پیغمبر بھیجے حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے انہوں۔ نے لوگوں سے کہا خدا کی عبادت کرو۔ نماز قائم کرو ان کی امت نے انہیں خدا کے سامنے شرمندہ کردیا اور ان کو خدا کا بیٹا کہہ کر پکارا اور یوں خدا کی مخلوق ایک بار پھر بھٹک گئی۔

حضرت موسیٰ تشریف لائے —— بھٹکی ہوئی مخلوق کو راہ ہدایت دکھاتے ہوئے کہا۔

"اس خدائے لم یزل کی عبادت کرو جو واحد ہے"

کوہ طور پر کلیم اللہ کا خطاب پاکر اپنے رب سے باتیں کرنے جاتے ہیں چالیس راتوں کا وعدہ کرتے ہیں سامری جادوگر ان کی امت کو ورغلاتا ہے اور سونے کا بچھڑا بنا کر پیش کرتا ہے یہی تمہارا معبود ہے۔ حضرت موسیٰ کی امت بچھڑے کے آگے دوزانو ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ بھی رب دو عالم کے سامنے شرمندہ ہو کر بھٹکی ہوئی امت کے لئے دعائیں مانگتے ہیں

خشکی اور سمندر غرض ہر جگہ بھٹکی ہوئی مخلوق قتل و غارت پر آمادہ تھی۔ کہ رحمت خداوندی ندا دیتی ہے۔

ترجمہ:۔ بہترین رسول تمہارے پاس آیا ہے (توبہ)۔ بھٹکی ہوئی امت نے حیران کن نگاہوں

باقی ص ۵ پر

نگاہوں سے پوچھا
کون ؟
رحمت نے اشارہ کیا
"وہ محمد ہیں"
بھٹکی ہوئی مخلوق بیتاب ہو کر بولی۔ وہ کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
رحمت گویا ہوئی ــــ وہ تم ہی میں ہے (توبہ)
گنہگار بولے وہ کہاں ہیں ؟
رحمتِ الٰہی نے ندا دی ــــ
ترجمہ وہ ہماری آیات تم پر پڑھا کرتا ہے
پھر ہم کیا کریں گنہگار بولے ! (البقرہ)
رحمت الٰہی نے کہا
ترجمہ: اس کی اطاعت کرو اس کی اطاعت میری اطاعت ہے۔
اور پھر بھٹکی ہوئی مخلوق ایک غم نصیب بیوہ کے لال کی کملی میں سمٹ آئی۔ عبداللہ کے در یتیم نے گمراہ مخلوق پر اپنی کالی کملی کا سایہ کر دیا۔
"صلی اللہ علیک یا نور محمد"
اس کائنات میں خداوند قدوس نے لاکھوں پیغمبر بھیجے لیکن جو مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہے وہ کسی کو حاصل نہیں۔ رب دوعالم نے آپ کو "محمود" کہکر پکارا اور احمد کہہ کر مخاطب کیا۔ آخر کیوں ؟
"اسم "محمد" کی ایک شان ہی نرالی ہے۔ قاضی محمد سلیمان ندوی صاحب اپنی کتاب رحمۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ
"جب صفات میں کمال اور نصرت میں جلال اور فطرت میں احسان بر غیر اور فیضان عالم کے فضائل جمع ہو جائیں تو اس مجموعی کیفیت کا نام محمد ہو گا۔ ثنا و تکریم رفعتِ شان وقف ذکر اور استلزام جود و عطا کے مجموعہ کو بھی "حمد" کہتے ہیں اور حمد کی یہ جملہ صفات بدرجہ اکمل ذات پاک سبحانی میں بھی پائی جاتی ہیں ملاحظہ فرمائیے
"الحمد للہ"
اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی بھری نگاہوں میں بھی محمود ہیں ملائکہ مقربین بھی محمود کہہ کر پکارتے ہیں۔
زمرہ انبیاء و مرسلین بھی محمود کا خطاب دیتے اور اہل زمین کے نزدیک بھی آپ کا درجہ محمود ہی کا۔ جب ہی تو رب دوعالم نے فرمایا ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

میلاد النبی

۱۴۳۹ سال پہلے آج ہی کی تاریخ ——— ۱۲ ربیع الاول کو صبح صادق کے وقت مکہ معظمہ میں قوم قریش کی ایک نوجوان خاتون کے ہاں بچہ پیدا ہوا غم نصیب ماں کا سہاگ چند ماہ پیشتر دست اجل کے ہاتھوں تاراج ہو چکا تھا۔ گھر میں اتنا اثاثہ بھی نہ تھا کہ پیدائش کے وقت آخری حصۂ شب کی گھنیری ظلمتوں کو دور کرنے کے لئے ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کا انتظام کیا جاسکے کون کہہ سکتا تھا کہ بی بی آمنہؓ کی گود میں ہمکنے والا یہ ننھا یتیم بچہ ایک دن بحر قدرت کا درِ یتیم ثابت ہوگا اور وہ جس کی پیدائش چراغ سحری کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کی شرمندہ نہیں، ایک دن ظلمتکدۂ عالم کو اللہ کے نور سے بقعۂ نور بنا دے گا۔ لیکن سننے والے ہاتف غیبی کی آوازوں کو سن رہے تھے۔ دیکھنے والے قدرت کی نشانیوں کو دیکھ رہے تھے۔ اور واقعات دشواہ نوزائیدہ معصوم کے جلال و عظمت کی گواہی زبان خاموش سے دے رہے تھے۔ ایک چھوٹے سے گھر میں مادی چراغ کی روشنی نہ سہی ہر طرف نور کی بارش تھی ——— نور کی بارش کہ مکہ معظمہ کی گلیوں سے لیکر وہ کے بام و در نظر آرہے تھے۔ رحمت رب کے یہی وہ چھینٹے تھے جن سے فارس کا ہزار سالہ آتش کدہ سرد ہوگیا اور بارش نور کا یہی وہ سیلاب تھا جس سے ایوان کسریٰ متزلزل ہوا اور اس کے چودہ کنگورے جگر گوشۂ آمنہؓ کے ننھے خوبصورت قدموں کو چومنے کے شوق میں زمین پر آرہے۔ حضرت آمنہؓ کا ننھا یتیم صرف اپنی بیوہ ماں کی آنکھوں کا تارا ہی نہیں بلکہ خدائے واحد قہار کا محبوب تھا اس کی آمد کے احترام میں بیت اللہ خوشی سے جھوم اٹھا بت سرنگوں ہوگئے کفر کا وہ چشمہ جو صدیوں سے جاری تھا اچانک خشک ہوگیا اور اس نے لب ساحل پر اپنی سوکھی زبان پھیر کر خمخانۂ وحدت کے تشنہ کاموں کو ساقی کوثر و سلسبیل کی تشریف آوری کا مژدہ سنایا۔ ماہ ربیع الاول وہی مقدس اور انقلاب آفریں مہینہ ہے

——— وہ بندہ پیدا ہوا جو دنیا میں اپنی شان کا ایک ہی بندہ ہے۔

——— وہ انسان پیدا ہوا جس کے قدموں کی برکت سے اللہ کا عرش، انسان کا فرش بنا

——— وہ نبی آخر الزماںؐ پیدا ہوا جو آدم کی تخلیق سے بھی پہلے منصب نبوت پر سرفراز تھا۔"

——— وہ نور من نور اللہ شکل انسانی میں جلوہ گر ہوا جو اول الخلق ہے اور جس سے ہر چیز کی تخلیق ہوئی

وہ پیدا ہوا جس کے صدقے میں ظلمتِ کفر دفع ہوئی

وہ پیدا ہوا جکی شان مسیحائی سے مرض عصیاں کے بیماروں کو شفا نصیب ہوئی

وہ پیدا ہوا جس کے اسم مقدس کو دست قدرت نے اپنے قلم سے لوح محفوظ پر مکتوب و مرقوم و منقوش کرکے

آفرینش کائنات کے افسانہ کا عنوان بنایا

——— وہ پیدا ہوا جس کے ذکر کو پروردگار نے رفعت عطا کی۔

——— وہ پیدا ہوا جسے رب نے مقام محمود عطا فرمایا

——— وہ پیدا ہوا جس کے جمال حق نما کو پھر ایک بار دیکھ لینے کے اشتیاق میں غروب شدہ سورج دوبارہ طلوع ہوا۔

——— وہ پیدا ہوا جس کی جنبش انگشت پر چودہویں رات کے جگمگانے والے چاند کا جگر شق ہو گیا

——— وہ پیدا ہوا جس کی امت کو اللہ تعالیٰ نے امت عادلہ بنایا۔ وہ پیدا ہوا جو سو لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کا آخری نبی ہے

——— وہ پیدا ہوا جس کے غلاموں کیلئے کارخانہ قدرت میں اورنگ شاہی تیار ہوئے

——— وہ پیدا ہوا جس کے جلوۂ جمال نے توحید کا رنگ نکھار دیا۔

——— وہ پیدا ہوا جس کی نگہ پر جلال نے خرمن کفر و شرک کو جلا کر خاک کر دیا۔

——— وہ پیدا ہوا جس کے جسم پر نور کا سایہ نہیں۔

——— وہ پیدا ہوا جس کے پسینہ کی مہک باغ رضواں کے پھولوں سے زیادہ جاں نواز ہے

——— وہ پیدا ہوا جس کا حکم خدا کا حکم ہے!

——— وہ پیدا ہوا جس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے

——— وہ پیدا ہوا جس سے روگردانی خدا کے خلاف بغاوت ہے۔

وہ پیدا ہوا جس کی چشم کرم کی ایک جنبش نے بادیہ نشینوں کو تاج بخش تاج ستاں بنا دیا۔

وہ پیدا ہوا جس کے غلاموں کے آستانے پر ناصیہ فرسائی شاہان عالم کے لئے باعث فخر و مباہات ہے

وہ پیدا ہوا جو صبح ازل سے بھی پیشتر منصب نبوت پر سرفراز تھا۔

وہ پیدا ہوا جس کی نبوت کا پرچم شام ابد کے بعد بھی سربلند رہیگا

وہ پیدا ہوا جو خاتم النبیین ہے

وہ پیدا ہوا جس کی برکت انفاس سے بتوں کے دل دہل جاتے ہیں اور سنگریزے بھی پکار اٹھتے ہیں

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ

بقیہ صلی اللہ علیک یا نور محمد

محمد تو مقام محمود والے ہیں

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتنے بلند و بالا مقام والے ہیں۔ اور خدا ئے لم یزل نے تو یہ کائنات اپنے محبوب ہی کیلئے پیدا کی تھی۔ ورنہ

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

اپنے محبوب کا جمال اور اسکا رنگ دیکھنا تھا تو کائنات کو آئینہ بنا کر پیدا کیا اور اپنے محبوب کے نور کے روبرو رکھ دیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو سرور کائنات ہیں کہ دو جہان نے کمالات عبدیت کا اتمام و اختتام حضور ہی کی ذات گرامی پر ہوا

مدح ائمہ اثنا عشری علیہم السلام

از جناب میر کرم علیخاں صاحب مرحوم تالپور حاکم سندھ

شب اندر خواب بودم سر بہ بالیں قرار
دیدۂ دل محو حیرت از خیال روئے یار

ہاں آمد ندائے ہاتف در گوش من
گفت کائے مداح شاہ دیں امیر نامدار

د برخیز و بگو مدح شہنشاہ دو کون
آں شہنشاہی کہ باشد در دو عالم شہریار

و دیں شیر خدا ابن عم خیر الوریٰ
آں وصی مصطفیٰ آں نائب پروردگار

دم خیر البشر، شبیر و شبر را پدر
سرور نیکو سیر فرماندۂ عالی تبار

قف علیم لدنی محرم اسرار حق
صاحب سیف و علم شاہنشہ دلدل سوار

ت جبریل از جناب حق شانش در احد
لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

ور ابیکس لولا از غلامان توام
از غلام خویش چشم مرحمت را بر مدار

ت دل در دامنت از صدق و جاں محکم زدم
بر در دیگر نخواہم سود روئے انکسار

ل توئی در ہر دو عالم دستگیر بیکساں
دستگیری کن مرا دست تو دست کردگار

حسنؑ دارم رجا کز غائت لطف و عطا
جرم من روز جزا بخشد از پروردگار

مظلوماں حسین ابن علی جان نبی
باشد امیدم کہ گردد شافعم روز شمار

شہادت یافت از دست ستم کیشان شام
آہ گر بودم بعہدش کردمی جاں را نثار

م آل عبا دارائے دیں زین العباد
از جنابش انبیا و اولیا را افتخار

تدائے مومناں باقر امام انس و جاں
جعفر صادق کہ از وے دین خدا شد آشکار

دی از موسیٰ کاظم ہمی خواہم مدام
وز علی موسیٰ رضا باشم ہمیشہ کامگار

تقی ذوالکرامت و النقی ذوالکرام
چشم امید عنایت باشدم لیل و نہار

ن عسکر بحال زار من بخشائشی
خواہم از لطف تو گردم در دو عالم رستگار

شہنشاہ دو عالم مہدی صاحب زماں
از کرم بنما لقائے خویش بر ایں خاکسار

تاریخ اسلام

علامہ اقبال اور علامہ سلیمان ندوی

از سید حسنی ہاشمی ایم۔ اے پروفیسر سندھ یونیورسٹی
حیدرآباد

وہ جس نے انگریزی تعلیم پائی اور یورپ میں عرصہ تک رہا اس کا تعلق مشرقی طرز کے انسان اور سیدھے سادھے مسلمان بلکہ آج کل کی زبان میں کسی ملت سے ہو کتنی حیرت کی بات ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اقبال کی جب اقبال مندی کا زمانہ تھا اس وقت دربار سلیمانی میں ان کو نیاز مندی حاصل تھی علامہ اقبال کا علم و فراست ڈھکی چھپی بات نہیں ان کی شعر و شاعری نے مردہ قوم میں جو روح پھونکی وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ ان سب کے علاوہ ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی بلکہ یوں کہا جائے کہ بڑائی تھی۔ وہ دوسروں کی بڑائی کو تسلیم کرتے تھے اور اس سے مشورہ کرنے یا استفادہ کرنے میں باک نہیں سمجھتے تھے اس سے دوسروں کی بڑائی میں اضافہ تو نہیں ہوتا تھا مگر علامہ اقبال کی بڑائی کی قدر بڑھ جاتی تھی۔

علامہ سلیمان ندوی مرحوم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پڑھے ہوئے تھے مشرقی تہذیب کے دلدادہ دینی علوم کے عالم مگر علم کی وسعت کے ساتھ ساتھ نگاہ و قلب میں بھی بے پناہ وسعت تھی اور یہ فیض تھا ان کا کہ کے پروفیسر اور دارالعلوم کے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی کا۔

اقبال اور سلیمان میں اظاہر یکسانیت نظر نہیں آتی مگر علمی تحقیق اور دین سے دلچسپی نے دونوں کو بہت قریب تر کر دیا تھا۔ لیجئے سید سلیمان کی بڑائی کو مکاتیب اقبال میں دیکھیں اور ڈاکٹر اقبال کی بڑائی بھی انھیں خطوط میں ڈھونڈیں۔

سید صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ رموز بیخودی پہلے ہی آپ کی خدمت میں بھجوائی تھی ریویو کے

سراپا سپاس ہوں ...... مولانا شبلی رحمہ کے بعد آپ استاد الکل ہیں۔ اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہوگا۔ اسرار خودی کا دوسرا ایڈیشن تیار کر رہا ہوں عنقریب آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔ ایک اور خط میں اس طرح رقم طراز ہیں معارف میں ابھی آپ کا ریویو (رموز بیخودی پر) نظر سے گذرا ہے۔ جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

صحت الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے ضرور صحیح ہوگا، لیکن اگر آپ ان لغزشوں کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میرے لئے آپکا ریویو زیادہ مفید ہوتا، اگر آپ نے غلط الفاظ و محاورات نوٹ کر رکھے ہیں تو مہربانی کرکے مجھے ان سے آگاہ کیجئے کہ دوسرے ایڈیشن میں ان کی اصلاح ہو جائے

غالباً آپ نے رموز بیخودی کے صفحات پر ہی نوٹ کئے ہوں گے۔ اگر ایسا ہو تو وہ کاپی ارسال فرما دیجئے۔ میں دوسری کاپی اس کے عوض میں آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ اس تکلیف کو میں احسان تصور کروں گا۔

ڈاکٹر اقبال علامہ سید سلیمان کے کمال کے معترف تھے۔ اور چاہتے تھے کہ سید صاحب سے پنجاب والوں کو فائدہ پہنچے۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں :- "اسلامیہ[۲] اورینٹل کالج لاہور میں ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ اس کی تنخواہ ایکسو بیس روپیہ ماہوار ہے میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس جگہ کو اپنے لئے پسند فرمائیں۔ اگر ایسا ہو تو آپ کے لئے سعی کی جائے۔ آپ کا لاہور میں رہنا پنجاب والوں کے لئے بے حد مفید ہوگا۔"

سید صاحب جو اپنے استاد کی یادگار کو (دارالمصنفین) کو قائم کر چکے تھے اور قائم رکھنا چاہتے تھے ان کے پائے استقلال کو کہاں لغزش ہو سکتی تھی ورنہ یوں کالج کی پروفیسری نہ چھوڑتے جواب دیا جس کو علامہ اقبال بھی جانتے تھے چنانچہ سید صاحب کے جواب کے جواب میں ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں۔ "مجھے معلوم ہے کہ آپ ملازمت کوئی قبول نہ کریں گے۔ لیکن سنڈیکیٹ کے ممبروں کی تعمیل ارشاد میں آپکو لکھنا ضرور تھا۔ کسی قدر خود غرضی کا شائبہ بھی میرے خط میں تھا، اور وہ یہ کہ میں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والوں کو صوبہ متحدہ کے علماء و فضلا

---

۱ اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۸۰ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ناشر شیخ محمد اشرف۔ کشمیری بازار لاہور ۲ صفحہ ۸۱

ہے اس سے بیشتر فائدہ پہنچا ہے۔ اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رہنے سے بدستور جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ دارالمصنفین کے کام میں برکت دے اور آپ کا وجود مسلمانوں کے لئے سفینۂ ثابت کرے،

کسی زمانہ میں سید صاحب تصوف کیخلاف تھے۔ اقبال بھی عملی زندگی میں تصوف کو رکاوٹ خیال کرتے تھے۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف کے متعلق سید صاحب نے اقبال کو کچھ لکھا تھا۔ اقبال اس کے جواب میں لکھتے ہیں "آپ کا نوازش نامہ قوت روح اور ایمان قلب کا باعث ہے۔ میں ایک مدت کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد ان ہی نتائج پر پہنچا ہوں جو آپ کے والا نامے میں درج ہیں۔ جو کام آپ کر رہے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائینگے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے۔ جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی۔

مندرجہ بالا خطوط سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اقبال سید صاحب سے اتنا متاثر تھے کہ ان کی تنقید یا اعتراض کو آسانی سے قبول کر لیتے تھے۔ سید صاحب کی تنقید یا اعتراض کا جواب دلیل یا مثال سے دیا کرتے تھے اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تلاش و تحقیق میں کتنا وقت صرف کرتے تھے اور اپنی بات کا وزن بڑھانے کے لئے مثال کے پلڑے میں رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں سید صاحب کو لکھتے ہیں "قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا وہ بالکل بجا ہے مگر چونکہ شاعری اس مثنوی (اسرار خودی) سے مقصود نہ تھی اس واسطے میں نے بعض باتوں میں عموماً تساہل برتا۔ اس کے علاوہ مولانا روم کی مثنوی میں قریباً ہر صفحہ پر اس قسم کے قوافی کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور ظہوری کے ساقی نامہ کے چند اشعار بھی زیر نظر تھے

اصول تشبیہ کے متعلق کاش آپ سے زبانی گفتگو ہو سکتی، قوت واہمہ کے عمل کی رو سے بیدل اور غنی کا طریق کار زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے گو کتب بلاغت کے خلاف ہے، زمانۂ حال کے مغربی شعراء کا بھی طرز عمل یہی ہے۔ بحر تلخ رو (کلمہ بسکون لام)، کوری ذوق، سرمہ اور دیدہ ہا شکست، ساز برق آہنگ، صبح آفتاب اندر قفس وغیرہ کی مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضایع ہوگا نظر انداز کرتا ہوں"

۱۷ اصف ۵، ۲۳ صف ۶، ۳۳ صف ۷، ۴۲ صف ۸۵-۸۶

...اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا۔۔۔۔

ایک امر دریافت طلب ہے اس سے ...ماہ فرما کر ممنون کیجئے"

"قطرۂ از نرگس شہلا سقی" پر جو کچھ آپ نے ...ایا ہے میں نہیں سمجھ سکا کیا آپ کا یہ مقصود ہے ...طرہ کا لفظ شہلا کے لئے (یعنی قطرۂ شہلا) ...زوں نہیں یا کچھ اور؟ علیٰ ہذا القیاس۔

...مہ بر زد در حقیقت از مجاز"

"نعرہ زد شیرے از دامان دشت" کے ...ق بھی یہی سوال ہے۔ دوسرے خط میں ...طرح لکھتے ہیں "خیمہ بر زد از حقیقت در مجاز" ...نعلق آپ نے فرمایا تھا کہ "از" میں تجاوز ...مفہوم نہیں ہے۔ کیونکہ خیمہ بر زدن کے معنی ...ام کرنے کے ہیں، میں تلاش میں تھا کہ کوئی ...سند مل جائے جیسا کہ میں نے گذشتہ خط میں ...ض کیا تھا، آج کلیات سعدی میں وہ مل گئی ارسال خدمت ہے۔

صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار
وقت آں نیست کہ در خانہ نشینی بے کار

ایک اور خط میں لکھتے ہیں "سیر" فارسی میں ...معنوں میں آتا ہے۔ سیر کردن، سیر زدن، سیر داشتن ...، سیر دیدن بھی

عمرہا صائب بشہر عقل بودم کوچہ بند
مدتے ہم باغزالاں سیر صحرا می زنم (مخلص کاشی)

لفظ نعرہ حیوانات کی آواز کے لئے بھی آتا ہے اس وقت نعرہ اسپ کی سند موجود ہے۔ اور مجھے یاد ہے شیر کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے۔ انشاء اللہ عرض کروں گا۔ مگر میں نے اور وجوہ سے اس شعر میں ترمیم کر دی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی دن بہت دشت اور بیشہ مرادف بھی آتے ہیں، اور دشت کے لئے ضروری نہیں کہ بالکل خشک ہو۔

چہ پرسی از آب در رنگ کوہسارش
ہزاراں دشت لالہ داغدارش
(یحییٰ شیرازی)

دشت و در بمعنی آبادی و ویرانہ آیا ہے "اور معنی کلیت کے پیدا کرتا ہے۔ مگر اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں کہ میں نے ہر دو اشعار زیر بحث میں ترمیم کر دی ہے، دشت و در ایسا ہی ہے جیسے کوہ و دشت، پست و بلند سے تقطیع بھی نہیں گرتی آپ نے مصرعہ صحیح نہیں لکھا "نعرہ زد شیرے در دامان دشت" نہیں بلکہ "نعرہ زد شیرے از دامان دشت" ہے۔ باقی باتیں انشاء اللہ دوسرے خط میں عرض کروں گا۔"

جب آپس میں خط و کتابت تھی، تعلقات تھے تو ایک دوسرے کو اپنا دکھ درد بھی لکھ دیتے تھے اور تسلی بھی ملتی تھی، میرے صاحب نے اپنی پریشانیاں

لکھی ہوں گی جس کے جواب میں اقبال لکھتے ہیں۔

حالات معلوم ہونے پر طبیعت بہت بہت متاثر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اطمینان قلب عطا فرمائے، آپ کا یہ فقرہ کہ میرے ساتھ خدا کا معاملہ عجیب ہے" گویا تمام ملتِ مرحومہ کے احساسات کا ترجمان ہے۔ جو قوم ایک مشن کے پیدا ہوئی ہے اس کی روحانی تربیت کے لئے ابتلا کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک انگریز مصنف جسے ابتلا کے دور رس نتائج کا تجربہ ہو چکا ہے۔ لکھتا ہے کہ دکھ دیوتاؤں کی ایک رحمت عظیم ہے۔ تاکہ انسان زندگی کے ہر پہلو کا مشاہدہ کر سکے" آپ امت محمدیہ کے خاص افراد میں سے ہیں، اور اس مامور من اللہ قوم کے خاص افراد کو ہی امر الٰہی ودیعت کیا گیا ہے۔ فرقہ یاسیہ کو چھوڑ کر فرقہ رجائیہ میں آجائیے۔ جس حقیقت کو آپ زیر پردہ دیکھ چکے ہیں اس کی بے نقابی کا زمانہ قریب ہے۔

شخصی اعتبار سے مجھے آپ کے ساتھ حد درجہ ہمدردی ہے۔ یقین جانیئے کہ آپکے الفاظ نے میرے دل پر سوز و گداز کی کیفیت طاری کر دی اور میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و مصائب میں استقامت عطا فرمائے۔

اقبال کے قلم نے جو تسکین قلب سلیمانی کو دی ہے وہ شاید ہی کسی ہمدرد اور مخلص نے سید صاحب کو دی ہو۔

اور سید صاحب نے الفاظ اور جملوں کا جو لطف اٹھایا ہوگا وہ بھی شاید ہی کوئی محسوس کر سکے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوجاتا ہے کہ علامہ اقبال اور علامہ سید سلیمان جو اپنے زمانہ میں مثل آفتاب و ماہتاب تھے وہ بحر العلوم میں مد لانے کا سبب بنے اور اس مد کی بدولت قوم کے جہاز کو ساحل مراد دکھلا کر منزل مقصود پر پہنچنے میں آسانی ہوئی۔ چند اقتباسات دونوں کے تعلقات کے متعلق اور ملاحظہ ہوں۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں۔ کیفیت باطن میں بالخصوص آجکل صحو کی ضرورت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضوان اللہ اجمعین کی تربیت اسی حال میں کی تھی سکر کی حالت عمل کی دشوار گذار منزل کو طے کر لینے کے بعد ہو تو مفید ہے۔ باقی حالات میں اس کا اثر روح پر ایسا ہی ہے جیسا جسم پر افیون کا۔ میری خامیوں سے مجھے ضرور آگاہ کرتے رہا کیجئے۔ آپکو زحمت تو ہوگی مگر مجھے فائدہ ہوگا"۔

ایک اور خط میں اس طرح رقم طراز ہیں،

میں تو اپنے اشعار کو چنداں وقعت نہیں دیتا لیکن جب ایڈیٹر معارف ان کے لئے تقاضہ کرتے ہیں

تو شبہ ہوتا ہے کہ شاید ایسا ہی کچھ ہو" ایک اور خط میں اپنی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں "سلام کا بہت سا حصہ نظر ثانی کا محتاج ہے"" لیکن اور مشاغل اتنی فرصت نہیں چھوڑتے کہ ادھر توجہ کر سکوں تاہم جو کچھ ممکن ہے کرتا ہوں، شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمح نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لئے وقت نہیں ہے مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو، اور بس، اس بات کو مد نظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہوں ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں اس واسطے کہ فن غایت درجہ کی جانکاہی چاہتا ہے۔ اور یہ بات موجودہ حالات میں میرے لئے ممکن نہیں۔۔۔۔ غرض یہ کہ موجودہ حالات میں میرے افکار اس قابل نہیں کہ ان کی تنقید کے لئے سلیمان کا دل و دماغ صرف ہو" ایک اور خط میں اسطرح ہے

"آج کے معارف میں میری آرزو سے بڑھکر مضمون لکھا گیا، جزاک اللہ۔ معارف کا ایڈیٹر صاحب کشف نہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ خضر راہ کے متعلق جو نوٹ آپ نے لکھا اس کا شکریہ قبول فرمایئے۔ جوش بیان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے مگر یہ نقص اس نظم کے لئے ضروری تھا اگر (میرے خیال میں) جناب خضر کی پختہ کاری، ان کا تجربہ اور واقعات و حوادث عالم پر ان کی نظر ان سب باتوں کے علاوہ ان کا انداز طبیعت جو سورۂ کہف سے معلوم ہوتا ہے اس بات کا مقتضی تھا کہ جوش اور تخیل کو ان کے ارشادات میں کم دخل ہو، اس نظم کے بعض بند میں نے خود نکال دیئے اور محض اس وجہ سے کہ ان کا جوش بیان بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور جناب خضر کے انداز طبیعت سے موافقت نہ رکھتا تھا۔

فلسفہ اور سائنس کے متعلق موجودہ زمانہ کی جو روش تھی اس کے متعلق اپنا خیال اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

"ع۴ ۔ زمان و مکاں و حرکت کی بحث اسوقت فلسفہ اور سائنس کے مباحث میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکماء و صوفیہ کے نقطۂ نگاہ سے یورپ کو روشناس کرایا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا۔"

"ع۵ رویت باری کے متعلق جو استفسار میں نے آپ سے کیا تھا اس کا مقصود فلسفیانہ تحقیقات نہ تھی۔ خیال تھا کہ شاید اس بحث میں کوئی بات ایسی نکل آئے جس سے آئن سٹائن کے انقلاب انگیز نظریۂ نور پر کچھ روشنی پڑے۔ اس خیال کو ابن رشد کے ایک رسالے سے تقویت ہوئی جس میں انہوں نے ابوالمعالی کے رسالے سے ایک فقرہ اقتباس کیا ہے

ابو المعالی کا خیال آئن سٹائن سے ملتا جلتا ہے، گو مقدم الذکر کے ہاں یہ بات محض ایک قیاس ہے اور موخر الذکر نے اسے علم ریاضی کی رو سے ثابت کر دیا ہے۔

اگرچہ یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا ہے تاہم مسلک وہی ہے جو قرآن کا ہے اور جس کو آپ نے آیۃ شریفہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔"

حوالے: ۱۔ ۱۰۱ صفحہ ۱۰۵ صفحہ ۱۱۸ ص ۱۲۲ ص ۱۲۹

علامہ اقبال کے نام سید صاحب کے خطوط اگر شائع ہوں تو معلوم ہوگا کہ سید صاحب نے ان خطوط سے مختلف نہ لکھے ہوں گے جو اقبال لکھتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی اقبال کے مقام کو جانتے تھے۔ بکثرت مسائل کے متعلق سید صاحب نے استفسار کیا ہوگا۔ مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ اقبال ہو یا کوئی اور اپنے زمانہ کا بڑا شخص اس کے والدین ہوں گے۔ (سوائے حضرت آدم علیہ السلام کے) جن کے سامنے بڑی سے بڑی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی وہ بچہ ہی ہوگا۔ اگر وہ معلم ہوگا تو اس نے پہلے خود کسی عالم سے پڑھا ہی ہوگا (سوائے ہمارے حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے) اور جب کسی سے پڑھا ہوگا اور استفادہ کیا ہوگا، اور اس کا اقرار یا اعتراف کا اعادہ کرے گا تو اس کی عزت دنیا کی نظروں میں گھٹنے کی نہیں بلکہ بڑھ جائے گی اور سب بڑائیوں کی ایک بڑائی اقبال میں یہ بھی تھی جس نے اقبال کو زندگی میں مستند بنایا اور مرنے کے بعد رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات سے خود کو یاد کرایا۔"

النعت

برائے اشاعت المعرفت حیدرآباد

از شاعر معصومین الیاس صاحب ہولپوری حیدرآباد

رسول کون و مکاں کی ثنا جو کی میں نے — بڑے شعور سے عقبیٰ سنوار لی میں نے
کبھی کہا دم مشکل جو یا علی میں نے — مٹا دی گردش دوراں کی برہمی میں نے
وہ کیف تھا کہ دو عالم کی سیر کی میں نے — شراب معرفت مصطفیٰ جو پی میں نے
در رسول پہ کی جا کے بندگی میں نے — بہت اٹھائے ہیں یوں لطف زندگی میں نے
ادھر سوال کیا بھر گیا ادھر دامن — جہاں میں آپ سا پایا نہیں سخی میں نے
رسول پاک کی اللہ رے ثنا کا مقام — کہ ایک بیت میں جنت خرید لی میں نے
اسی کا نام ہے ورد زبان شام و سحر — کہ جس کے صدقے میں پائی ہے زندگی میں نے
فلک کے گوشوں سے آئی صدا سبحان اللہ — علی کے در پہ ادا جب نماز کی میں نے

خدا بھی خوش ہے محمد بھی شاد ہیں الیاس
جو کی ہے آل محمد سے دوستی میں نے

سائنٹفک مجلس

از عالیجناب ڈاکٹر سید منظور حسن صاحب

سلسلے کیلئے جولائی کا شمارہ ملاحظہ کیجئے

مضمون چونکہ بہت وسیع ہے اور اہم پیچیدہ عنوان کے لئے کچھ ابتدائی مقدمات کی ضرورت ہوا کرتی ہے جنکے ذریعہ سے اصل مقصود کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اسلئے پہلے میں مختصر مقدمات کے طور پر بھی کچھ عرض کروں گا۔ حدیث مذکورہ بالا شروع ہوتی ہے لفظ کُنتُ سے جو فعل کا ایک صیغہ ہے اور فعل کے لئے پانچ چیزیں لازمی ہیں۔ اوّل فاعل فعل دوسرے مفعول فعل تیسرے زمانہ یا وقت فعل چوتھے ظرف یعنی محل وقوع اور آلۂ فعل کے متعلق بحث کرنا اس وقت مقصود نہیں ہے کیوں کہ یہ وہ عنوانات ہیں جن پر قلم اٹھانا گویا ایک دریائے ناپیدا کنار میں غوطے مارنا ہے اور انسانی امکان کی تمام حدوں کو توڑ کر تائید غیبی اور امداد مافوق الفطرت کے بغیر اس وادی سخت گذار اور ہتنا ہی میں قدم رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے ان مباحثات کو چھوڑتے ہوئے اس وقت سائنس کی روشنی میں عقلی استدلال کے ساتھ صرف زمانہ فعل یعنی وقت کے اوپر ہی کچھ بحث کرنی مقصود ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ اس حدیث مبارکہ سے جو

پہلی بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ پروردگار عالم اپنے رسول کی معرفت اپنی موجودگی کی خبر دے رہا ہے اور اس خبر میں اس کا قدم مضمر ہے۔ چنانچہ پہلا تخیل جو لفظ کُنتُ سے پیدا ہوتا ہے وہ ہے تخیل قدم یعنی اس کی موجودگی کے وقت کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ اور وہ اس طرح کہ لفظ کُنتُ جس کے معنی ہیں میں تھا۔ ماضی مطلق کا صیغہ ہے جس کو انگریزی میں (پاسٹ ان ڈیفینٹ Past Indifinite) کہتے ہیں یعنی جس کے گذرے ہوئے ہونے کے متعلق کچھ حد بھی نہ مقرر کی جا سکے۔ اور جس کی حد بندی کے بارے میں کوئی مختتم بات ہی نہ کہی جا سکے اور جس کی گہرائی کی کوئی انتہا ہی نہ معلوم ہو سکے اسی لئے اس لفظ کُنتُ سے جس ماضی کا اظہار ہو رہا ہے اس کی انتہا یعنی گہرائی تک پہنچنا محال ہے۔ اور محال اس لئے ہے کہ اس کا کوئی کنارہ ہی نہیں معلوم ہوتا آپ جتنا بھی پیچھے جائیں گے جتنا جتنا بھی اس ماضی کی گہرائی میں اترتے جائینگے لفظ یہی پکارتا رہے گا کہ میں تھا۔ یعنی اس وقت بھی میرا وجود موجود تھا۔ جہاں کہیں بھی آپ کا تخیل جا کر رکے گا وہاں بھی اس کی موجودگی ثابت ہے جتنا بھی آپ اپنے تخیل کو آگے بڑھاتے جائینگے

لفظ کنت یہ بتاتا جائیگا کہ اس وقت بھی میری ذات موجود تھی۔ تو مطلب یہ ہوا کہ آپ اس ماضی کی حد تک پہنچ ہی نہیں سکتے اور اس کی ابتدا کا پتہ لگا ہی نہیں سکتے سوائے اس کے کہ یہ کہیں کہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہیگا۔ اب جہاں تک بھی اس لفظ ہمیشہ کا مفہوم جاتا ہے اور جہاں تک بھی اس کا دائرہ وسیع ہوتا ہے وہیں تک اس لفظ کنت کا بھی مفہوم جاتا ہے اور وہیں تک اس کا بھی دائرہ وسیع ہوتا ہے۔ دوسرا تخیل جو اس لفظ کنت سے پیدا ہوتا ہے وہ ہے تخیل وقت یا تخیل زمانہ۔ یعنی یہ کہنے سے کہ میں تھا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ایک وقت تھا اور وہ ایک زمانہ تھا کہ جس زمانے اور جس وقت میں یہ کہنے والا کہہ رہا تھا کہ میں تھا یعنی موجود تھا۔ اور نہ معلوم کب سے موجود تھا اور چونکہ کہہ رہا ہے اس وقت لہذا اب بھی موجود ہے۔ تو گویا اس لفظ کنت سے ہمیں وقت کا اور اس کے گذرنے کا اور تسلسل زمانہ کا ایک تصور پیدا ہوتا ہے۔ اور ہمارے دماغوں میں بساط وقت کا ایک خاکہ قائم ہوتا ہے اور وہ ہم کو دعوت دیتا ہے اس امر کی طرف کہ ہم سوچیں اور اس پر غور کریں کہ وقت کیا چیز ہے اور یہ اس کا گذرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم اسی پر غور کرلیں اور یہ سمجھ لیں کہ وقت کسے کہتے ہیں اور زمانہ کیا ہوتا ہے۔ وقت اور زمانہ یہ وہ عام الفاظ ہیں جن کو تعلیم یافتہ حضرات تو جانتے ہی ہیں لیکن نیم تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ اشخاص بھی ان سے ضرور واقف ہیں اور اپنی حد سمجھ تک ان کے معنی بھی سمجھتے ہیں مگر میں عرض کرتا ہوں کہ پھر بھی ان الفاظ کے معنی کچھ ایسے ادق اور گہرے ہیں کہ جب تک ان کی کماحقہ تشریح نہ کی جائے ان کے معنی کا صحیح احصار کرنا مشکل ہے لفظ زمانہ بھی تشریح طلب ہے اور لفظ زمانہ سے زیادہ لفظ وقت زیادہ تشریح طلب ہے۔

وقت پر بحث کرنے سے پہلے ایک بحث اور ہے جس کو بحث وقت کی بھی پہلے سمجھ لینے کی ضرورت ہے تاکہ آگے کی منزلیں آسان ہو جائیں۔ اور وہ بحث ہے واقعہ کی جس کو سمجھے بغیر وقت کو سمجھ لینا مشکل ہے۔ واقعہ کس کو کہتے ہیں۔ واقعہ کے معنی ہیں جو بات وقوع میں آئی ہو اور ظاہر ہوئی ہو یعنی جس کو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ اپنے کانوں سے سنا ہو۔ اپنے ہاتھوں سے چھوا ہو۔ اپنی ناک سے سونگھا ہو۔ اور اپنی زبان سے چکھا ہو۔ مختصر یہ کہ جس کو حواس خمسہ انسانی نے درک کیا اس کو واقعہ کہتے ہیں مثلاً یہ کہ آپ نے اپنا ہاتھ مجلس میں اپنے سینہ پر مارا یہ ایک واقعہ ہو گیا کیونکہ [illegible] ایک بات ظہور میں آگئی کہ اپنے مقام پر دیکھی بھی جا سکتی ہے اور سنی بھی جا سکتی ہے۔ مگر اس واقعہ کی صورت وقوع کیا ہوتی

یعنی یہ واقعہ کیوں کر پیدا ہوا یہ بھی کہ آپ کا ہاتھ آپ کے پہلو سے اٹھا اس نے حرکت کی اور وہ حرکت آپ کے سینہ پر جا کر ختم ہوئی اور اس سے ایک آواز بھی پیدا ہوئی اور واقعہ ختم ہو گیا۔

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو اس واقعہ میں دو چیزیں نظر آتی ہیں ایک آپ کا ہاتھ اور دوسرے اس ہاتھ کی حرکت۔ ہاتھ آپ کا پہلے سے موجود تھا وہ آپ کے پہلو میں آرام سے رکھا ہوا تھا جس وقت اس میں حرکت ہوئی واقعہ ظہور میں آ گیا۔ تو معلوم ہوا کہ واقعہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول متحرک یعنی حرکت کرنے والا وجود۔ دوسرے اس وجود کی حرکت اور ان دونوں میں جو اہم چیز ہے وہ حرکت کیونکہ اگر حرکت نہ ہوتی تو آپ کا ہاتھ آپ کے پہلو میں رکھا ہی رہتا اور کوئی واقعہ ظہور میں نہ آتا۔ اس لئے اب واقعہ کے سمجھنے کے لئے ضروری ہوا کہ پہلے حرکت کو سمجھ لیا جائے کہ حرکت کس کو کہتے ہیں اور حرکت بذات خود کیا چیز ہے

تو اب میں عرض کرتا ہوں کہ حرکت نام ہے استعداد فعل کے ظہور کا یعنی مقید قوت عمل کے اظہار کو حرکت کہتے ہیں اور مقید قوت عمل یا پوشیدہ استعداد فعل وہ قوت اور وہ طاقت ہے جس کو انگریزی میں اسٹیٹیکل انرجی (Statical energy) کہتے ہیں اور جس کو اردو میں قوت مقامی یا طاقت سکونی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی وہ قوت خاموش اور پوشیدہ استعداد عمل کہ جہاں حالات موافق ہوئے اور اس نے اپنا اظہار کیا۔

ایک معمولی سی مگر واضح مثال پیش کر دوں تو مطلب صاف ہو جائے گا۔ ایک بم ڈائنامائٹ کہ جس کو آپ اپنے ہاتھ میں بھی رکھ سکتے ہیں مگر جب آپ نے اس کو پہاڑ کی کھوہ میں رکھا اور اسے اڑا دیا اور اس نے آناً فاناً پہاڑ کے ٹکڑے اڑا دئیے یہ کیا تھا یہ وہی استعداد فعل اور یہ وہی پوشیدہ قوت عمل تھی جو اس ڈائنا مائٹ کے بم میں مقید تھی جس وقت اس کو صحیح راستہ اپنے اظہار کا مل گیا اور حرکت میں آنے کے اسباب مہیا ہو گئے فوراً حرکت میں آ گئی اور اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ یعنی ایک حالت سے دوسری میں حالت میں آ گئی یا ایک مقام سے دوسرے مقام میں آ گئی یا ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں آ گئی۔ اور اب وہ قوت اس ڈائنا مائٹ کے بم میں نہیں رہی بلکہ اب وہ پہاڑ کے ٹکڑوں میں منتقل ہو گئی جو اس قوت کی وجہ سے اڑ کر دور جا کر گرے۔ وہ منتقل ہو گئی زمین میں جس نے اس کو لرزا دیا۔ وہ منتقل ہو گئی۔ ہو

اس نے حرکت دی اور آپ کے پردۂ سماعت کو متاثر کیا تو گویا حرکت ہوا تبدیلی کا نام یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں آنیکا یا ایک مقام سے دوسرے مقام میں آنے کا یا ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں تبدیل ہو جانیکا۔ نوعیت حرکت یا ماہیت حرکت بذات خود کوئی چیز نہیں ہے اور نہ حرکت کسی خاص شئے کا نام ہے۔ کیوں اس وجہ سے کہ آپ نے حرکت کو بذات خود نہیں دیکھا بلکہ آپ نے دیکھا کہ پہاڑ کے ٹکڑے اڑے اور انہوں نے حرکت کی وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئے تب آپ کو حرکت نظر آئی اور تب ہی یہ سمجھ میں آیا کہ حرکت اس تبدیلی مقام کو کہتے ہیں۔

اس مثال سے یہ اب اچھی طرح ثابت اور واضح ہوتا ہے اور جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اظہار حرکت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے کوئی متحرک ہو اور وہ حرکت کرے تو حرکت ظاہر ہو اور سمجھ میں بھی آئے لیکن اگر کوئی متحرک نہیں ہے کوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانیوالا نہیں ہے تو حرکت ظاہر ہو ہی نہیں سکتی اور وجود حرکت عدم ہی میں رہیگا۔ حرکت کی یہ دو مثال میں نے پیش کی جس کو دنیوی مثال کہہ سکتے ہیں۔ اس معنی سے نہ اس کو دنیوی انسان اپنے فعل سے ظاہر کر سکتا ہے اور انسانی ارادہ سے یہ حرکت وجود میں آسکتی ہے۔ اسی طرح اور بہت سی مثالیں دنیوی حرکت کی پیش کی جا سکتی ہیں مثلاً یہ کہ آپ گیہوں کا ایک دانہ زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ چند روز میں وہی گیہوں کا دانہ باوجود اپنے ضعف قوت و جسم کے زمین کو توڑ کر بشکل کونپل باہر آتا ہے اور آسمان کا رخ کرتا ہے اور بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ مثال ہے اس حرکت کی جو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے سے ظاہر ہوتی ہے اور جو بہت آہستہ اور بتدریج ہوتی ہے کہ جس کو آپ کی نظر محسوس نہیں کر سکتی۔

اب میں حرکت کی ایک مثال قرآن حکیم سے پیش کرتا ہوں پروردگار عالم اپنے کلام حکمت نظام میں ارشاد فرماتا ہے۔ والشمس تجری لمستقر لها ذالک تقدیر العزیز العلیم ٥ والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم ٥ لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا الیل سابق النہار ط وکل فی فلک یسبحون ٥ (سورہ یسین آیت ۴۰)
ترجمہ ان آیات شریفہ کا یہ ہے اور سورج جو چل رہا ہے اپنے مستقر پر یعنی اپنے اربٹ پر یہ مقدر کیا ہوا ہے۔ ایک زبردست اور صاحب علم کا۔ اور چاند اس کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ پلٹ کر اپنی پرانی شاخ خشک خمیدہ کھجور کی شکل ہو جاتا ہے نہ سورج ہی اس کو جا پکڑ سکتا ہے اور نہ رات ہی دن سے

آگے بڑھ سکتی ہے۔ اور یہ سب کے سب آسمان میں تیر رہے ہیں۔

غور کریں آپ یہ قرآن حکیم تذکرہ کر رہا ہے کچھ متحرکوں کا اور ان کی حرکات کا بلکہ مقدارِ حرکات کا۔ تناسب حرکات کا۔ اور کیفیت حرکات کا۔ اور یہ بھی اشارہ کر رہا ہے کہ ان قوی الجثہ متحرکوں کے پس پشت ایک طاقت ہے ایک قوت ہے۔ ایک فورس ہے کہ جس نے ان متحرکوں کو حرکت دے رکھی ہے اور ایسی حرکت دے رکھی ہے اب کیا مجال ہے کہ اپنے راستے سے ذرہ برابر بھی ہٹ جائیں۔ کیوں۔ اس لئے کہ ذالک تقدیر العزیز العلیم۔ یہ راستہ اور یہ مستقر اور یہ انکا اس مستقر پہ چلنا مقرر کردہ ہے۔ ایک بڑے زبردست کا اور ایک سب سے بڑی قوت والے کا اور ایک بہت بڑے صاحب علم کا یعنی یہ نہیں ہے کہ یہ حرکات خود اختیاری طور پر ہو رہی اور یہ سب اپنی خوشی سے خود بخود حرکت کر رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کو مقرر کیا ہے اس نے جو بڑا صاحب علم ہے۔ جو بڑا صاحب طاقت ہے یا بقول سر جیمس جینز برٹش سائنٹسٹ ایڈ اسٹرانامر کے یعنی بڑا زبردست خالص اور ماہر ریاضی والا ہے کہ جس نے ان کو سمجھ کر مقرر کیا ہے۔ جانچ کر مقرر کیا ہے۔ حساب لگا کر مقرر کیا ہے۔

مدت کے لحاظ سے مقرر کیا ہے ضرورت کی مقدار سے مقرر کیا ہے۔ نتائج پر غور کر کے مقرر کیا ہے۔ اور چوں کہ وہ سب سے زبردست قوت والا ہے اس نے قوت سے مقرر کیا ہے۔ استحکام سے مقرر کیا ہے اور حکم سے مقرر کیا ہے بس اسی طرح حرکت کئے جاؤ اور جب تک ہماری انگلی اشارہ نہ کرے ہرگز پلٹنا اور رہبر دو ٹکڑے نہ ہونا۔ اب کیا مجال ہے سورج اس جگہ سے سرک سکے چاہے وہ بادشاہ نظام شمسی ہی کیوں ہو اور کیا مجال ہے چاند کی کہ وہ اپنی منزلوں سے سر مو بھی تجاوز کر سکے یا اپنی رفتار میں کچھ بھی تغیر کر سکے یا اپنے جسم کا ذرا سا ٹکڑا بھی علیحدہ کر سکے اور یہ مقدار کرنا اور یہ استحکام اس لئے ہے کہ اگر بھی اسی رفتار اور اسی قوت سے چلنے لگے جس قوت سے اور جس رفتار سے آفتاب چل رہا ہے تو تصادم کا امکان ہے نقصان ہو جانے کا اندیشہ ہے ا چوں کہ نسبتاً نحیف الجثہ ہے اس لئے برباد ہو جائیگا جسم منتشر ہو جائے گا مقاد ضائع ہو جائیگا حرکات کی نسبتیں اور قدروں میں فرق آجائے گا اور سارا نظام شمسی میں بے ترتیبی پیدا ہو جائیگی اور نظام درہم برہم ہو جائیگا

یہاں تک میں نے حرکت کے متعلق عرض کیا جو ک واقع کے وقوع میں آنے کے لئے ایک اہم اور ضر

جز ہے اب میں پھر واقعہ کے متعلق عرض کرتا ہوں اور اسی واقعہ کو یاد دلاتا ہوں کہ آپ نے اپنا ہاتھ مجلس میں اپنے سینہ پر مارا یہ ایک واقعہ ہو گیا پھر دوبارہ آپ نے ایسا ہی کیا یہ دوسرا واقعہ ہوا مگر پہلے کے بعد ان دونوں واقعات کو آپ ایک ساتھ واقعہ نہیں کہہ سکتے یہ آپ کے لئے محال ہے لازماً ایک واقعہ پہلے ہوگا دوسرا اس کے بعد اور تیسرا اس کے بعد علیٰ ہٰذا۔

تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہر واقعہ اپنے سے پہلے واقعہ کے بعد اور اپنے بعد کے واقعہ سے پہلے واقعہ ہوتا ہے۔ اور اس طرح سے تقدم اور تاخیر کا ایک سلسلہ چلتا ہے اور چھوٹے چھوٹے وقفوں کی ایک زنجیر سی مرتب ہوتی ہے اور آپ کو اندازہ کرنے کا ایک معیار مہیا ہوتا ہے۔ کس چیز کا پہلے اور بعد کا۔ دیر اور سویر کا تقدم اور تاخیر کا اور یہ پہلے اور بعد دیر اور سویر تقدم اور تاخیر کس چیز کو ظاہر کرتے ہیں۔ بس جس چیز کو یہ ظاہر کرتے ہیں اسی کو "وقت" کہتے ہیں ورنہ تو وقت کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے کہ جو دیکھی جا سکے اور چھوئی یا کسی طرح محسوس کی جا سکے۔ ڈاکٹر لنکن برنٹ اپنی کتاب "دی یونیورس اینڈ ڈاکٹر آئن سٹائن" میں ایک مقام پر وقت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

Time has no independent existance apart from the order of events.

یعنی وقت کا کوئی خود مختارانہ علیحدہ وجود نہیں ہے سوائے ترتیب واقعات کے۔ یعنی واقعات یکے بعد دیگرے واقع ہونے سے وقت بنتا ہے اور اسی تقدم و تاخیر سے وقت سمجھ میں آتا ہے تو خلاصہ اس بحث کا یہ نکلتا ہے کہ واقعات رونما ہوں تو وقت بنے اور اگر کوئی واقعہ رونما نہیں ہوتا تو وقت کا احساس نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ واقعہ جب ہی رونما ہوگا جب حرکت ہوگی اور حرکت اسی وقت محسوس ہوگی جب کوئی متحرک ہوگا اور وہ حرکت کرے گا۔ تو اس سے اب یہ معلوم ہوا کہ یہ تینوں چیزیں یعنی متحرک۔ حرکت اور وقت لازم و ملزوم ہیں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ حرکت بغیر متحرک کے نہیں اور متحرک مع اپنی حرکت کے بغیر وقت کے نہیں اس لئے جہاں وقت نہیں وہاں نہ کوئی متحرک ہے اور نہ کوئی حرکت ہے یعنی وہاں بس سکون ہی سکون ہے۔ تو گویا اب یہ قرار پاتا ہے کہ پہلے متحرک یعنی حرکت کرنے والا وجود پھر اس کی حرکت یعنی ظہور واقعہ اور پھر واقعہ کے نتیجے میں وقت اور تسلسل واقعات یعنی زمانہ۔ واقعے کے متعلق تو اوپر کافی وضاحت ہو چکی ہے لیکن

مذکورہ بالا بیان سے آپ کو وقت کے متعلق کچھ تخیل ضرور پیدا ہو گیا ہوگا۔ لیکن میرے خیال میں ابھی کچھ اور وضاحت کی ضرورت ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ وقت کے متعلق کچھ اور وضاحت سے عرض کردوں۔ جغرافیہ میں بالکل ابتدائی مراحل میں یہ بتایا جاتا ہے کہ زمین نارنگی کی طرح گول ہے اور سورج کے محاذ میں رہتی ہے اور اس کے گرد طواف کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے محور پر گھومتی جاتی ہے سورج کے گرد گھومنے سے موسم وجود میں آتے ہیں اور محوری گردش سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں۔ کیوں اس لئے کہ زمین ہے گول اور گول ہونے کی وجہ سے اس کی کل سطح سورج کے سامنے بیک وقت نہیں آسکتی۔ محوری گردش کی وجہ سے جو حصہ زمین کا سورج کے سامنے آتا چلا جاتا ہے سورج کی روشنی سے منور اور اس کی تمازت سے گرم ہوتا چلا جاتا ہے یعنی اس پر دن ہوتا چلا جاتا ہے اور جو رخ سورج کے سامنے سے ہٹتا چلا جاتا ہے۔ اس پر اندھیرا اور سردی ہوتی چلی جاتی ہے یعنی اس پر رات ہوتی چلی جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ رات اور دن کا وجود صرف زمین کی محوری گردش کی وجہ سے ہے اب جتنی مدت میں زمین اپنی ایک محوری گردش پوری کرلیتی ہے اس مدت کو ہم ایک دن کہتے ہیں اور زمین پر ہمارے رہنے کے لحاظ سے اس مدت کا نصف حصہ تاریک ہوتا ہے اور نصف روشن ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی سہولت کے لئے ان دونوں نصف حصوں کو چھوٹی چھوٹی مدتوں میں تقسیم کر رکھا ہے جنکو گھنٹے کہتے ہیں۔

تو اب فرض کیجئے کہ ان مدتوں کو طے کرتے ہوئے زمین کسی وقت پر آکر ایک مقام پر کھڑی ہو جائے اور اپنی محوری گردش بند کردے تو جو حصہ زمین کا سورج کے سامنے آکر رک گیا ہے اس پر دن ہی رہیگا اور اگر زمین تا قیامت رکی رہی تو تا قیامت دن ہی رہے گا اور جو حصہ زمین کا سورج کے سامنے نہیں ہے اس پر ہمیشہ رات ہی رہے گی۔ اور پھر اگر زمین دن کے ۱۲ بجے پر آکر رکی ہے تو آئندہ ۱۲ ہی بجے رہیں گے اور آپ یہ ہی سمجھتے رہیں گے کہ ابھی بارہ ہی بجے ہیں۔ یعنی یہ کہ وقت رک جائیگا اور وقت کا گذرنا بند ہو جائیگا اور آپ کا احساس وقت ختم ہو جائے گا اور ایک مستقل وقت کی کیفیت محسوس ہونے لگے گی۔

تو اب اس سے یہ اچھی طرح واضح ہوگیا کہ یہ ایک واقعہ ہی نہیں بلکہ تسلسل واقعات تھا جو وقت پیدا کر رہا تھا۔ یعنی یہ ایک متحرک اور حرکت ہی تھی جو وقت بنا رہی تھی اور آپ کو احساس وقت کرا رہی تھی۔ اور سکون متحرک اور عدم حرکت

وقت کو ختم کر دیا اور آپ کے احساس وقت کو مٹا دیا۔ تو ثابت یہی ہوا کہ وقت نتیجہ ہے ایک وجود کا اور اس کی حرکت کا اگر وجود ہے اور اس میں حرکت ہے تو وقت ہے اور اگر کوئی وجود نہیں اور اس کی حرکت نہیں ہے تو وقت بھی نہیں ہے۔ اور جہاں کوئی حرکت نہیں ہے وہاں سکون ہے اور جہاں سکون ہے وہاں کوئی وقت نہیں نہ صبح نہ شام ہے نہ دن ہے نہ رات ہے نہ منٹ نہ گھنٹہ ہے نہ مہینہ ہے نہ سال نہ سردی ہے نہ گرمی ہے نہ خزاں ہے نہ بہار ہے بس ایک عالم اور ایک حال ہے اور جو حال ہے وہی ماضی ہے اور ماضی ہے وہی حال ہے اور حال ہی استقبال اور ایک ایسی مستقل سی کیفیت ہے جس کا تصور ہمارے تخیل میں آنا مشکل نہیں بلکہ محال ہے اور جس کا ہمارے ذہن میں سمانا دشوار نہیں بلکہ ناممکن ہے کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے دماغ عادی ہو گئے ہیں حرکت کے اور احساس وقت کے اور گویا ہم وقت کے ساتھ جزو لاینفک بن گئے ہیں تو آپ نے غور فرمایا کہ وقت بذات خود کوئی مستقل شے نہیں ہے۔ یہ تو ایک نسبتی چیز ہے جس کو ہمارے دماغ بہ لحاظ دوسری شے کے محسوس کرتے ہیں جس کی ایک اور واضح مثال پیش کرتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ یہ زمین کی محوری گردش مغرب سے مشرق کی طرف ہو رہی ہے اور چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زمین اپنے محور پر مغرب سے مشرق کی طرف گھوم رہی ہے۔ اور اسی لئے آفتاب مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہوا نظر آتا ہے اور وہ بھی وہی چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اب اگر ایک تیز پرواز ہوائی جہاز میں آپ بھی آفتاب کے ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑیں اور اڑتے ہی چلے جائیں یعنی آپ آفتاب کے ساتھ ضم ہو جائیں تو اگر آپ دن کے بارہ بجے آفتاب کے ساتھ ضم ہوتے ہیں تو اب جتنی دیر بھی آپ ضم رہینگے آپ کو یہی معلوم ہوتا رہے گا کہ ابھی بارہ ہی بجے ہیں چاہے پورے ایک سال ہی آپ کیوں نہ اس طرح سے ضم رہیں اور اگر آپ مستقلاً ہی ضم رہینگے تو ہمیشہ ہی آپ کو یہی معلوم ہوتا رہے گا کہ بارہ ہی بجے ہیں یعنی یہ کہ وقت رک جائیگا یا آپ وقت کو گذرنے سے روک دیں گے یا وقت پر قابو پا لینگے یعنی آپ کو وقت کا احساس ہی نہیں رہیگا گویا وقت مٹ جائے گا تو خلاصہ یہ ہوا کہ حرکت زمین اگر رک گئی تو وقت مٹ گیا اگر آپ زمین کی حرکت کے خلاف آفتاب کے ساتھ حرکت کرنے لگے یعنی آفتاب کے ساتھ ضم ہو گئے تو وقت ختم ہو گیا۔ تو اس سے اب بخوبی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ وقت صرف نسبت کے

جو گردش زمین کی آفتاب کے ساتھ ہے اب چونکہ یہ نسبت زمین کی محوری گردش کی وجہ سے بدلتی رہتی ہے اس لئے وقت بھی بدلتا رہتا ہے اور چونکہ یہ نسبت ایک دائرے کی شکل میں بدلتی ہے اس لئے وقت بھی دوری کی صورت میں بدلتا ہے یعنی جہاں سے شروع ہوتا ہے وہیں آکر ختم ہوتا ہے اور پھر وہیں سے شروع ہوتا ہے۔ صبح ہوتی ہے دوپہر ہوتا ہے۔ سہ پہر ہوتا ہے شام ہوتی ہے رات ہوتی ہے آدھی رات ہوتی ہے پچھلی رات ہوتی ہے اور پھر صبح ہوتی ہے۔ میر تقی میر نے اپنے شعر میں وقت کی تصویر کشی کس عمدہ پیرایہ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے۔ عمر یونہی تمام ہوتی ہے۔ تو اب یہ اچھی طرح سے واضح ہو گیا کہ ہمارا یہ دنیوی وقت وہ نسبت ہے جو زمین کو اس کی گردش کے سبب آفتاب کے ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ اتنا سمجھ لینے کے بعد اب یہ غور کرنا ہے کہ اس وقت کی ابتدا کب سے ہوئی کہاں سے ہوئی اور کیسے ہوئی۔ تو ظاہر ہے کہ وقت حرکت زمین کا نتیجہ ہے تو لازم آتا ہے کہ جیسے زمین کی گردش شروع ہوئی اسی وقت سے وقت شروع ہوا اسی وقت سے رات اور دن بننے لگے اور اسی وقت سے زمانہ گذرنے لگا۔ اب یہ کہ یہ زمین کی گردش کب سے شروع ہوئی تو یہ امر بھی عیاں ہے کہ زمین کی گردش شروع ہوئی اسی وقت سے جب سے کہ زمین کی تخلیق ہوئی اور زمین کی تخلیق کب ہوئی زمین کب وجود میں آئی یہ ایک بہت ہی اہم سوال ہے اور ساتھ ہی ساتھ پیچیدہ بھی ہے۔ سائنس نے اس کے متعلق کیا کہا ہے اور سائنس دانوں نے اس کے بارے میں کیا کیا نظریات قائم کئے ہیں۔ یہ تو بہت بڑے مباحثات ہیں جو مستقل اور مفصل بیانات چاہتے ہیں جن کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے اگر کبھی تو میں پھر کسی وقت انشاء اللہ عرض کر دوں گا اس وقت تو صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی وقت کی ابتدا تخلیق زمین سے ہی ہوئی اور کیا زمین کے پیدا ہونے سے پہلے وقت نہیں تھا یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب مشکل ہے اور جس کا تخیل بھی مشکل ہے مگر میں اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔ لیکن پہلے اس ذرا سے مقدمہ پر غور فرمائیں جو میں پیش کرتا ہوں اس کے بعد یہ خود بخود سمجھ میں آجائے گا کہ تخلیق زمین سے پہلے بھی وقت تھا اور ضرور تھا۔

میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ وقت نتیجہ ہے حرکت کا اور حرکت بغیر متحرک کے ہو نہیں سکتی اور متحرک جب حرکت کریگا تو کوئی واقعہ رونما ہوگا اور اسی واقعہ کے نتیجے میں وقت پیدا ہوگا اور وقت شماری شروع ہوگی اور دنیا میں بھی انسانوں نے اہم واقعات ہی سے

وقت شماری کی بھی ہے مثلاً مسلمانوں نے اپنے زمانہ کی وقت شماری شروع کی ہجرت جناب رسول خدا سے کہ ہجرت جناب رسول خدا کے بعد کتنے سیکنڈ گذرے دن گذرے۔ مہینے گذرے۔ سال گذرے صدیاں گذریں اور فی زمانہ یہ چودھویں صدی گذر رہی ہے۔ اسی طرح سے وقت عیسوی شروع ہوتا ہے۔ پیدائش جناب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس کی آج بیسویں صدی گذر رہی ہے۔ تو یہ دو دنیوی اہم واقعات تھے جن سے انسانوں نے وقت شماری شروع کی۔ اس لئے یہ امر مسلم ہوا کہ وقت کی ابتدا کیلئے ضروری ہے کہ پہلے کوئی واقعہ رونما ہو یعنی کوئی متحرک حرکت کرے۔ تو اب یہ دیکھنا ہے کہ تخلیق زمین سے پہلے اگر وقت تھا اور ضرور تھا تو وہ ایسا کون سا متحرک تھا جس نے حرکت کی اور وہ ایسا کونسا واقعہ تھا جو وجود میں آیا کہ جس سے وقت کی ابتدا ہوئی اور جس سے قبل کوئی وقت تھا ہی نہیں یعنی نہ کوئی متحرک تھا اور نہ کوئی حرکت ہی ہوئی تھی اور نہ کوئی واقعہ ہی وجود میں آیا تھا تو اب یہ کون بتائے کہ وہ سب سے پہلی حرکت کون سی تھی جو شروع ہوئی اور سب سے پہلا وجود کونسا تھا جو متحرک ہوا اور جس نے وقت کو پیدا کیا سائنس بھی یہاں آکر خاموش ہے اور سوائے چند مفروضات کے سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے اور اس لئے جواب نہیں ہے کہ یہ سوال اور اس کا جواب ما فوق ادراک انسانی ہے اور یہاں سے حدود مذہبیات کی شروع ہوتی ہے۔ اور جب تک انسان ان حدود میں داخل نہیں ہوگا اس کا دماغ چکر کھاتا ہی رہیگا۔

مذہبیات کی سب سے پہلی کڑی ایک خالق کے وجود کو تسلیم کرنا ہے اور اس کو قادر مطلق اومنی پوٹینٹ ۔ (Omni palent) مانتا ہے۔ اس کے بعد اس کی طرف سے تعلیم و ہدایت کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ اور جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہم اس کی تعلیم و ہدایت کے محتاج ہیں۔ تو پھر لازمی طور پر اس کی طرف سے کسی معلم کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو اس کے احکامات اور ہدایات کو ہم تک پہنچائے اس لئے کہ وہ بذات خود ہماری تعلیم کو آ نہیں سکتا اور ہم اس سے خود سبق لینے اس تک جا نہیں سکتے اس لئے ہمکو ایک ایسے معلم کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے جو ایک طرف تو خالق سے تعلق رکھتا ہو اور دوسری طرف ہم سے تعلق رکھتا ہو یعنی مجموعہ اضداد ہو بایں معنی کہ خالق سے علاقہ کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور ہم میں رہنے اور ہماری بات [illegible] سمجھانے کی بھی قابلیت رکھتا ہو۔ تو جب ہم ایک ایسے معلم کو تسلیم کرلینگے تو پھر ہم اس سے ضرور یہ سوال کر سکتے ہیں کہ وہ ہمیں بتائے کہ وقت کی ابتدا کب سے ہوئی

اور وہ سب سے پہلا وجود کون سا تھا جو متحرک ہوا۔ اور وہ سب سے پہلی حرکت کونسی تھی جس کے نتیجے میں وقت ہوا اور زمانہ کی ابتداء ہوئی۔

اب تو میں عرض کرتا ہوں کہ دوسرے مذاہب کے معلمین نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہو یا نہ ڈالی ہو۔ مگر ہمارے معلم نے سائنس کی اس گتھی کو ایک چھوٹے سے فقرہ سے سلجھا دیا ہے اور دنیا کے تمام سائنسدانوں کو ایک دعوتِ فکر دی ہے۔

اور وہ اس طرح کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ "اوّل ما خلق اللہ نوری" سب سے پہلے جو چیز اللہ نے خلق فرمائی یعنی پیدا کی وہ میرا نور تھا۔ یہ اس کے لب مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جس کو عرب کا بچہ بچہ اسلام کے قبل ہی سے صادق اور امین جانتا تھا۔ اور جس کے متعلق خود قرآن پاک یہ فرما رہا ہے کہ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی۔ یہ تو کچھ بولتا ہی نہیں ہے جب تک ہماری طرف سے وحی نہیں آجاتی۔

اس مخبر صادق کی زبان صدق سے تمام کائنات میں اب پہلی بار یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سب سے اول جو چیز پیدا کی گئی وہ ایک نوری وجود تھا۔ سب سے پہلے جو وجود معرض وجود میں آیا وہ ایک پیکر نور تھا۔ اور اس پیکر نور سے پہلے کوئی چیز خلق ہوئی ہی نہیں تھی اور پروردگار نے اپنی قوت خلاقیت کو ابھی استعمال ہی نہیں کیا تھا۔ یعنی اس سے ابھی کوئی فعل ہی صادر نہیں ہوا تھا۔ اور اس لئے ابھی کوئی حرکت ہی وجود میں نہیں آئی تھی اور نہ کوئی واقعہ رونما ہوا تھا۔ گویا اس وقت تک سکون مطلق تھا اور سوا ذات پروردگار عالم کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔ بس پہلی مرتبہ جو فعل پروردگار عالم سے صادر ہوا وہ تھی تخلیق نور اور وہ نور بھی ایک نور یعنی نور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس نور سے پہلے کوئی چیز خلق ہی نہیں کی گئی تھی۔ یعنی کوئی دوسرا نور ہی خلق نہیں ہوا تھا۔ گویا اس صبحِ ازل میں ایک خالق تھا اور ایک مخلوق۔ ایک محب تھا اور ایک محبوب۔ ایک معبود۔ ایک نور السمٰوات والارض تھا اور اوّل ما خلق اللہ نوری کہنے والا نور تھا۔ اب یہ امر اب مسلم ہے کہ سب سے پہلے نور پیدا ہوا اور وہ بھی ایک خاص تشخص لئے ہوئے پیدا ہوا۔ یہ ہے کہ اس نے یہ نور تو پیدا کر دیا مگر شان خلاقیت کیا ہے۔ یعنی یہ کہ کیوں کر ہے اور یہ نور اس نے کیونکر پیدا کیا۔ تو خود ہی اپنے کلام بلاغت نظام میں فرمایا انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون

رہ یٰسین آیت ۸۲) اس کی شان خلاقیت تو ہے کہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا بس وہ فوراً ہو جاتی ہے بلکہ معاً وجود میں آجاتی ہے۔ اس نے خلاق علم اس نور کو پیدا کیا ہوگا تو اپنی شان خلاقیت مطابق فرمایا ہوگا کن یعنی حکم دیا ہوگا کہ ہو جا ں ایک لطیف سا نکتہ اور عرض کرتا چلوں آیۃ کہہ رہی ہے ان یقول لہٗ اس سے کہتا ہے ہو جا یہ آیۃ صاف بتا رہی ہے کہ جس کو حکم دیا جا ہے وہ حاضر ہے کیونکہ غائب کو یا عدم وجود حکم نہیں دیا جاتا۔ اس لئے جس نور کو حکم دیا ہے وہ اس کے کنز مخفی میں موجود ہے۔ اس کہا جا رہا ہے کن یعنی ہو جا۔ کیا معنی۔ یعنی مخفی ے ظہور میں آجا سکون سے حرکت میں آجا۔ س ادھر اس سے کہا گیا کن اور ادھر وہ عاً حرکت میں آگیا یعنی اس حکم کے ساتھ ایک "حرکت اول" بھی وجود میں آگئی اور حرکت کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی وقت پیدا ہو گیا یوں گویا ایک پہلا اور سب سے پہلا قوعہ" رونما ہو گیا کہ ایک متحرک میں آگیا اور جود نے حرکت کی ساکن تھا متحرک ہو گیا قریب جب میں تھا بعد عکس میں نظر آنے لگا۔ اور س کے نتیجہ کے طور پر وقت پیدا ہو گیا تھا۔

اس واقعہ کو ہوئے مدت گذرنے لگی حال سے ماضی پیدا ہو گیا اور زمانہ آگے بڑھنے لگا اور ماضی پیچھے ہٹنے لگا۔ ارتقاء شروع ہو گیا اور واقعات کا سلسلہ جاری ہو گیا اور تاریخ مرتب ہونی شروع ہو گئی۔

تو بہر حال آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وقت پیدا ہو گیا۔ مگر وہ وقت یہ وقت نہیں تھا جو آپ کا وقت ہے وہ زمانہ یہ زمانہ نہیں تھا جو آپ کا زمانہ ہے۔ آپ کے وقت اور آپکے زمانے کی حقیقت کچھ نہیں ہے سوائے حرکت زمین کے۔ مگر اس وقت نہ زمین پیدا ہوئی تھی نہ آسمان نہ ماہتاب پیدا ہوا تھا نہ آفتاب نہ زمین کی گردش تھی نہ آفتاب کا دورہ۔ ہوا نہ دن ہو رہے تھے نہ رات۔ لیکن وقت تھا۔ وقت پیدا ہو گیا تھا۔ پھر وہ کیسا وقت تھا کیسا زمانہ تھا۔ چونکہ تخلیق نوری ہوئی تھی اور نوری حرکت میں آیا تھا۔ اس لئے حرکت نور سے جو وقت پیدا ہوا تھا وہ تھا "وقت نوری" اور وہ تھا زمانہ نور نوری کا ارتقاء شروع ہوا تھا۔ نوری کا زمانہ گذرنے لگا تھا۔ نوری کی وہ کائنات تھی۔ نوری کی مخلوق تھی۔ نوری کے آسمان تھے نوری کے پہاڑ نوری کے دریا تھے۔ کوئی دریا نور علم کا تھا کوئی نور حلم کا تھا۔ کوئی دریا نور رحمت کا تھا۔ کوئی دریا

نور حکمت کا تھا۔ اور یہ نور اول کرہ ہر دریا میں غوطہ مار کر نکھرتا چلا جا رہا تھا کسی دریا میں آٹھ ہزار سال۔ کسی دریا میں بارہ ہزار سال کسی دریا میں اٹھارہ ہزار سال یکے بعد دیگرے اپنی ارتقائی منازل طے کرتا چلا جا رہا تھا اور زمانہ نور تھا جو گذرتا چلا جا رہا تھا۔

تو اب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وقت کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے۔ ابتدا ہو رہی ہے اول ما خلق اللہ نوری سے۔ یہ ابتدا ہو رہی ہے ایک نوری وجود کے حرکت میں آنے سے۔ آپ کے اس مادی وقت کی ابتدا ہو رہی ہے۔ وقت نور سے اور آپ اس مادی زمانہ کی ابتدا ہو رہی ہے زمانہ نور سے۔ کیونکہ۔ وہ اس طرح کہ نہ جانے کتنی لمبی مدت گذرنے کے مشیت خالق میں تخلیق آدم کا ارادہ ہوا تو پہلے خلاق عالم کیا کرتا ہے وہ خود ہی ارشاد فرماتا ہے ہو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء فسوٰئہن سبع سمٰوٰت وہو بکل شیئ علیم وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے سب کا سب جو کچھ کہ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا پس سات آسمان بنا ڈالے اور وہ تو ہر چیز جاننے والا پہلے ہی سے ہے یعنی تخلیق نوری ہے ابتدا اب تخلیق مادی ہو رہی ہے اور دنیا و ما فیہا پیدا کی جا رہی ہے۔ تمام مادی اجسام عالم وجود میں لائے جا رہے ہیں اور نظام عالم مرتب کیا جا رہا ہے حرکات اور گردشوں کا سلسلہ جاری کیا جا رہا اور واقعات رونما ہونے شروع ہو رہے ہیں ان کے نتیجے میں وقت پیدا ہو رہا ہے اور زمانہ مرتب ہونا اور گذرنا شروع ہو رہا ہے اور جانے کتنا مادی زمانہ گذرنے کے بعد اب حضرت آدم کا پتلا مٹی اور پانی سے ترتیب دیا جا رہا ہے اور نوری کائنات کے باشندوں کو اب مخاطب کیا جا رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ دیکھو اے فرشتو میں زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجنے والا ہوں اپنا ایک قائم مقام زمین قائم کرنے والا ہوں۔ یہاں پہلے ذرا سی ایک بات اور عرض کرتا چلوں فرمایا ہے انی جاعل فی الارض خلیفہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں ہوں۔ جاعل اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بنانے والا۔ انی جاعل کے معنی ہوئے یقیناً میں ہی بنانے والا ہوں۔ یعنی زمین میں خلیفہ کا بنانے والا میں ہی ہوں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ خلیفہ بنانا میرا ہی کام ہے کسی دوسرے کا نہیں ہے معلوم ہوا کہ خلیفہ کا بنانا کوئی آسان کام نہیں ہے یعنی کسی انسان کے بس کا خلیفہ بنانا نہیں بلکہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ یہ کام اتنا اہم اور اتنا مشکل اور اتنا ضروری ہے کہ صرف خدا ہی اس کو کر سکتا ہے

نائب خدا ابھی نہیں کرسکتا فرشتے بھی نہیں کرسکتے
شیطان کا تو اس سے دور کا بھی علاقہ نہیں
ہوسکتا اور اب تو ایک نوری وجود اور پیدا ہو چکا
تھا اس سے بھی یہ کام نہیں کرایا اس لیے کہ وہ بھی نہیں کرسکتا
تھا۔ تو گویا انی جاعل کہکر یہ فرما رہا ہے کہ تم بنانے
والے نہیں ہو۔ کوئی دوسرا بنانے والا نہیں ہے۔
کیوں نہیں ہے۔ اس لیے نہیں ہے کہ خلیفہ بنایا
جاتا ہے ابتدائی سرشت یعنی دنیا میں آنے سے
پہلے رحم مادر میں نہیں۔ بلکہ اس کی بنیاد رکھی جاتی
ہے عالم نور میں اس کی ابتدائی جا[illegible] ہے کا آغاز
نور میں جہاں ہر طرف نوری نور ہوتا ہے۔ اور نور
ہی کی فضا میں وہ اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہے
چاہے وہ مٹی اور پانی ہی سے کیوں نہ بنایا جا رہا ہو۔ مگر
بنتا ہے ایسے ماحول میں جہاں حسن ہی حسن ہوتا ہے
اور اس کے چاروں طرف گویا نور کا ایک سمندر
ٹھاٹھیں مارتا ہوتا ہے۔ اس لئے کسی خلیفہ کا بنانا یعنی
خلیفہ خدا کا یا خلیفہ خدا کا بنانا سوائے خدا
کے کسی انسان کا کام تو ہو ہی نہیں سکتا۔

تو مختصر یہ کہ پروردگار عالم فرشتوں
کو خبر دے رہا ہے کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بناکر
بھیجنے والا ہوں۔ دیکھئے اگر فرشتوں کو اسی وقت
کے بنانے کی خبر دینا منظور ہوتی تو فرماتا۔ انی اجعل
یعنی صیغہ واحد متکلم فعل مضارع استعمال کرتا۔
مگر اجعل نہیں فرماتا بلکہ جاعل فرما رہا ہے یعنی اسم
فاعل کا لفظ رکھ کر حال بھی مراد لیا ہے اور استقبال
بھی مراد لیا ہے۔

بہر حال خدا فرشتوں کو اپنے خلیفہ کی زمین
پر مقرر کئے جانے کی خبر دے رہا ہے اور فرشتے فی الفور
کرتے ہیں اعتراض کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اتجعل فیہا من
یفسد فیہا ویسفک الدماء۔ کیا تو زمین میں ایسے کو
خلیفہ بنا رہا ہے جو اس میں یعنی زمین میں فساد کریگا
اور اس میں خونریزی کرے گا۔ فساد کیا ہوتا ہے
فساد کیسے ہوتا ہے۔ فساد کا سبب کیا ہوتا ہے
فساد کے معنی ہیں کسی ہوئی چیز کا بگڑ جانا۔ بگاڑ ڈالنا
اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔ اس کے اجزاء
کو الگ کر دینا یہ کون کی ضد ہے کون کے معنی ہیں
کسی شئی کا اپنے اجزاء سے مرتب ہو کر بنجانا یا بنادینا
اور اسی لئے بناو روش کون و فساد بولا جاتا ہے
تو گویا فرشتے یہ کہہ رہے ہیں کہ جسکو تو خلیفہ بنا کر
زمین پر بھیج رہا ہے ہم جانتے ہیں کہ یہ زمین میں فساد
کرے گا یعنی تیری بنائی ہوئی زمین کے ٹکڑے ٹکڑے
کر ڈالے گا۔ زمین میں تیرے بنائے ہوئے نظام کو
درہم برہم کر دے گا۔ اور زمین میں تیرے بنائے ہوئے
قانون کو توڑ پھوڑ ڈالے گا۔ اور فساد کا سبب کیا ہوتا
ہے۔ اپنی برتری اپنا اقتدار اور اپنا تسلط چاہنا اور اس
کے حصول کے لئے ہر جائز و ناجائز عمل کو کام میں لانا۔

جھوٹ بولنا۔ لوگوں کو غلط ترغیب دینا۔ دھوکا دینا ایک دوسرے سے لڑوانا بلکہ قتل وخونریزی تک کرانا اور اپنا مطلب حاصل کرنا۔ تب ہی تو فرشتوں نے کہا تھا۔ ویسفک الدماء کہ خون بہائیگا۔ کوئی اور بات کیوں نہیں خونریزی کی پیش گوئی کیوں کی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پروردگار عالم پر جو کہ ارحم الراحمین ہے بڑا سخت اعتراض وارد کیا۔ صفت ظلم کو اس طرف منسوب کیا اور نعوذ باللہ من ذالک اس کو ناعاقبت اندیش سمجھا۔

نہیں ایسا نہیں ہے۔ اس میں بیچارے فرشتوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ آدم کا پتلا مٹی اور پانی سے بنایا جا رہا ہے نور سے نہیں بن رہا ہے۔ اس میں کثافت ہی کثافت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسمیں اللہ کی پھونکی ہوئی روح کیوجہ سے کچھ نورانیت آجائے اور یہ نورانی ہو جائے مگر تاثیر کثافت کہاں جائیگی۔ اس لئے فرشتوں کا یہ خیال اور یہ اعتراض معنی سے درست تھا کہ وہ اللہ کی مصلحت کو کہاں سمجھ سکتے تھے۔ اور ان کو اللہ کے ارادہ کا علم کیوں کر ہو سکتا تھا۔ وہ اس کی ایک ادنیٰ مخلوق تھے۔ خالق کے ارادہ کو ایک ادنیٰ مخلوق کیوں کر پا سکتی ہے۔ نورانی خلقت کی وجہ سے جتنا کچھ وہ سمجھ سکے اسی کے مطابق انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ جہاں تک ان کی نظر تجسس نے کام کیا اور جو جو اوصاف ونقائص ان کو آدم کے پتلے میں ان کو نظر آئے وہ ہی انہوں نے بیان کئے۔ اور اپنے اندر جو جو اوصاف ان کو دکھائی دیئے وہی پیش خدا انہوں نے پیش کئے جیسا کہ آگے چل کر وہ کہتے ہیں۔

ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک وہم تو تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور تیری تقدیس بیان کرتے ہیں۔ یعنی ہمارے اوصاف وامتیازات تو تیری عبادت کرنا تیری بندگی بجالانا ہی ہیں۔ اور ہم تو ہر وقت اپنی زبان پر یہی کلمات جاری رکھتے ہیں اور دلمیں ہر وقت یہی خیال جاگزیں رکھتے ہیں کہ تو بڑا ہی پاک وپاکیزہ ہے اور تجھ میں کسی قسم کا کوئی عیب یا نقص نہیں ہے۔

تو اس لئے فرشتوں کے اس جواب سے کوئی بہت بڑا گناہ ان پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ان کے اس ریمارک سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے خلیفۃ اللہ فی الارض کے لئے ایک معیار پیش کیا اور خلافت اللہ کے لئے اپنا استحقاق پیش۔ معیار پیش کیا۔ پہلے اپنی ذات یعنی نوری اور معصومیت۔ دوسرے اپنی صفات یعنی فرمانبرداری اطاعت شعاری اور عبادت گذاری تیسرے اپنی تسبیح وتہلیل یعنی فرشتوں کی رائے میں خلیفۃ اللہ فی الارض وہ ہونا چاہیئے کہ جس کی خلقت نور ہو۔ جو سرشت اول ہی سے معصوم ہو اور پھر خدا کا فرمانبردار اطاعت شعار اور عبادت گذار ہو اور جس کی زندگی کا مشغلہ

ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

تاریخ ہائے بد	تاریخہائے نیک
۱ - ۳ - ۵ - ۱۱ - ۱۳	۲ - ۴ - ۶ - ۷ - ۸ - ۹
۱۶ - ۲۱ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۸	۱۰ - ۱۲ - ۱۴ - ۱۵ - ۱۷
	۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۲ - ۲۳
	۲۶ - ۲۷ - ۲۹ - ۳۰

۱۰ تاریخ کو امام حسن عسکری علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہے

قمر در عقرب ۶، ۷، ۸ ربیع الثانی

ادارہ گنج شہیداں رجسٹرڈ لقمان خیرپور میرس

تاریخ ۵-۶-۶۶ء

ادارہ گنج شہیداں لقمان کا ایک ہنگامی اجلاس مورخہ ۱۹-۶-۶۶ء بروز یکشنبہ بوقت ۶ بجے شام زیر صدارت جناب محمد نفیس صاحب صدر ادارہ منعقد ہوا جس میں باتفاق رائے جناب حیدر حسین جنرل سکریٹری کا استعفیٰ منظور کیا گیا کیونکہ سکریٹری موصوف بسلسلہ تعلیم و ملازمت خیرپور سے باہر جا رہے ہیں

نیز حاضرین جلسہ نے باتفاق رائے جناب حیدر علی شاہ صاحب کو ادارہ ہذا کا نیا جنرل سکریٹری منتخب کیا جسکو موصوف نے صدق دل سے منظور کیا۔

منجانب: اقبال حسین۔ نشر و اشاعت سکریٹری

ادارہ گنج شہیداں لقمان۔ رجسٹرڈ نمبر ۷۱

(مسلم عباس منیجر المعرفت حیدر آباد)

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے

اگر مقصد ایک اور تکنیک ہو تو انجام ایک ہوتا ہے

دنیا کے دو اہم تاریخی واقعات میں حیرت انگیز مماثلت

صدر امریکہ ابراہیم لنکن

۱:- حبشیوں کے شہری حقوق کے حامی تھے۔
۲:- ۱۸۶۰ء میں صدر منتخب ہوئے
۳:- جمعہ کے روز اپنی اہلیہ کی موجودگی میں قتل ہوئے
۴:- جنوبی علاقہ کے باشندے تھے؛
۵:- ڈیموکریٹک پارٹی سے وابستہ تھے۔
۶:- سینٹ کے رکن رہ چکے تھے۔
۷:- ان کے جانشین کا نام اینڈریو جانسن تھا جو ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوا تھا۔
۸:- قاتل کا نام بوتھ تھا جو ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا تھا
۹:- قاتل مقدمہ چلنے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا
۱۰:- قاتل جنوبی علاقے کا باشندہ تھا اور تخریب پسند تھا
۱۱:- انکا ایک بیٹا وہائٹ ہاؤس کے قیام کے دوران قیام میں فوت ہوا
۱۲:- ان کے سکریٹری کا نام کینیڈی تھا جس نے قتل سے پہلے انہیں منع کیا تھا کہ تھیٹر دیکھنے نہ جائیں
۱۳:- قاتل بوتھ نے تھیٹر میں حملہ کیا اور بھاگ کر گودام میں پناہ لی
۱۴:- فورڈ تھیٹر میں قتل ہوئے

صدر امریکہ کینیڈی

۱:- حبشیوں کے شہری حقوق کے حامی تھے۔
۲:- ۱۹۶۰ء میں صدر منتخب ہوئے
۳:- جمعہ کے روز اپنی اہلیہ کی موجودگی میں قتل ہوئے
۴:- جنوبی علاقے کے باشندے تھے؛
۵:- ڈیموکریٹک پارٹی سے منسلک تھے۔
۶:- سینٹ کے رکن رہ چکے تھے۔
۷:- ان کے جانشین کا نام لنڈن جانسن ہے جو ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوا تھا۔
۸:- قاتل کا نام آسولڈ تھا جو ۱۹۳۹ء میں پیدا ہوا تھا
۹:- قاتل مقدمہ چلنے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا۔
۱۰:- قاتل جنوبی افریقہ کا باشندہ اور تخریب پسند تھا۔
۱۱:- انکا ایک بچہ وہائٹ ہاؤس کے دوران قیام میں فوت ہوا۔
۱۲:- انکے سکریٹری کا نام لنکن تھا جس نے قتل سے پہلے انہیں منع کیا تھا کہ ڈلاس نہ جائیں۔
۱۳:- قاتل آسولڈ نے گودام سے حملہ کیا اور پناہ لینے ایک تھیٹر کی طرف دوڑا
۱۴:- لنکن نامی کار میں قتل ہوا جو فورڈ کمپنی میں تیار ہوئی تھی

دین اور انسانی تاریخ

از عالی جناب مولانا سید عون محمد صاحب قبلہ خطیب تلہار

انسان پر وقت کے کچھ ایسے ادوار ی گذرے ہیں جب ہر دن زندگی کی دوڑ میں یک نئی منزل پر پہنچتا رہا ہے۔ اس نے تاریک روں کو اپنا نشیمن بنایا۔ پھر کھلے میدانوں میں ے نانے اور پھر دھیرے دھیرے تمدن کی اہ پر چلتے ہوئے اس موڑ پر پہنچا جہاں اس نے پنی رہائش کے لئے سر بفلک محلات اور عالی شان صور تعمیر کئے۔

ایک طویل مدت تک اس کی خوراک میدانوں ور بیابانوں میں اگی ہوئی گھاس اور درختوں ے پتے تھے۔ پھر اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ور جانوروں کو شکار کرنا شروع کیا اور انھیں بھا کھاتا رہا، پھر اس نے آگ کا پتہ لگایا۔ ئے وسائل بہم پہنچائے اور کھیتی باڑی اور درخت یز کی طرف ملتفت ہوا اور پھر آج اکل و شرب کی ساری لذتوں کو مسخر کر چکا ہے۔

کچھ ایسے اوقات بھی تھے جب وہ طویل ترین کٹھن دشوار گذار اور ناہموار راہوں کو پیدل طے کرنے پر مجبور تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس نے جانوروں کو سدھانا شروع کیا پھر انہیں آرام دہ وسائل سے لیس کر کے استعمال کرنا شروع کیا اور آج خلائی سفر کی تیز دوڑ میں وہ زمان و مکاں کی ساری قیود کو اضافی ثابت کر چکا ہے۔

ایسے ہی زندگی کے ہر موڑ پر اور تسلسل حیات کے ہر چوراہے پر انسان نت نئی ترقیاں کرتا رہا۔ اور رنگا رنگ ایجادات سے اپنی زندگی کو آسان تر بناتا رہا۔ وہی انسان جو کل زمین کی چھوٹی چھوٹی مسافتوں کو مہینوں اور برسوں کی جانکاہی کے بعد طے کرتا تھا بعینہ وہی انسان آج سیاروں کی تسخیر میں صدا اور نور کی رفتار سے سفر کر رہا ہے۔ واقعتاً انسان کی تاریخ بڑی عجیب تر اور محیر العقول ہے۔ انسان جس طرح مادی ترقیاں کر رہا ہے بالکل

اسی طرح وہ اپنے نفس اور اپنی روح میں بھی ترقیوں کے آثار پاتا رہا ہے لیکن اس روحانی ترقی (جسے ہم دین کہتے ہیں) کے متعلق دو مختلف اور متضاد مکتب فکر ہیں۔

اصول و تمدن کے ماہرین کا ایک گروہ دین کے ارتقاء کو چار ادوار پر تقسیم کرتا ہے (۱) ایک دور فطرت (۲) دور فلسفہ (۳) دور علم (۴) دور رجوع بہ فطرت اس نظریہ کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت کے تقاضوں کے تحت پہلے دور میں ایک خدا کی پرستش کرتا تھا اور چونکہ ابھی اس دور میں اسباب اور علت و معلول تک انسان کی رسائی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس کے سارے اعمال اس کی فطرت کی پکار کا رد عمل تھے۔ اس کے بعد دور فلسفہ شروع ہوا۔ اس نے کائنات کے نظام میں تسلسل کی کڑیاں تلاش کیں اور ہر بات کو منطق کی ترازو پر تولنے لگا جس کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہر شخص ایک مخصوص مدرسۂ فکر کا موجد اور رہبر و بن گیا اور دین کی پہلی حقیقت پر اپنے احساس کی تہیں ڈالتا گیا اسی طرح پھر اس کی ترقیوں نے اسے دور علم سے روشناس کرایا۔ انسان نے اس دور میں جہل کی تاریکیوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا اور اب وہ ہر شاعری ہر افسانوی تصور کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا اور چونکہ گذشتہ انسانوں نے دین اور داستان کو مخلوط کر دیا تھا اس لئے آج اس دور کا انسان دین کی بنیادوں میں تشکیک کا قائل ہوا لیکن چونکہ اسے اپنی روحانی پکار کا بھی جواب دینا تھا اس لئے مجبور ہوا کہ پھر دین کی طرف پلٹے لیکن اس دین کی طرف جو فطرت سے ہم آہنگ ہو اور اسی دور کو رجوع بہ فطرت کہا جاتا ہے۔

دوسرا گروہ دین کے ارتقاء کو تین ادوار پر تقسیم کرتا ہے (۱) متعدد خداؤں کا دور (۲) تخصیص کا دور (۳) توحید کا دور اوّل گروہ کے نظریہ کے مطابق قدیم انسان بہت سے خداؤں اور دیوی دیوتاؤں کا قائل تھا اور کائنات کے ہر ایک کام کے لئے ایک مستقل خدا کا وجود ضروری سمجھتا تھا پھر دھیرے دھیرے اس نے ان خداؤں میں سے کچھ کو عبادت کے لئے مخصوص کیا اور پھر انہیں کے ہاتھ میں سارے اختیارات دے دیئے اور باقی خداؤں کو ان کے تحت نظر قرار دے دیا۔ اس نظریہ کو بھی مدتیں ہونے کو آئیں اور اب انسان ایک خدا کی طرف متوجہ ہوا اور اسے ساری کائنات کا حکمران قرار دیا اور دوسرے خداؤں کی نفی کر دی۔ آپ نے دیکھا مذکورہ بالا نظریات

ہیں دین کو انسانی تاریخ کے کن ادوار پر تقسیم کیا گیا ہے اور کیوں کر انسانی فکر کے دینی ارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے لیکن یہ بھی دیکھا کہ اس میں انبیاء اور ان کی تعلیمات کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے جبکہ ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ نوحؑ، خلیلؑ، کلیمؑ اور مسیحؑ وغیرہ افسانوی کردار نہیں تھے بلکہ واقعاً کچھ ایسے انسان تھے جو انسانوں کی راہ نمائی کیلئے مقرر کئے گئے تھے اور دین کی ترقیوں میں ان کی خدمات اور ان کی تعلیمات کا ذکر نہ کرنا دین سے لاعلمی کا اظہار کرنا ہے۔

آخری آسمانی کتاب قرآن میں انسان کو اس کے ابتدائی دور ہی سے دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے پہلا گروہ، وہ جنھوں نے انبیاء کی تعلیمات کو اپنایا۔ اور اپنے سارے اعمال و افعال کو ان ہی کے احکام کے مطابق انجام دیا یہ ہمیشہ سے موحد اور ایک خدا کے ماننے والے رہے اور توحید کا تصور اس گروہ میں کسی خاص دور میں پیدا نہیں ہوا۔ اور دوسرا گروہ ہمیشہ سے انبیاء کی تعلیمات سے منحرف رہا اور اپنے آپ کو اوہام و خرافات اور جاہلانہ عقائد کی پرستش پر آمادہ پاتا رہا۔

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت فمنھم من ھدی اللہ ومنھم من حقت علیہ الضلالۃ (نحل ۳۶)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا تاکہ وہ انھیں بتلائے کہ خدا کی عبادت کرو اور بتوں کی پرستش سے باز آؤ لوگوں میں سے بعض کی خدا نے ہدایت کی اور بعض گمراہ رہ گئے۔

فلولا کان من القرون من قبلکم اولوا بقیۃ ینھون عن الفساد فی الارض الا قلیلا ممن انجینا منھم واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیہ وکانوا مجرمین ○

اور پھر جو لوگ تم سے پہلے گذر چکے ہیں انہیں سے کچھ لوگ ایسے عقل والے کیوں نہ ہوئے جو (لوگوں) کو روئے زمین پر فساد پھیلانے سے روکا کرتے (ایسے لوگ تھے تو) مگر بہت تھوڑے سے اور یہ ان ہی لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے عذاب سے بچا لیا) اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی وہ ان ہی (لذتوں) کے پیچھے پڑے رہے اور ان میں دی گئی تھیں اور یہ لوگ مجرم تھے ہی۔

مندرجہ بالا آیتوں کے علاوہ قرآن میں اور بھی ایسی آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان شروع ہی سے دو گروہوں میں بٹا ہوا تھا جن میں ایک توحید پرست اور دوسرا توحید سے منحرف اس لئے یہ بات بڑی واضح ہو جاتی ہے کہ دین کے ارتقاء کے سلسلے میں خود فکر انسانی اپنی کوششوں میں مصروف نہیں رہی بلکہ آسمانی تعلیما

بھی اسے ملتے رہے لیکن اس بات کا ذکر کرنا ناگزیر ہے کہ جس طرح انسان اپنی ساری مادی ضروریات اور احتیاجات میں ترقی کرتا رہا ہے بالکل اسی طرح ذہن انسانی کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اس کے دینی عقائد میں بھی ترقی ہوتی رہی۔ اور جوں جوں انسانی ذہن کی ترقیاں آگے بڑھتی رہیں دینی عقائد بھی ذہن انسانی سے ہم آہنگ ہوتے رہے اور جب ترقیاں اپنے عروج کی راہ پر لگ گئیں تو خدا نے اپنا آخری آسمانی پیغام انسان تک پہنچا کر یہ کہدیا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ میں نے آج تمہارے دین کو تم پر کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ اب ضرورت تھی کہ اکمال دین اور اتمام نعمت کی حفاظت کے لئے کچھ ایسی شخصیتیں بھی ساتھ کر دے جو اس کی ذمہ دار ہوں اور جو اسے ہر دور میں قابل عمل ثابت کر سکیں۔ اسی لئے دین کے ساتھ ساتھ محافظ دین (کتاب و عترت) کو ساتھ کر دیا۔"

امام حسین علیہ السلام

صبر و ثبات تسلیم و رضا ضبط و استقلال اور حق و صداقت کی علمبردار تاریخ کی مثالی شخصیت

نسل انسانی کی تاریخ کا ہر دور نت نئے آفات کا گہوارہ رہا ہے۔ چشم فلک نے کبھی کفر و باطل کے انسانیت سوز ہنگامے قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا خون نامعلوم کس نامبارک ساعت میں ہوا تھا کہ اس کے اثرات ہمیشہ خون ریزیوں کے ایسے ایسے بھیانک مناظر پیش کرتے رہے کہ الامان والحفیظ ہابیل و قابیل ابراہیم و نمرود کلیمؑ و فرعون رسول کریمؐ اور ابوجہل کے مابین خود آویزشیں رہی ہیں۔ ان کی تہہ میں یہی حقیقت کارفرما ہے کہ حق پرستوں سے باطل کے

پجاریوں کو ہمیشہ خدا واسطے کا بیر رہا ہے۔ حادثۂ کربلا بھی قدیم سلسلے کے دو رکردار حسینؓ ویزید سے دنیا کو روشناس کراتا ہے سلسلۂ انقلاب کی یہ کڑی ایک ایسی کڑی ہے جس نے تاریخ کے صفحات پر کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑے ہیں ساتھ ہی ساتھ قدیم انقلابات کے دھندلے نقوش بھی اجاگر کر دیئے ہیں۔ حادثۂ کربلا آج سے تیرہ سو سال پہلے رونما ہوا لیکن اس کی یاد ابھی تک تازہ ہے۔ ہمارے کانوں میں ابھی تک سیدہ کے لال کی حقیقت افروز تقریر کے یہ جملے گونج رہے ہیں۔

معاملہ کی جو صورت ہوگئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل لیا ہے۔ زمانہ نے اپنا منہ پھیر لیا ہے۔ دل نیکی سے خالی ہوگئے ہیں۔ ذراسی تلچھٹ باقی ہے افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے۔ کوئی نہیں جو ظالم کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آگیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقائے الٰہی کی آرزو کرے۔ میں شہادت کی موت مرنا چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ایک جرم ہے۔

یہ جملے امام حسینؓ کی زبان سے اس وقت پر نکلے جب وہ اور ان کی جماعت کے چند افراد سرکش اور باغی کوفیوں کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے۔ امام حسینؓ کے ہمراہ اہل بیت بھی تھے۔ کربلا کا لو اور دھوپ سے تپتا میدان ہے۔ اور خاندان رسولؐ کے چشم وچراغ صرف اس جرم کی پاداش میں کہ وہ اسلام کے دامن کو باطل کی آلودگیوں سے پاک وصاف کر دینا چاہتے ہیں طرح طرح کی مصیبتوں اور قسم قسم کی صعوبتوں کے شکنجوں میں کسے جا رہے ہیں۔ فرات لہریں لے رہا ہے۔ لیکن نبیؐ کے نواسے اور ان کے اہل بیت ایک بوند پانی کو ترس رہے ہیں کوفہ کے گورنر ابن زیاد کے حکم سے دریا پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ اور پہرے داروں کو یہ ہدایت دے دی گئی ہے کہ خاندان بنی ہاشم کے حسینی افراد کے حلق تر نہ ہونے پائیں وہ فرات جس کا پانی پرندوں، چرندوں، درندوں اور حیوان صفت انسانوں کی پیاس بجھا رہا تھا۔ اس کا ایک قطرہ بھی اس حسینؓ کو نصیب نہ ہوا جس کے نانا جان میدان حشر میں آب کوثر کی ساقی گری کے فرائض انجام دیں گے۔ کیا اس سے بھی زیادہ بے رحمی اور سنگدلی کی کوئی اور مثال پیش کی جا سکتی ہے

بودند دام و دد همه سیراب و می مکید
خاتم ز دست خویش سلیمان کربلا

امام حسینؓ یہ کیسے گوارہ کر سکتے تھے کہ ان کے نانا جانؐ

کالگایا ہوا چمن خزاں کے تیز و تند جھونکوں کی نذر ہو کر رہ جائے اور آنے والی نسلوں کو بعد میں یہ کہنے کا موقع ملے کہ خاندان رسولؐ میں کوئی بھی حق پرست مرد مجاہد بھی اس دل گردہ کا نہ تھا جو آڑے وقت اسلام کے کام آتا اور ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کر دیتا کہ

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

امام حسینؑ نے بدلے ہوئے زمانہ کی نبض اور بگڑی ہوئی دنیا کا مزاج پہچانا۔ آپ نے بنی امیہ کے فاسق و فاجر تاجدار کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور صرف اسی بات پر قناعت نہیں کی بلکہ اس دور کے حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہوئے رہتی دنیا تک کے لئے یہ مثال قائم کر دی کہ اسلام میں جبر و استبداد اور ملوکیت و شہنشاہیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ جمہوری نظام حکومت کی دعوت دیتا ہے۔ اس کی تعلیم کی رو سے فرمانروائی اسی کو زیب دیتی ہے جو کتاب و سنت کی روشنی میں ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھالے اور قرآن حکیم نے جو معیار مقرر کیا ہے اس پر اس کی زندگی پوری اترے۔ امام حسینؑ کو یزید کی زندگی میں فسق و فجور کے سوا اور کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جس سے مسلمانوں پر اس کی فرمانروائی کی اہلیت ثابت ہو۔ لہذا امام عالی مقام نے جان دے کر دنیا پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ حق، حق ہے اور باطل، باطل۔ حق کسی قیمت پر بھی باطل کے آگے سر تسلیم خم نہیں کر سکتا۔ امام نے یہ کہا کہ ے

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

کربلا میں جو کچھ ہوا سب جانتے ہیں تیرہ سو سال کی اس طویل مدت میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ہم بار بار دہرائے ہوئے واقعات کو دہرا کر عقیدت کیشان حسینؑ کے دلوں کے زخموں کو تازہ کرنا مقصود نہیں یہاں ہم امام کی زندگی کے چند نمایاں پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں اور کہ ان پہلوؤں میں عبرت و موعظت کے نہایت قیمتی درس ملتے ہیں۔

صبر و ثبات!

قرآن شریف نے امت محمدؐ یہ کو جن آیات میں صبر کی خاص طور پر تلقین کی ہے پہلے ان کے آزاد اردو ترجمہ پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ ہمیں ان کے آئینہ میں امام حسینؑ کی زندگی کے گوشے ڈھونڈنے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

اے ایمان والو صبر اور نماز سے اپنے ٹوٹے ہوئے دلوں کو تقویت پہنچاؤ۔ صبر کرنیوالوں کو یقینا

نہیں بھولنی چاہیئے کہ ہر وقت ان کے سروں پر خدا کی رحمتوں کا سایہ رہتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو شہید ہو جاتے ہیں انھیں مردہ ہرگز نہ سمجھو وہ زندہ ہیں البتہ جو زندگی انھیں قدرت نے عطا کی ہے تمہیں اس کا شعور نہیں۔ اور ہم تمہیں خوف، بھوک، مالی اور جانی نقصان اور ثمرات اور نام و نمود کے گھاٹے کی آزمائشوں میں ڈالیں گے۔ ایسے صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دی جائے۔

جن کے حوصلے کا یہ عالم ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ یہ کہکر اپنے دلوں کو اطمینان دے لیا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ امام حسینؑ کی پوری زندگی کی تصویر ان آیات میں نظر آتی ہے۔ صبر و صلوٰۃ ہی کے سہارے آپ نے اور آپ کے سارے خاندان نے کربلا میں بھوک، پیاس، خوف و دہشت اور عزت و ناموس کے خدشات و خیالات سے بالاتر ہو کر صبر و استقامت کا وہ شاندار ثبوت پیش کیا ہے جس کی مثال رہتی دنیا تک پیش نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مصائب و آلام ان کے صبر و ثبات کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ امام عالیمقام ان حوادث روزگار کو کب خاطر میں لا سکتے ہیں۔ یہاں تو یہ عالم تھا کہ:-

تسلیم و رضا!

تسلیم و رضا کے ابراہیمی اوصاف جو بنی ہاشم کو ورثہ میں ملے تھے امام حسینؑ کی زندگی میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ جب آپ نے یہ دیکھا کہ ابن زیاد کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور اس کا لشکر جس کی سرکردگی عمر سعد کے سپرد تھی ان کی جان لینے پر تلا ہوا ہے تو آپ نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ اہل بیت اور اپنے ہمراہیوں کو یہ اجازت دے دی کہ جہاں وہ چاہیں جا سکتے ہیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ ایک حسین کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگائیں۔ یزید اور ابن زیاد کا لشکر حسینؑ کی جان لینے پر تلا ہوا ہے دوسرے اگر جانا چاہیں تو ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ کیا تسلیم و رضا کی یہ ابراہیمی شان نہیں ہے؟

کیا امام حسین کا یہ جذبہ کچھ کم اہمیت رکھتا ہے۔ لوہے کا دل اور پتھر کا جگر بھی اس کے حوصلے اور اس بلا کی ہمت کا ثبوت نہیں دے سکتا۔

ہر چند کوہ سے بھی گراں تر ہے بار عشق
ہمت یہ کہہ رہی ہے کہ تنہا اٹھائیے

اور پھر حسینؑ کی بے پناہی اور بے خوفی بھی اپنی نظیر نہیں رکھتی کہ وہ کربلا میں تنہا اور بے یار و مددگار رہ کر اپنے بے رحم دشمنوں کا مقابلہ کرنے کیلئے بخوشی آمادہ ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ ؎

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

کربلا میں امام حسینؑ کی نگاہوں کے سامنے ان کے نونہال بھتیجے اور پیارے شہید ہوتے لیکن کیا مجال ہے کہ زبان سے اف بھی کی ہو۔ اپنی ہمشیر بی بی زینبؑ کو روتے دیکھ کر پند و نصیحت کا ایک دفتر کھول دیا اور دوسرے افراد خاندان کو ضبط کی تلقین کی اور اپنے نانا جان کے ارشادات دہرائے۔ عون و محمد قاسم و علی اکبرؑ ایسے بن کھلے غنچوں کو مرجھاتے دیکھا لیکن پھر بھی چہرے پر حزن و ملال کی گرد نہیں جمنے دی۔ حرملہ ابن کاہل کے تیر سے ننھے علی اصغر کا گلا چھلنی ہو جاتا ہے اور وہ اپنے شفیق باپ کی گود میں دم توڑ دیتا ہے لیکن باپ ہے کہ عزم و استقلال کی جنبش میں نہ آنیوالی چٹان بنا کھڑا ہے یہ حقیقی بھائیوں جیسے سوتیلے بھائی آنکھوں دیکھتے داغ جدائی دے جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی پائے عزم و ثبات میں لغزش نہیں آتی

نہ آئی تیرے پائے عزم و استقلال میں لغزش
نہ چھوڑا ہاتھ سے دامانِ تسلیم و رضا تو نے

شہید کربلا کی سیرت کا اثر

کربلا میں امام حسینؑ کی سیرت کے متعدد تفصیلی اثرات جس شان سے رونما ہوئے ان کی مثال بھی کہیں مشکل سے ملے گی۔ آپ کی ہمشیرہ بی بی زینبؑ نے اپنے دونوں لال عون و محمد جس جذبے کے تحت اپنے بھائی امام حسینؑ کی قربان گاہِ محبت پر بھینٹ چڑھا دیئے تھے اس کا تعلق صرف خون کے رشتے سے نہیں گوندھا تھا بلکہ اس کی تہ میں اس مقصد کی عظمت اور اس کا نصب العین بھی کام کر رہا تھا جس کی خاطر امام حسینؑ مصائب و آلام کی تلخیاں گوارا کر رہے تھے۔ آخر بی بی زینبؑ نے بھی تو نبی کی لاڈلی بیٹی فاطمۃ الزہرا کی گود میں پرورش پائی تھی انھیں یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ ان کے بھائی تو خدا اور رسول کی محبت کا عملی ثبوت دیں اور ان کے لخت جگر اپنے ماموں کی اس ادا پر جان نہ چھڑکیں۔ ننھے علی اصغرؑ کی شہادت سے جو کچھ ان کی والدہ کے دل پر گذری ہوگی خدا ہی بہتر جانتا ہے خود امام حسینؑ پر ادھ کھلے غنچے کی پژمردگی کتنی شاق گذری ہوگی اپنے ایک بیٹے علی اکبرؑ کی شہادت پر بہائے ہوئے آنسو بھی خشک نہ ہوئے ہونگے کہ دوسرا داغ ایک اور لگا۔ کتنا بلند ہے اس نیک خاتون کا حوصلہ کہ اس نے اپنے پیارے شوہر کے قدموں پر اولاد ایسی متاعِ عزیز قربان کر دی۔ نہ زبان پر شکایت نہ لب پہ گلہ سوتیلے بھائی جن کا رشتہ جلن کا رشتہ ہوتا ہے اپنے بھائی حسینؑ پر قربان ہو گئے اپنے جیتے جی بھائی پر آنچ نہ آنے دی کوئی قاسم کے جی سے پوچھے کہ انھیں اپنے چچا سے کتنی محبت تھی امام حسینؑ کے اس نورِ نظر نے اپنے شباب

کی ابھی بہاریں بھی نہیں لوٹی تھیں کہ کربلا میں پھوپی اور چچا کے بار بار روکنے کے باوجود ان سے رہا نہ گیا اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔ امام عالیمقام کے ایک فدائی مسلم بن عوسجہ اسدی جب کربلا کے میدان میں دم توڑنے لگے تو انھوں نے اپنی آخری تمنا ظاہر کی کہ مجھے اٹھا کر امام عالی مقام کے قدموں پر ڈال دیا جائے میں چاہتا ہوں کہ میرا دم انھیں کے قدموں پر نکلے

حضرت سید الشہداؑ کو عالمگیر شہرت کیوں حاصل ہے؟

یہ سوال بعض نافہم ملا عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے مجمع عام میں کر دیا کرتے ہیں مدیر انجام نے اس کا بڑا معقول جواب دیا ہے جس کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ مدیر المعرفت سے

کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ سیدنا حضرت امام حسینؑ کے علاوہ اور بھی متعدد مقدس ترین بزرگانِ اسلام منصب شہادت پر فائز ہوئے خامس امام مظلوم کے والد ماجد مولائے کائنات امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالب نے جام شہادت نوش فرمایا۔ برادر اکبر نوجوانان بہشت کے سردار سیدنا حضرت امام حسنؑ زہر سے شہید کئے گئے لیکن ان کا غم ماتم حسین کی طرح عالمگیر کیوں نہیں؟

ان واقعات شہادت کی یادگار سانحہ کربلا کی طرح اس قدر بے پناہ جوش و خروش کے ساتھ کیوں نہیں منائی جاتی؟ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ محرم کے نمودار ہوتے ہی دنیا کے ہر حصہ میں کروڑوں انسان بوڑھے اور جوان عورتیں اور بچے رنگ و نسل زبان و معاشرت کیش و مذہب کے کسی امتیاز کے بغیر بیتاب ہو کر حسین کے لئے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔

واقعہ کربلا نئے نئے اسلوب سے بیان کئے جاتے ہیں۔ کم و بیش ساڑھے تیرہ سو سال سے ہر سال بے شمار مضامین لکھے جاتے ہیں۔ دیدۂ خونبار کے آنسو نظموں کی شکل اختیار کرتے ہیں دفتروں میں کئی کئی دن تعطیل ہوتی ہے۔ اخباروں کے خاص نمبر نکلتے ہیں۔ قدم قدم پر مجالس عزا برپا ہوتی ہیں گھر گھر نذر و نیاز کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ انڈونیشیا سے مغرب اقصیٰ تک دنیائے اسلام کے ہر حصے میں ماتمی جلوس نکلتے ہیں۔ مقررین کی زبانوں پر شہادت

حسین کا تذکرہ ہوتا ہے۔ لوگوں کو اسوۂ شبیرؑ پر عمل کرنے کی دعوت دی جاتی ہے بڑے شہروں کا ذکر کیا چھوٹے چھوٹے دور افتادہ دیہات میں بھی ہر سال "محرم" ایک مذہبی تقریب کی حیثیت سے منایا جاتا ہے آخر عوام کے لئے واقعات کربلا میں اتنی بے پناہ غیر معمولی کشش کیوں ہے؟

ایک اور لطیفہ یہ ہے کہ ہر سال کچھ نہ کچھ لوگ غم حسینؑ کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ جتنی زیادہ مخالفت کی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ غم حسین کی تازگی اور عالمگیری بڑھتی جاتی ہے؟

سوال معقول ہے۔ اصحاب کرام و اہلبیت رسول کی محبت ہمارے لئے جزو ایمان ہے شہادت مظلوم حسینؑ کی اس غیر معمولی شہرت اور قبولیت عامہ سے کسی دوسرے بزرگ کے منصب شہادت کی تنقیص نہیں ہوتی شہید ہونے کی حیثیت سے برابر اور یکساں قابل تعظیم ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ کے دربار سے حیات ابدی کا خلعت حاصل ہے اور قرآن مجید کے لفظوں میں ان کا رزق اللہ کے پاس ہے سانحۂ کربلا کو عامۃ المسلمین میں جو اتنی بے مثال شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ شہادت امام مظلومؑ کی بنیادی نوعیت دوسری شہادتوں سے مختلف ہے اگر سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کسی ملک کے فرمانروا ہوتے اور سلطنت کے کسی بدبخت باغی کے ہاتھ سے شہید ہو جاتے یا جب آپ نے رومی شہنشاہ کے خلاف جہاد میں شرکت فرمائی تھی قسطنطنیہ کے سایۂ فصیل میں جام شہادت نوش فرما لیتے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی شہادت اس وقت بھی مسلم ہوتی اور فرزند رسول ہونے کی حیثیت سے آپ کو ایک مذہبی عظمت حاصل ہے اس کی بنا پر لوگ کسی نہ کسی شکل میں آپ کی یاد تازہ بھی رکھتے لیکن اس شہادت کو عامۃ المسلمین میں اتنی عالمگیر شہرت حاصل نہ ہوتی اور وہ بعض دوسری شہادتوں کی طرح تاریخ اسلام کا ایک تابناک اور قابل احترام باب بنکر رہ جاتی

۱۰ محرم کو دشت کربلا میں سرتاج شہیدان عالم سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو عامۃ الناس میں جو اس قدر بے پناہ و بے مثال شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور تیرہ سو برس سے زائد عرصہ گذر جانے پر بھی امام مظلوم کی ذات اقدس دنیا کے ہر گوشے میں کروڑوں عوام کی محبت و عقیدت کا نقطۂ ماسکہ بنی ہوئی ہے اور ہر سال ماہ محرم کے نمودار ہوتے ہی عدیم النظیر جوش و خروش سے تازہ کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے نہ تو ایک فرمانروا کی حیثیت سے جام شہادت نوش فرمایا نہ آپ مملکت اسلامیہ کی کسی غیر مسلم دشمن فوج کے مقابلہ میں لشکر اسلام کے ایک سپاہی کی حیثیت سے منصب شہادت پر فائز ہوئے جو اس شہادت کو ایک تاریخی

حادثہ سمجھ لیا جائے امام مظلوم علیہ السلام اپنے عہد کے عظیم ترین مقدس بزرگ تھے آپ عرب کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ طاقتور قوم قریش کے معزز ترین قبیلے بنو ہاشم کے سربراہ تھے۔ مذہبی اعتبار سے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور راکب دوش رسول تھے دنیاوی اعتبار سے وہ خاتم خلفائے راشدین سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام اور امیر معاویہ کے باہمی معاہدے کے مطابق صوبہ عراق کی پوری آمدنی کے حقدار تھے دولت دنیا ان کی کنیز تھی گو یہ دوسری بات ہے کہ کریم ابن کریم اپنے گھر کا آخری اثاثہ بھی اللہ تعالیٰ کے ضرورتمند غریب بندوں کو تقسیم فرما کر خود فقر و فاقہ کی زندگی اختیار فرمائے۔ امام مظلوم اگر چاہتے تو اپنی زندگی نہایت عیش و آرام سے گذار سکتے تھے۔ اگر مرضی مبارک ہوتی تو وہ اپنے اثر و رسوخ اور طاقت و شجاعت سے کسی نہ کسی طرح ملک میں ذاتی سلطنت قائم کرکے لاکھوں عوام کی گردنوں میں اپنی آمرانہ اطاعت کا طوق بھی ڈال سکتے تھے لیکن اس عظمت و شوکت اور جاہ و جلال کے باوجود آپ کی زندگی حقیقی معنی میں عوامی زندگی تھی، آپ عوام کے سچے رہنما تھے آپ کی زندگی کا ہر سانس غریب عوام کی امداد کے لئے وقف تھا۔ آپ کا نصب العین تو عوام کو جبر و طاقت سے غلام بنانا نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کو چند انسانوں کی غلامی سے نجات دلانا تھا۔ آپ نے مجبور و بیکس عوام کی محبت میں تین دن بھوکے پیاسے رہ کر اور شدید ترین مصائب مردانہ وار جھیل کر اور اس ارفع و اعلیٰ مقصد کے لئے جان دی تھی کہ اقتدار و طاقت حقیقی کا سرچشمہ چند با اثر دولتمند افراد نہیں بلکہ فاقہ کش عوام ہیں۔ یہی باعث ہے کہ تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ گذر جانے پر بھی سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی کروڑوں عوام کی محبت و عقیدت مرکزی نقطہ بنی ہوئی ہے۔ اور اس بے مثال امتیاز کو قیامت تک کوئی انسانی طاقت زائل نہ کرسکیگی

بہت سے حضرات کا چندہ اپریل میں

ختم ہو چکا لہٰذا جلد مبلغ پانچ روپے

چندہ

بھیجکر شکریہ قبول کیجئے ورنہ بصورت دیگر وی پی

بھیجا جائے گا۔ جس کا چھڑانا آپکا اخلاقی فرض ہوگا۔

(منیجر)

حقوق والدین

حالات حاضرہ میں معاشرہ کی سب سے بڑی خرابی کا سبب ان بنیادی حقوق سے بے اعتنائی اور عدم توجہ ہے جو معاشرہ کو صحیح معنوں میں شرافت وعزت کا مرکز بنانے میں تمدن کی ابتدا ماں کی گود سے ہوتی ہے لیکن آجکل کا پڑھا لکھا نوجوان ماں باپ یا اس تربیت گاہ کی کوئی وقعت نہیں سمجھتا۔ جہاں سے انسان کی بلندیوں اور ترقیوں کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

دین اسلام جو بالکل فطری دین ہے اس نے ان امور کی طرف اس انداز میں توجہ دلائی ہے کہ گویا یہی انسانیت کا مرکز اور منبع ہیں جیسا کہ قرآن پاک کے مطالعہ سے بخوبی علم ہو سکتا ہے کہ ماں باپ کی حیثیت کیا ہے بعض آیات میں تو خدا نے ماں باپ کے حسن وسلوک اور ان کی شکر گذاری کو اپنے بجلہ رکھا ہے کاش ہم صحیح معنوں میں عملی مسلمان ہو جائیں تو آج ہی تمام دشواریاں ختم ہو جائیں

اے بسا آرزو

ہم نے اس سند کو قرآن۔ احادیث اور تاریخی واقعات کی روشنی سے روشن ومنور کیا ہے شاید ہمارا نوجوان طبقہ سوچے سمجھے۔ غور کرے اور پھر اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو دین و دنیا میں نور علیٰ نور بنائے

قرآن: وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔ پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۳

دیکھو تمہارے پروردگار کا حکم یہ ہے کہ اس کو نہ بھولنا کہ سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی ہی کرتے رہنا۔ اور دیکھو اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور اس حالت میں ان سے کوئی بات منھ سے نکل جائے جو تم کو ناگوار ہو تو خبردار صبر وتحمل سے کام لینا اور اف تک نہ کہنا۔ اور کسی بات پر جھڑکنا نہیں اور ان سے جب کچھ کہنا سننا ہو تو ادب اور شرافت کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دینا اور دیکھو ہمیشہ ان کے سامنے عاجزی اور انکساری سے جھکے رہا کرو (خبردار کبھی ان سے اکڑنا نہیں) اور دیکھو ان کے حق میں اس طرح ہم سے دعا کرتے رہا کرو۔ اے ہمارے پروردگار

ان میرے ماں باپ پر تو اپنی طرف سے خاص رحمت نازل فرما ؤ اور یہ دعا اسی طرح خلوص دل سے مانگ رہا ہوں، جس طرح انہوں نے نیک نیتی کے ساتھ مجھے بچپنے میں پالا پوسا ہے

ووصّینا الانسان بوالدیہ حملتہ امّہ وھناً علیٰ وھنٍ وفصالہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر۔ پ ۲۱ س لقمان ع ۲"

رب اغفرلی ولوالدیّ

اے خدا مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔

وبالوالدین احساناً پ ۱ ع ۱۰ سورہ بقر

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن الوصیۃ للوالدین پ ۲ ع ۶ س بقر جانکنی کی حالت میں بھی ماں باپ کو سب سے مقدم رکھو کر ان کی عظمت کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے دیکھو جب تم پر موت طاری ہونے لگے تو اپنے متر وکہ مال باپ کے بارے میں ہمنے تاکیدی حکم دیا ہے خصوصاً اس ماں کے بارے میں جس نے انسان کو دکھ پر دکھ سہہ کر پیٹ میں رکھا اور وہ اس کو دودھ پلا پلا کر پالتی رہی یہاں تک کہ دو سال میں جا کر دودھ بڑھائی ہوئی۔ ہمنے انسان کو حکم دیا ہے کہ ہمارا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرتا رہے۔ بیشک سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ ماں باپ کے بارے میں وصیت کرو اچھی دیں۔ والدین وغیرہ کے بارے میں یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین اے رسول یہ تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں تو تم ان سے کہہ دو کہ جو خرچ کر سکتے ہو کرو مگر دیکھو جن پر خرچ کرنا ہے ان میں سب سے پہلے والدین کا حق ہے واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احساناً پ ۵ ع ۳ س نساء اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک مت بناؤ اور دیکھو ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے رہنا

وبالوالدین احساناً پ ۸ ع ۷ س انعام ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔ ووصّینا الانسان بوالدیہ احساناً ۲۶ ع ۲ س احقاف ہم نے انسان کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک ہی کرتا رہے۔ احادیث

ماں باپ کی اطاعت گذاری سے انسان کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور انسان کو جانکنی میں راحت حاصل ہوتی ہے اور دنیا میں فقر و فاقہ سے محفوظ رہتا ہے۔

قال الصادق من احب ان یخفف اللہ عنہ سکرات الموت فلیکن بقرابتہ وصولا وبوالدیہ بارًّا فاذا کان کذلک ھوّن اللہ علیہ سکرات الموت ولم یصبہ فی حیوتہ فقرا ابداً

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہو کہ جانکنی میں اللہ اس کی تکلیف میں کمی کر دے تو اس کو چاہیے کہ اپنے قرابت داروں سے صلۂ رحم کرے اور اپنے ماں باپ سے حسن وسلوک سے پیش آئے اور جب کوئی شخص ایسا کرے گا تو خدا اس کے لئے سکرات موت میں آسانی کر دے گا اور یہ شخص ہمیشہ زندگی بھر فقر و فاقہ کی مصیبتوں سے محفوظ رہیگا۔

وفی روایۃ ان دخل رسول اللہ صلعم علیٰ شاب وھو فی سکراتِ الموتِ وقد تغشّیٰ علیہ قبض الرّوح فقال ماتریٰ قال اریٰ اسودین قد دخلا علیّ وھما وا فعال اُمّا جی فانّنی خائفٌ منھما فقال صلعم اَلھذا الشاب اُمٌّ فقیل نعم فاتت امّہ فقال لھا راضیۃ انتِ ان ابنکِ ام ساخطۃ علیہ فقالت بل با ساخطۃ علیہ الآن من طیبۃ عنہ رھبتک فغشی علی الشابِ فلمّا افاق قال لہ ماتریٰ قال اریٰ انیتُ یا رسول اللہ خرج الاسود ان دخل علی الابیضان فانا فرحانٌ برؤیتھما ثم انّہ مات فی ساعتہٖ ایک حدیث میں ہے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ایک ایسے جوان کے پاس پہنچے جو سکرات کی مشکل میں

پھنسا ہوا تھا اور جانکنی اس کے لئے مصیبت عظیم بنی ہوئی تھی آپ نے اس نوجوان کو آواز دی اس نے جواب دیا آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کیا دیکھتے ہو اس نے کہا یا حضرت دو سیاہ فام میرے سامنے آکر کھڑے ہیں جن کی وجہ سے مجھ پر خوف طاری ہے۔ آنحضرت نے معلوم کیا کہ آیا اس جوان کی ماں ہے لوگوں نے کہا کہ ہاں ہے آپ نے اس کو بلا کر کہا کہ آیا تو اس سے راضی ہے یا ناراض ہے اس عورت نے کہا یا حضرت ابتک میں اس سے ناراض تھی مگر اب آپکی وجہ سے راضی ہوں بس اتنا جوان بیہوش ہوگیا جب ہوش آیا تو حضورؐ نے پوچھا کہ اب کیا دیکھتے ہو اس نے کہا کہ سرکار وہ دونوں کالے نکل گئے اور دو ایسے روشن چہرے والے میرے پاس آئے ہیں کہ جنکو دیکھکر میں خوش ہوں یہ کہا اور مر گیا

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ایک شخص مر گیا جب اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے اس کو باہر پھینک دیا حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہے آپ نے اس کو راضی کرنے کا حکم دیا جب وہ راضی ہوئی تو قبر نے قبول کیا اور عن رسول اللہ صلعم فی قولہ تعالیٰ ولا تقل لھما اف ولا تنھرھما ان ضجرا فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما ان ضربا کتا قال

وقل لهما قولاً کریماً ان صرناک فقال لہما
غفرانہ لکما فذالک منک قول کریم ثم
قال وا غفض لہما جناح الذل من الرحمۃ
قال لا تملاء عینیک من النظر الیہما الا
برحمۃ لہما ورقۃ ولا ترفع صوتک فوق
اصواتہما ولا یدک فوق ایدیہما ولا تقدم
قدامہما۔

حضرت نبی کریم صلعم کا ارشاد ہے، خدا کا یہ قول کہ ماں باپ کو اف نہ کہو اور جھڑکو نہیں کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تم کو ڈانٹ ڈپٹ کریں تو شرافت اسی میں ہے کہ ان کے فرمانبردار رہو تم اف تک نہ کہو اور اگر وہ تم کو مار پیٹ کریں تو جھڑکو نہیں اور نیک بات کہو کا مقصد یہ ہے کہ اگر ماں باپ تم کو ماریں تو تم کہو اللہ تم دونوں کو معاف کرے عاجزی سے ان کے سامنے جھک جاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی ان کی طرف نظر اٹھاؤ تو رحمدلی اور ہمدردی کے ساتھ دیکھو ان کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو ان کے ہاتھوں سے آگے اپنے ہاتھ مت کرو اور راہ میں ان سے آگے مت چلو۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ اور شرافت میں ڈوبی ہوئی تعلیم ہے۔

قال ع ثلاث لم یجعل اللہ عزوجل للعبد فیھن رخصۃ"

۱ اداء الامانۃ الی البر والفاجر

۲ والوفاء بالعھد للبر والفاجر وبر الوالدین برین کانا او فاجرین

ارشاد معصوم ع یہ ہے کہ تین چیزیں اللہ نے ایسی قرار دی ہیں کہ جن میں انسان کسی قسم کی جہلت یا چھوٹ نہیں ہے۔ پہلی امانت ادا کرنا چاہے وہ نیکو کار کی ہو یا بدکار کی۔

دوسرے وفا بالعہد کرنا چاہے وہ عہد بھلے آدمی سے کیا ہو یا بدکار سے

تیسرے یہ کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے چاہے ماں باپ بھلے ہوں یا برے۔ (ماخوذ از انوار نعمانیہ)

واقعات

۱۔ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ اس لئے کھانا نوش نہیں فرمایا کرتے تھے کہ مبادا ایسا نہ ہو کہ میں وہ چیز کھا جاؤں جس کو میرے والد کا جی چاہ رہا ہو۔

۲ اصحاب کے واقعات میں سے ہے کہ جب یہ لوگ تین سو نو برس کے بعد جاگے تو دیکھا کہ غار کا منہ بند ہے تو ہر ایک نے اپنی اپنی نیکی کا تذکرہ کر کے اللہ سے دروازہ کھولنے کی دعا کی۔ آخر میں ایک شخص نے کہا خداوندا میرے ماں باپ بوڑھے تھے ایک رات کو میں ان کے پینے کے لئے دودھ لے کر پہنچا تو وہ سو چکے تھے۔ میں نے چاہا کہ ان کی نیند میں خلل پڑے

اس لئے ہوگا یا نہیں اور وہ دودھ لئے ہوئے میں رات بھر کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور اپنی بھیڑ بکریوں کی تباہی و بربادی کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اے میرے مالک اگر تجھ کو میرا یہ فعل والدین کی اطاعت کے سلسلے میں پسند ہے تو اس غار کا منھ کھول دے پس دروازہ فوراً کھل گیا۔

اللہ اکبر ماں باپ کی ایک شب کی اطاعت سے یہ پھل ملا اگر کوئی زندگی بھر والدین کا اطاعت رہے تو کتنے کشادگی کے دروازے کھل جائیں آج ہم پر جو بلائیں آئی ہوئی ہیں ان کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم اپنے ماں اور بزرگوں کا احترام اور فرمانبرداری کھو بیٹھے ہیں۔ کاش اب بھی ہم کو ہوش آجائے اور سیدھے سچے اور عمل کے پکے مسلمان بن جائیں ۔“

آج بتاریخ ۱۸ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۹۶۶ء مطابق ۸ جولائی ۱۹۶۶ء کو مومنین جیکب آباد کا ایک جلسہ ڈاکٹر سید حامد حسین صاحب زیدی کے مکان پر بعد نماز مغربین ہوا جلسہ کی صدارت جناب سید مقدس حسین صاحب زیدی صدر انجمن رضا کاران حسینی نے کی

جناب مولانا سید محمد رضا صاحب رضوی حسینی مشن ٹھورنگ روڈ کالونی ۸ نے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے مطالبات کے بارے میں بصیرت افروز تقریر کی اور مطالبات کمیٹی جیکب آباد کی تشکیل کے لئے مومنین کو ترغیب دی اس کے بعد جناب سید نجم الحسن صاحب زیدی نے مومنین پر زور اپیل کی کہ جناب مولانا سید محمد صاحب قبلہ سربراہ مجلس عمل کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے اور حکومت کو ہر ممکن طریقہ سے باور کرایا جائے کہ ہم اپنی مطالبات شہری آزادی کے سلسلے میں مانگ رہے ہیں کوئی سیاسی چیز ہمارے پیش نظر نہیں ہے بالآخر متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ حسب ذیل افراد پر مشتمل جیکب آباد کے لئے مطالبات کمیٹی تشکیل کی جائے

۱:۔ سید مقدس حسین صاحب زیدی صدر

۲:۔ جناب نجم الحسن صاحب زیدی۔ سکریٹری

۳:۔ ” محمد مراد صاحب۔ ممبر

۴:۔ ” غوث بخش صاحب بلوچ زیدی ”

۵:۔ ” ڈاکٹر سید حامد حسین صاحب زیدی ”

یہ طے پایا کہ اس قرارداد کی نقلیں جناب سربراہ مجلس عمل اور قومی اخبارات کو روانہ کردی جائیں

ایس۔ ایچ رضوی آنریری سکریٹری انجمن رضاکاران جیکب آباد۔

پرچہ واپس کرنا یا وی۔ پی نہ چھڑانا مذہبی و قومی پرچہ کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس کا وصول کرنا آپکا اخلاقی فرض ہے۔ (مینیجر)




HYDARI
BANASPATI

معرفة

حیدرآباد (مغربی پاکستان)

دینی علمی
ادبی
اخلاقی
ماہنامہ



مدیر

ت علی ممتاز الافاضل



عالیجناب ڈاکٹر سید شہنشاہ حسین صاحب زیدی
انچارج شعبہ فزیالوجی
ایل۔ ایم۔ سی جامشورہ
کے
حالات صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ کیجئے



ماہنامہ العرفان کا دوسرا جنم

المعرف

ٹنڈو طیب حیدر آباد

فی پرچہ ۵۰ پیسے
ششماہی ۳ روپے
سالانہ ۵ روپے

مدیر حشمت علی
ممتاز الافاضل

جلد نمبر ۲	اپریل ۱۹۶۵ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ	نمبر ۱ شمارہ

فہرست مضامین

حشمت علی ممتاز الافاضل پرنٹر پبلیشر نے زاہد پریس شاہ دروازہ حیدر آباد چھپوا کر دفتر المعرف ٹنڈو طیب حیدر آباد سے شائع کیا

ارشاداتِ امام رضا علیہ السلام

چونکہ ذیقعدہ میں امام ہشتم علیہ السلام کی ولادت وشہادت دونوں ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کے کچھ اقوال زریں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔ (ادارہ)

من حاسب نفسہٗ ربح ومن غفل عنہا خسر ومن خاف أمن ومن اعتبر أبصر فہم ومن فہم علم وصدیق الجاھل فی تعب وافضل المال ما وقی بہ العرض وافضل العقل معرفۃ الانسان نفسہٗ والمومن اذا غضب لم یخرجہ غضبہ عن حق واذا رضی لم یدخلہ رضاہ فی باطل واذا قدر لم یأخذ اکثر من حقہ

ہر کس حساب کار خود داشت سود برد وکسیکہ از آں ناآگاہ ماند زیاں دید وآنکہ (از خدا) بترسید ایمنی یافت وآنکہ پند گرفت بینا شد وآنکہ بینا گشت دریافت وآنکہ دریافت دانا شد ودوست مردم نادان در رنج است وبہترین دارائی چیزیست کہ آبرو بآں نگہداری شود وخوبترین خرد خویشتن شناسی است۔ وخدا پرست چوں خشمگیں شد خشمش وی را از حق (رہ) بیروں نبرد وہرگاہ خوشنود بود خشنودیش او را در باطل (بیہودہ) در نیا ورد وہنگامیکہ توانا گشت بیش از حقش نگیرد۔

جس شخص نے اپنے ایمان کا محاسبہ کر لیا وہ کامیاب رہا اور جس شخص نے غفلت برتی وہ گھاٹے میں رہا جو خدا سے ڈریگا وہ ہر خوف سے محفوظ ہے۔ جس نے نصیحت حاصل کی اس نے دانائی حاصل کی۔ جس نے آگہی حاصل کر لی اس کو فہم وفراست مل گئے۔ اور جسکو سمجھداری وہوشیاری مل گئی وہ دانشمند عالم ہوگیا۔ جاہل کی دوستی مصیبت ہی مصیبت ہے۔ مال کا بہترین حصہ وہ ہے جس سے آبرو بچی رہے عاقل ترین انسان وہ ہے جو اپنے آپ کو پہچان جائے۔ مومن وہ ہے جو غصہ کے وقت حق سے الگ نہ ہو۔ اور جب خوش ہو تو یہ خوشی اس کو باطل پرست نہ بنا دے۔ اور جب اس کو اختیار واقتدار حاصل ہو تو اپنے حق سے زیادہ نہ لے۔

واجتھدوا ان یکون زمانکم اربع ساعات ساعۃ للّٰہ لمناجاتہ وساعۃ لامر المعاش وساعۃ لمعاشرۃ الاخوان الثقات والذین یعرفونکم عیوبکم ویخلصون لکم فی الباطن وساعۃ تخلون للذاتکم وبھذہ الساعۃ تقدرون علی الثلاث الساعات

بکوشید کہ روزگارتان چہار بخش باشد بخشی ویژۂ خداوند برائے راز ونیاز باوی بخشی

برائے کار زندگانی و بخشی برائے آمیزش با دوستان سخت استوار و آنہا کہ (آنکہ) پنہان را بشناسا شناسانند و بخشی از دیدہا پوشیدہ بلذت مشروع بپردازید و بایں یک بر آں سہ توانا شوید

واجتہدوا۔ کوشش کرو کہ یہ تمہارے زمانے کے چار حصے اس طرح رہیں۔

ایک چوتھائی حصہ خدا سے مناجات۔ دعا اور عبادات کا ہونا چاہیئے۔ دوسرا چوتھائی حصہ بال بچوں کی پرورش اور فکر و تلاش معاش کے لئے ہونا چاہیئے۔ تیسرا چوتھائی اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب سے ملنے جلنے، مزاج پرسی کرنے کا رکھو خصوصاً تمہارے وہ مخلص دوست جو تمکو ظاہر میں تمہارے عیوب گناتے رہتے ہیں اور باطن میں تم سے "دشمنی نہیں" بلکہ دوستی اور بے انتہا خلوص رکھتے ہیں۔

آخری چوتھائی حصہ جائز حظ نفس اور لذات کے لئے رکھو اور اگر تم نے اس پر قابو پالیا تو باقی تینوں حصوں پر قبضہ آسان رہیگا لسان الصدق کہنے والے نے سچ کہا ہے۔ انسان گمراہ ہی حظ نفس میں ہوتا ہے اور اگر اس پر قابو پالے اور تیز و طرار گھوڑے کی لگام تھامے رہا تو کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ ہر شخص کو نیک راہ پر قائم و برقرار رکھے۔ بشکریہ آستان قدس مشہد مقدس ایران

جامشورہ کی محفل مقاصد

جامشورہ حیدرآباد سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی اور پتھریلا مگر بہت پر فضا مقام ہے یہی وجہ ہے کہ سول ہسپتال اور اس سے متعلق لیاقت میڈیکل کالج شہر سے دور جامشورہ منتقل کردیا گیا ہے یہاں کی آب و ہوا۔ گرد و غبار سے پاک و صاف ہے۔ جامشورہ کی آبادی کلیتہً ملازم پیشہ حضرات کی ہے۔ مومنین کی آبادی بہت کم ہے مگر بڑے جذبے کے لوگ ہیں خصوصاً ہمارے محترم جناب ڈاکٹر سید شہنشاہ حسین صاحب زیدی بڑے ہی مخلص اور نیک صفات کے حامل ہیں۔ اس چھوٹی سی آبادی میں ہر سال محترم زیدی صاحب کی کوٹھی پر بزم مقاصدہ ہوا کرتی ہے جس میں شہر حیدرآباد اور کراچی کے چیدہ چیدہ باکمال شعرائے کرام شرکت فرما کر بارگاہ اہل بیت میں نذرانۂ عقیدت پیش

یہ محفل بڑی کامیاب اور بہترین محفل ہوتی ہے۔ قبلہ زیدی صاحب بڑے مہمان نواز ہیں جس کی وجہ سے جامشورہ کے مومنین کے علاوہ بھی مومنین حیدرآباد، ڈاکٹر صاحبان۔ انجینیر حضرات۔ اور ٹیچر اور طلباء وغیرہ غرضکہ ہر صنف اور ہر گروہ کا پڑھا لکھا طبقہ اس جلسہ میں بجوش شریک ہوتا ہے۔

امسال یہ مقاصدہ طرحی ہوا تھا۔ جو قصائد ہم کو مل سکے ہیں آپ بھی پڑھ کر راحت روح اور سرور قلب حاصل کریں۔ ماہنامہ

(نگار خصوصی)

اسرار و افکار

حضرت نجم الشعراء اہل سنت نجم آفندی مدظلہٗ

کہنے والے اپنی اپنی کہہ گئے
لفظ تعریفوں کی رو میں بہہ گئے
دے رہے تھے بے عمل درس عمل
اہل محفل سن سنا کر رہ گئے

ملت کا تقاضہ ہے کہ ہستی سے گذر جا
میرے لئے جینا ہے تو اپنے لئے مرجا
دریا سے تجھے پار اترنا ہے بہر حال
طوفان کے کاندھے پہ قدم رکھ کے اتر جا

دولت ہے بدستور ستم ڈھائے ہوئے
بیٹھے ہیں غریب رنج و غم کھائے ہوئے
دنیا میں جگہ نہیں کھڑے ہونے کی
کچھ لوگ پڑے ہیں پاؤں پھیلائے ہوئے

آنکھیں کرلو خراب پر طاقتے پڑھتے
علم و حکمت کے باب پڑھتے پڑھتے
جب ذوق عمل نہیں تو حاصل کیا ہے
ہو جاؤ جو خود کتاب پڑھتے پڑھتے

روزنامہ

اس سلسلہ میں اخبارات اور دیگر مقامات پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے مخالف اور موافق ہر پہلو پر خوب خوب لکھا گیا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے صاحبان علم بعض ذاتی اغراض کے تحت اشہب قلم کو ایسے غلط راستے پر دوڑاتے ہیں کہ جس سے قوم اور ایک صدی پیچھے چلی جاتی ہے۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ بعض جزوی باتیں ایسی ہیں کہ جس سے روزنامہ کو معمولی سی رکاوٹوں کا خطرہ ہے لیکن اس کے برخلاف ضروریات اتنے اہم اور ضروری ہیں کہ اگر روزنامہ صحیح لائنوں پر چلایا گیا تو یہ ایک سیلاب جوشیلا چشمہ ہوگا جو بڑی بڑی سنگلاخ چٹانوں کو اپنے پے در پے حملوں سے ریزہ ریزہ کر کے راہ ہموار کرے گا اس لئے کہ یہ روزنامہ ایک شخص کی آواز نہیں ہوگی ایک فرد کی چیز نہیں ہوگی بلکہ پٹاور سے کراچی اور کراچی سے ڈھاکہ تک کے لاکھوں بلکہ کروڑوں پروانہائے شمع جیدی جیبنی کے دھڑکتے ہوئے دلوں اور سلگتے ہوئے قلب جگر کی آواز ہوگی۔ صدا ہوگی اور آہ وفغاں ہوگی۔ اس دور میں روزنامہ کو چلانے کے لئے سب سے اہم ایڈیٹر کی ذات ہوتی ہے سرمایہ بھی بیشک ضروری ہے لیکن دولت جسم ہے اور ایڈیٹر اس کی روح ہے سرمایہ مشین ہے اور انجن ہے اور مدیر اس کا ڈرائیور اور مشنری ہے اس لئے کہ آجکل روزنامہ کو چلانے کے لئے قومی تعاون کی ضرورت نہیں کسی شخصیت کی ضرورت نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر جزوں کا فرض کرنا اور اس کی ایسے عنوان سے ادارت کرنا ہے کہ جس سے اخبار ہاتھوں ہاتھ نکلتا رہے کسی عمارت کی تعمیر کرنے کے لئے مال مسالہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو تعمیر کبھی حسب منشاء نہ ہوگی۔ بیشک اس کے لئے ایک ایسے کاریگر اور ماہر معمار کی ضرورت ہے کہ تعمیر ہر نوعیت سے ایسی مکمل ہو کہ ہر دوست دشمن اپنا پرایا۔ دور سے دیکھتے ہی کہہ اٹھے کہ واقعی لاجواب ہے۔ یاد رکھئے کہ آج تک آپ کی قوم ملک میں کوئی مقام حاصل نہیں کر سکی ہے اس کی وجہ اور اصل وجہ صرف روزنامہ کا نہ ہونا ہی ہے۔ اس سلسلے میں بڑے بڑے بھوت پریت اور شیر چیتے دکھلائے جاتے ہیں یہ ہماری انتہائی بدقسمتی اور بدترین رسوائی ہے کہ بچہ کو ٹھیک پکڑ کر چلانے اور آگے بڑھانے کے بجائے گھر سے باہر اس کو اس لئے نہیں نکلنے دیا جاتا کہ باہر منہ پھاڑے شیر کھڑا ہے۔ اور بھوت یا جن اس کو پٹ کر جائینگے ایسے افراد معاشرہ کی بدترین فرد اور ذلیل ترین شخصیت شمار ہوتے ہیں۔ قاعدہ تو یہ ہے گرتے کو سنبھالا جائے گھٹنوں چلنے والے میں دوڑنے کی قوت پیدا کیجائے تاکہ اس کائناتی دور میں اگر سب سے آگے نہ ہو تو کسی سے پیچھے بھی نہ رہے، روزنامہ آج کی دنیا میں قوم کی زندگی ہے قوم کا وقار ہے اسی سے قوم معیاری ہوتی ہے اسی سے قوم

دنیا میں روشناس ہوئی ہے لندن کی مختصر سی شیعہ آبادی دو
روزنامے ایک انگریزی دوسرا اردو میں چل رہے ہیں کیا وہ لوگ جو انکو سہارا
بنا کر پیش کرتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں یہ چیز ہے کہ مسلم لیگ
جس کا مقابلہ کانگریس کی دولت و ثروت اور انگریزی حکومت سلطنت
سے تھا جبکہ اس دور میں مسلم اخبارات بھی تھے مگر اصل
ضمیر کی آواز اور منشائے دل کو پیش کرنیکے لئے ڈان
جیسے اخبار کا اجراء کیا گیا مگر اسکے لئے ایسے ایڈیٹر کا
انتخاب ہوا کہ جس نے چند ہی روز میں تمام روزناموں کو
مات کر کے پیچھے ڈھکیل دیا جبکہ ہندو سرمایہ پوری قوت
سے اس کو دبانے کی کوشش کرتا رہا مگر ڈان جنم لیتے ہی
ایسا پلا اور بڑھا کہ بڑے بڑے تجربہ کار اور خرانٹ
گرگ جہاندیدہ کو اندھا کر دیا اور مسلم لیگ نے چند ہی
روز میں وہ مقام حاصل کر لیا کہ جسکے لئے برسوں سے
تقریروں خطبوں اور وعظوں کے ذریعہ کوشاں رہی تھی
آج کی دنیا آپکی تقریروں کو نہیں سنتی، آپ کے جلسوں کی
طرف متوجہ نہیں ہوتی آپ کی تجاویز کو نہیں مانتی اس لئے
کہ یہ تو ایک گھریلو یا مذہبی رسم سمجھی جاتی ہے لیکن جب یہی
چیز روزنامہ کے ذریعہ بین الاقوامی سطح پر آجاتی ہے
تو پھر آپ کی یہ آواز بین الاقوامی آواز ہوتی ہے آپ کا
ہر مطالبہ بین الاقوامی حیثیت کا ہو جاتا ہے جس پر قانون
مقننہ حاکم اور حکومت سب کے کان کھڑے ہوتے ہیں
پھر سب کان دھرتے ہیں۔ ہم سید مشتاق حسین صاحب
کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس مہم کو سر
کرنیکا ذمہ لیا ہے جو قوم کی سب سے اہم اور ضروری
مہم ہے اور چونکہ یہ ان کے اپنے دل سے نکلی ہوئی آواز
ہے جو ہر فرد قوم کی دلی تمنا ہے انشاء اللہ اب یہ آواز
ہرگز ہرگز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوگی بلکہ یہ چل اپنے گلے
سے ضرور [illegible] ہوتی ہے کہ جس کی آبیاری حب حیدری اور غم حسینی
کے ہم سے کرم سے ہو رہی ہے انشاء اللہ بہت جلد پروان
چڑھے گی ہم اس سلسلے میں مخصوص کی فرد خشکی کی حیثیت [illegible]
کرتے اور انشاء اللہ خریدار بھی کافی بنائیں گے اور [illegible]
حدود میں رہتے ہوئے ہر خدمت کیلئے بخوشی تیار ہیں [illegible]
سید صاحب بلا کسی تاخیر کے جلد اہل الرائے حضرات
کی مجلس بلا کر ایک دستور العمل مرتب کر کے آواز
دیں گے کہ چونکہ ہے جادہ پیماں اب کارواں ہمارا [illegible]
انشاء العزیز ہر طرف سے قوم لبیک کہتی ہوئی
آگے بڑھے گی اور پروان چڑھے گی

قوم کے نام

اے قوم تیرہ سو سال سے تیرا مسلک شخصیت پرستی نہیں
بلکہ اصول پرستی رہا ہے یہی تیرا شعار تھا، اسی سے تیرا [illegible]
تھا حق کو حق کہنا، ناحق سے پرہیز، علم کے ساتھ عمل [illegible]
پیش نظر رہا اور جہالت اور بد عملی سے تنفر تھا۔ یہی [illegible]
یہی ایمان۔ یہی مذہب تھا اور یہی شریعت۔ اسی [illegible]
محراب و منبر کی وہ شان تھی کہ دنیا دیکھ کر تعجب کرتی
اسی سے مولوی، مولانا، مجتہد اور علامہ کی وہ عظمت
و حرمت تھی کہ فرشتے درود پڑھتے تھے لیکن اب [illegible]
برسوں سے یہ طریقہ، یہ جادہ، اور یہ مسلک تو نے اپنے
ہاتھوں سے کھو دیا ہے جس سے تیرا وقار، تیری عزت اور
تیری آن بان دن بدن گرتی جا رہی ہے سیکڑوں [illegible]
خس کا کھا جائے پھر بھی
تجھے العصر والزماں ہے ہر۔ اردو کے لوٹ
چندے کے بلاک کا سے لئے ہم ضم کرنے ہم بھی خطیب، مقرر [illegible]

روزہ نہ رکھنے پر مراکش میں ۲۰ نوجوان گرفتار

رباط۔ مراکش ۳ فروری (اے۔ پی۔ رائٹر) روزہ نہ رکھنے کی پاداش میں ۲۰ نوجوان کو جیل بھیجدیا گیا ان میں مرد بھی شامل ہیں اور لڑکیاں بھی تین کو تین ماہ کی اور باقی کو دو۔ دو ماہ کی سزائے قیدی ملی اس کے علاوہ ہر ایک کو ۱۲۰ درہم جرمانہ بھی ادا کرنا پڑا گرفتار شدگان میں پارلیمان میں مخلوط حکومت کے قائد کے صاحبزادے حرمتا بھی شامل ہیں مراکش میں اس سے قبل روزہ نہ رکھنے والے چھ سو افراد گرفتار کئے جا چکے ہیں! (ماخوذ اخبار انجام)

کاش ہر اسلامی ملک خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں کو بھی مراکش کی طرح قانون کا احترام کریں اور مجرم کو سزا دیں چاہے کوئی ہو تاکہ ملک و قوم کا وقار بڑھے۔ (ادارہ ماہنامہ المعرفت)

غم شبیر

مومنین کرام کو یہ خبر سنکر یقیناً بڑا رنج ہوگا کہ ادارے کے وضعدار مخلص اور بہترین رئیس اعلیٰ ترین رئیس۔ جو شیلے مذہبی علماً قومی جناب سید شبیر حسین صاحب ناظم بھی اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔

کل من علیہا فان۔ اور جب احمد مرسل نہ رہے کون رہیگا جناب ناظم صاحب اپنی خوبیاں اپنے ساتھ ہی لے گئے وہ متانت۔ وہ تہذیب وہ دینی ولولہ جس کی جیتی پھرتی تصویر مرحوم تھے اب اک داستان ہے یہ جگہ مشکل ہی سے پر ہوگی۔ خداوند عالم مرحوم کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر کے ساتھ ساتھ یہ توفیق بھی عطا کرے کہ مرحوم کے جلائے ہوئے چراغ کی لو کو اگر اونچا نہ کر سکیں تو روشن ضرور رکھیں۔ قارئین کرام مرحوم کے لئے سورۂ فاتحہ ضرور پڑھیں۔ (ادارہ المعرفت)

عشرۂ محرم کیلئے واعظین

سالہائے ماسبق کی طرح امسال بھی ادارہ عالیہ تبلیغ شیعہ پاکستان کی طرف سے مجالس عشرہ قوم کیلئے معقول کارکن واعظین کا تقرر کا بندوبست رکھا گیا ہے بانیان عشرہ انجمنہائے عزا اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر عزاداری مظلومؑ کو فروغ دیں فرو تمند حضرات اپنی پہلی فرصت میں درخواستہائے مفصلہ کوائف ادارہ کو بھیجدیں۔ دیر سے اطلاع آنے پر ہمکو شرمندگی اور آپکو مشکل ہوگی۔

آنریری جنرل سکریٹری
ادارہ تبلیغ شیعہ پاکستان
جمعیت رائے روڈ
کوئٹہ

منقبت در مدحت امام زین العابدینؑ

المدد، فخر تجسس، المدد عزم جواں
ڈھونڈتا ہے آج زین العابدین کا آستاں

اے زہے شان مقدر اے زہے اوج نصیب
صبح کی سرحد تک آپہنچا ہے شب کا کارواں

گو دیں ابن علیؑ کی یوں ہیں زین العابدیں
جیسے ہلکی روشنی ہو، کہکشاں در کہکشاں

جانتا ہوں آستانے کو ترے اس واسطے
مجھ سے دنیا پوچھتی ہے آج جنت کا نشاں

گفتگو ہونے لگی جب بھی اطاعت پر تری
گفتگوئے سنگ اسود آگئی ہے درمیاں

تیری منزل کا تعین کس طرح سے ہو سکے
تنگ ہو کر رہ گیا ہے دامن وہم و گماں

جادۂ صبر و رضا قائل ہیں تیرے عزم کے
مٹ نہیں سکتا ابھی تک تیرے قدموں کا نشاں

تیرے ہونٹوں کا تبسم جس کو سب سمجھے بہار
تیری آنکھوں کی نمی کہتے ہیں سب جس کو خزاں

جس کو دن کہتے ہیں وہ ہے تیرے چہرے کی ضیا
جس کو شب کہتے ہیں وہ ہے تیری آہوں کا دھواں

از محمد تا محمد ابتدا تا انتہا
انتخاب دونوں عالم خانداں کا خانداں

تیرے در سے تیرا رضوی اس طرح ہے منسلک
کارواں سے منسلک ہو جیسے گرد کارواں

جناب رفیق صاحب رضوی
(کراچی)

عزائے مظلوم

نوشتۂ عالی جناب سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی مجتہد العصر لکھنؤ

دسویں محرم ۶۱ھ میں زمین کربلا پر کون سا عظیم واقعہ ہوگیا جس پر اب تک چشم عالم خونریز ہے۔ نینوا کی گرم زمین پر کس مظلوم کا خون بہایا گیا جس کا آج تک ماتم ہے۔ مسلمان جانتے ہیں کہ رسولؐ کا نواسہ فاطمہ زہراؑ کی گود کا پالا اور امیر المومنینؑ کا جگر گوشہ تھا جس کا مدعیانِ اسلام ہی کے ہاتھوں تین دن کی بھوک پیاس میں حصۂ تیر و نیزہ و شمشیر ہوگیا۔ یہ سانحہ کوئی معمولی نہ تھا عالم نے اس واقعہ کی عظمت کا کتنا اثر لیا تاریخیں بتائیں گی اور مسلم الثبوت علمائے اسلام کے اقوال اس کی تصریح کریں گے۔ ابن حجر مشہور عالم اہلسنت شرح قصیدہ ہمزیہ میں لکھتے ہیں

ومما ظهر یوم قتله من الآیات ان السماء مطرت دما وان اوانیهم ملئت دما وان السماء اسودت سوادا لانکساف الشمس حینئذ حتی رأیت النجوم واشتد الظلام وحتی ظن الناس ان القیامة قد قامت وان الکواکب ضربت بعضها بعضا وانه لم یرفع حجر الا رئی تحته دم عبیط وان الورس من القلبت رمادا وان الدنیا اظلمت ثلاثة ایام ثم ظهرت الحمرة وقیل حمرت ستة اشهر ثم لا زالت الحمرة ترى بعد ذلك

روزِ قتل حسینؑ جو علامات ظاہر ہوئے ان میں سے یہ تھا کہ آسمان نے اشک خونی بہائے اور ظروف خون سے مملو ہوگئے اور آفتاب کو گہن لگنے سے آسمان اتنی شدت سے تاریک ہوا کہ ستارے دکھائی دینے لگے اور سیاہی اتنی بڑھی کہ لوگوں نے خیال کیا کہ قیامت آگئی اور ستارے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے اور جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے خون تازہ ابلتے دکھائی دیتا تھا اور دنیا تین دن تک تاریک رہی پھر سرخی ظاہر ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ چھ مہینے تک دنیا سرخ رہی اور اس کے بعد بھی اثر سرخی کا زائل نہ ہوا اب تک شفق اسی سرخی کا پتہ دیتی ہے۔

پھر ایسے اہم واقعہ ہے جس پر جمادات ذوا العقول نے خون کے آنسو بہائے۔ ذوی العقول کو کتنا اثر لینا چاہیے رسولؐ کے کلمہ گویوں کو رسولؐ کے نواسے کے قتل سے کتنا متاثر ہونا چاہیے یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ اس قابل نہیں ہے کہ کوئی عاقل اس کا انکار کرے۔ وہ غم تھا کہ جس نے آسمان کے دل کو خون کر دیا پھر ہم اگر اس غم میں آنسو بہائیں تو کون سا گناہ ہے۔ افسوس ہے کہ تعزیہ داری کرتے ہیں حسینؑ مظلوم کا ماتم کرتے ہیں آنسو بہاتے ہیں مگر کچھ لوگ ہم پر ہنستے ہیں ان افعال کو حرام بتلاتے ہیں اور روکتے ہیں لہٰذا ہم عزائے مظلوم کی حمایت میں ایک مفید تبصرہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس کے بعد کوئی شبہ نہ رہیگا کہ کربلا میں مارا جانے والا مظلوم اسی کا مستحق تھا کہ اس پر اسی عنوان سے گریہ و زاری کی جائے جس طرح ہم کرتے ہیں۔

یاد مظلوم تھا جس کے اوپر رسالت مآبؐ قبل وقوع واقعہ شہادت کے روئے۔ چنانچہ جناب غوث اعظم عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے

عن ام سلمہ انہا قالت کان رسول اللہ فی بیتی اذ دخل الحسین فاطلعت من الباب فاذا الحسین علی صدر النبی وانہ یلعب وفی ید رسول اللہ قطعۃ من الطین ودموعہ تجری فلما خرج الحسین دخلت وقلت بابی وامی یا رسول اللہ اطلعت فی یدک طینۃ وانت تبکی قال لما فرحت بہ وھو علی صدری یلعب اتانی جبریل وناولنی الطینۃ التی یقتل علیہا فلذالک بکیت

ام سلمہ ناقل ہیں کہ رسالت مآب میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ ناگاہ امام حسینؑ داخل ہوتے میں نے ان دونوں بزرگوں کو دیکھنا شروع کیا کہ حسینؑ سینۂ رسولؐ پر کھیل رہے ہیں اور رسالت مآب کے ہاتھ میں کچھ مٹی ہے۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں جب حسینؑ چلے گئے تو میں نے رسالت مآب سے عرض کیا کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کے دست مبارک میں کچھ خاک تھی اور آپ رو رہے تھے فرمایا کہ ہاں جب حسین کے سینہ پر کھیلنے سے مسرت ہوئی تو جبرئیل نے اور مجھ کو وہ مٹی دی جس پر حسینؑ قتل کیا جائے گا اسی وجہ سے میں رو دیا۔

اور امیر المومنین علی بن ابی طالب نے بھی گریہ فرمایا ہے ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ علیؑ بن ابی طالب کربلا کی طرف سے صفین جاتے وقت گذرے اور ٹھہر گئے پھر پوچھا کہ اس زمین کا کیا نام ہے؟ کسی نے کہا کہ کربلا یہ سننا تھا کہ اتنا روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی اور فرمایا کہ ایک دن میں خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا ایسی حالت میں کہ وہ جناب رو رہے تھے میں نے سبب گریہ پوچھا فرمایا کہ ابھی ابھی میرے پاس جبرئیل آئے تھے وہ مجھے بتلا گئے ہیں کہ میرا فرزند حسینؑ شط فرات کے کنارے ایک ایسی زمین پر قتل ہوگا جس کا نام کربلا ہے پھر جبرئیل نے ایک مٹھی خاک کی اٹھائی اور مجھے سنگھائی بس مجھے دل پر قابو نہ رہا اور رونے لگا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

جب رسالت مآب اس واقعہ جانسوز پر قبل وقوع واقعہ رو دیے تو ہمارا رونا بعد وقوع کیونکر نامناسب ہو سکتا ہے اور پھر جبکہ رسالت مآب نے حث و ترغیب بھی کی ہے اور اس ماتم کو موجب ثواب بھی بتایا ہے

عن النبی صلعم من دمعت عیناہ لقتل الحسین ودمعۃ او قطرۃ بوأہ اللہ الجنۃ

رسول نے فرمایا کہ جس کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نکلا قتل حسینؑ کی وجہ سے یا ایک قطرہ بھی اشک کا ٹپک گیا تو خداوند عالم اس کو جنت میں جگہ دے گا۔

معلوم ہوا کہ امام حسینؑ پر رونا باعث دخول جنت ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ گریہ و زاری کرنا سید الشہداء کے غم میں عبادت سمجھا ہے کے علاوہ سر برہنہ ہونا اور بال بکھرانا اور پریشان ہونا یہ بھی رسالت مآب کے فعل سے ثابت ہے صحیح ترمذی میں ہے

ان ام سلمہ رأت النبی باکیاً وبراسہ ولحیتہ التراب فقال قتل الحسین انفا وکذٰلک رأہ ابن عباس نصف النہار اشعث اغبر وبیدہ قارورۃ فیہا دم یلتقطہ فقال دم الحسین واصحابہ لم ازل اتتبعہ منذ الیوم فنظر دہ فوجد ولقد قتل فی ذالک الیوم

ام سلمہ نے رسالت مآب کو خواب میں دیکھا کہ رو رہے ہیں اور آپ کے سر و ریش پر خاک ہے۔ ام سلمہ نے سبب پوچھا فرمایا ابھی ابھی حسینؑ قتل ہوئے ہیں اور اسی طرح ابن عباس نے دوپہر کے وقت خواب میں دیکھا کہ آپ ژولیدہ مو گرد آلود ہیں

ر ہاتھ میں ایک شیشہ ہے جس میں خون تازہ ہے ابن
س نے حالت دریافت کی فرمایا یہ خون حسینؓ اور اصحاب
ینؓ کا ہے میں آج اسکو جمع کرنے میں مشغول تھا لوگوں
ز بعد کو غور کیا تو وہی دن قتل امام حسینؓ کا تھا۔

اب رہا یہ امر کہ شیعہ تعزیہ۔ علم اور ذوالجناح
یرہ اور دیگر شبیہیں مرتب کرتے ہیں اور ان کی تعظیم
تے ہیں اس کے متعلق ہم ذرا تفصیل سے بحث کرنا چاہتے
کہا یہ جاتا ہے کہ یہ تمام چیزیں بدعت ہیں یعنی کہ
الت مآبؐ کے زمانہ میں ان کا پتہ نہ تھا لہذا ان کا بنانا
نز نہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے تصریح علمائے اہل سنت
عت واجب و مستحب و مباح بھی ہوتی ہے لہذا بدعت
نے سے یہ افعال ترک نہیں ہو سکتے صاحب بحر المذاہب
لکھا ہے۔

قال الشیخ الامام الملقب بسلطان العلماء ابو محمد
ن الحسن یز فی آخر کتاب القواعد البدعة منقسمة
واجبة ومحرمة ومندوبة ومکروهة ومباحة
طریق فی ذالک ان یعرض البدعة علی قواعد
شرع فان دخلت فی قواعد الایجاب فهی واجبة
فی قواعد التحریم فمحرمة او من الندب فمندوبة
کراهیة فمکروهة او الاباحة فمباحه

حاصل یہ ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں واجب اور
م اور مندوب اور مکروہ۔ اور مباح اور ضابطہ اس
سے ہے کہ بدعت کو قواعد شرع کے سامنے پیش کرنا چاہیے
ہ قواعد وجوب میں داخل ہو جائے تو واجب اور اگر قواعد
یم میں آئے تو حرام اور مستحب میں آئے تو مندوب اور
ہت میں آئے تو مباح ہے۔

پھر ہر ایک کی مثالیں دی ہیں بدعت واجب کی مثالیں علم
نحو کا سیکھنا کیونکہ یہ مقدمہ فہم کلام اللہ و حدیث ہے کہ
جو واجب ہے اور مقدمہ واجب ہوتا ہے اور اسی طرح
علم اصول فقہ اور بدعت محرم کی مثال مذہب قدریہ اور
جبریہ اور مرجیہ ہیں اور بدعت واجب ان مذاہب کی رد ہے
اور بدعت مندوب مدرسوں کا بنوانا اور ہر وہ امر خیر جو
زمانۂ رسول میں جاری نہ تھا اور (بقول ان کے) تراویح
اور دقائق تصوف میں کلام اور محافل کا جمع کرنا اور
مناظرہ کے لئے اور بدعت مکروہ کی بھی بہت سی مثالیں
ہیں مسجدوں میں نقش و نگار بنانا وغیرہ اور بدعت
مباح کی مثالیں بھی بہت ہیں جیسے بعد صبح و عصر مصافحہ
کرنا اور لذائذ میں وسعت دینا۔

یہ تھا ملخص عبارت بحر المذاہب کا

جب مدرسہ و خانقاہ کا بنانا باوجود بدعت ہونے کے
مستحب ہوا اور نماز تراویح بدعت ہونے پر بھی عبادت
ہوئی تو تعزیہ و ضریح کا بنانا بدعت ہونے کی وجہ سے
ناجائز کیوں ہو جائے؟ اور یہ کہنا کہ تعزیہ و ضریح کا بنانا
عمل صور مجسمہ میں داخل ہے کہ جو حرام ہے کئی وجہوں
سے مقدوح ہے

پہلے یہ کہ ذات الارواح چیزوں کی تصویر بنانا حرام
ہے نہ یہ کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانا چنانچہ صحیح
بخاری اور صحیح مسلم میں ہے

عن ابن عباس جاءه رجل فقال انی اصور
هذه الصور فافتنی فیها فقال له ادن منی
فدنی منه ثم قال ادن منی فدنا منه حتی وضع
یده علی راسه قال انبئك بما سمعت من رسول

صلی اللہ علیہ وسلم سمعت من رسول اللہ یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفساً تعذبہٗ فی جہنم قال ابن عباس فان کنت لابد فاعلاً فاصنع الشجر وما لا نفس لہ

ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کہ میں تصویر بناتا ہوں اس کے متعلق فتویٰ دیجیے ابن عباس نے اپنے قریب بلا کر کہا کہ میں نے رسالتمآب سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہر مصور جہنم میں ہوگا اور صورت کے عوض اس کے لئے ایک نفس قرار دیا جائیگا جو اس پر جہنم میں عذاب کریگا۔ پھر ابن عباس نے کہا کہ اگر تمکو تصویر بنانا ہی ہے تو درخت کی اور بے جان چیزوں کی تصویر بنایا کرو۔

معلوم ہوا کہ غیر جاندار چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ تعزیہ اور ضریح تصویر اور شبیہہ قبر امام حسین علیہ السلام کی ہوتی ہے نہ کسی جاندار شے کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر تصویر قبر کی بنانا ناجائز ہوتی تو کتب معتبرۂ اہل سنت میں تصویر قبور و تبرکات کے لئے کیوں بنی ہوئی ہوتی حالانکہ دلائل الخیرات میں روضۂ جناب رسالتمآبؐ و حضرات شیخین کی تصویر موجود ہے اور اس کے نیچے لکھا ہے:۔

ھذہ صفۃ الروضۃ المبارکۃ التی دفن فیھا رسول اللہ وصاحباہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھما روضۃ النبی صلعم ھکذا

شارح دلائل الخیرات نے اس کے تحت میں لکھا ہے "تنبیہ در ذکر شکل قبور شریفہ در اینجا فائدہ آنست کہ زیارت بکند این مثال را کسے کہ قدرت نیافتہ است بزیارت عین روضۂ مقدسہ و مشاہدہ بکند این شکل مبارک را محب و مشتاق و بوسہ زند بر آں از غایت محبت و بیفزاید شوق و خود را اکثر شوریدگان برائے این شکل مبارک خواص و برکات بسیار ذکر کردہ اند و تجربہ آوردہ اند" معلوم ہوا کہ جو شخص اس ضریح کی زیارت نہ کر سکے جس کے اندر اصل قبر رسالتمآبؐ ہے تو اس کی تصویر کی زیارت کرنا اجر و فائدہ ہے۔ پھر جو شخص زیارت قبر امام حسینؑ کا مشتاق ہو وہ اگر شبیہہ روضۂ مطہرہ بنا کے گریہ و زاری کرے تو کیا گناہ ہے؟ اور روضۃ الاحباب میں نعل جناب رسالتمآبؐ کی تصویر بنی ہوئی ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ "از جملہ آنچہ مجرب شدہ از برکات و تمثال این نعل شریف آنست کہ ہر کس کہ آنرا با خود دارد داد بادر میان خلق قبولے تمام باشد و البتہ پیغمبر را زیارت کند یا آں حضرت را در خواب بہ بیند و من کان فقد من آں اعتقاد این تمثال شریف در لشکرے کہ باشد نگریزند و ہزیمت نیابند از لشکر دشمن و عاقبت بر دشمن ظفر و نصرت یابند و در ہر قافلہ کہ باشد غارت نیابند و در ہر کشتی کہ باشد غرق نشود و در ہر متاعے کہ بود دزداں بر آں دست نیابند و توسل نجویند بصاحب آں در ہیچ حادثہ و ہیچ واقعہ و در ہیچ حاجتے الا آنکہ گذاردہ شود توسل نجویند در ہیچ خلیقۂ آں الا آنکہ فرج حاصل شود بحرمت رسول و تیمناً و تبرکات صورت آں تمثال بدیں کتاب کشیدہ تا ہر حاجت منفے کہ حاجت جوید حاصل گردد آں صورت این است"

اور کچھ اشعار بھی نقل کئے ہیں ؎

یا طالباً تمثال نعل نبینا
ھا قد وجدت الی اللقاء سبیلا
فاجعلہ فوق الراس اخضع دعتانی
وتنال فیہ وانلہ التقبیلا

ما یدری المحسب الصحیح فانه
یدری بطلعه ما یدل علیه دلیلا

عجیب تصویر نعل رسول کی تعظیم پر ان اشعار ترغیب دی گئی ہے تو تصویر قبر جگر گوشۂ رسولؐ تعظیم ہونے میں کیا کلام ہے

دوسرے یہ کہ کتب حضرات اہل سنت سے تو تصویر ذی روح کا بھی جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ ام المومنین کا فعل سے ثبت ہے جمع بین الصحیحین میں ہے۔

عن عائشہ قالت کنت العب بالبنات عند النبی وکانت لی صواحب یلعبن معی وکان رسول اللہ صلعم اذا دخل ینقمعن منه فیسربهن الیّ فیلعبن معی

حضرت عائشہ ناقل ہیں کہ میں رسالت مآبؐ کے سامنے گڑیوں سے کھیلتی تھی اور میری کچھ سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں اور رسالت مآب گھر میں جب آتے تو وہ جھجک جاتی تھیں تو رسالت مآب صلعم ان کو ارادہ کرتے تھے پھر وہ کھیلنے لگتی تھیں اور جامع الاصول میں ابوداؤد سے نقل ہے عن عائشہؓ قالت قدم رسول اللہ من غزوة تبوک او حنین وفی سہوتها ستر فهبت ریح فکشفت ناحیة الستر عن بنات عائشه فقال ما هذا یا عائشہ قالت بناتی ورای بینهن فرسا له جناحان من رقاع فقال ما هذا الذی علیه قالت جناحان قال فرس له جناحان قالت اما سمعت ان سلیمان خیلا لها اجنحة قالت فضحک حتی رایت نواجذه

رسالتمآب غزوۂ تبوک یا حنین سے پلٹے اور عائشہ کے طاق پر ایک پردہ آویزاں تھا دفعتاً ہوا چلی اور پردہ اڑا تو آپ کی نظر عائشہ کی گڑیوں پر پڑ گئی۔ پوچھا یہ کیا ہے عائشہ نے کہا میری گڑیاں ہیں اور رسالتمآب نے ان ہی گڑیوں میں ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو پر تھے فرمایا ان کے بیچ میں کیا ہے۔ عائشہ نے کہا گھوڑا تب پوچھا یہ اس کے اوپر کیا چیز ہے عرض کیا پر ہیں رسولؐ نے کہا گھوڑوں کے پر بھی ہوتے ہیں تو عائشہ نے جواب دیا کیا آپ نے نہیں سنا کہ سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر تھے یہ سننا تھا کہ رسالتمآب ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوئے

اس روایت سے تو شبیہ ذوالجناح کے اوپر بہت روشنی پڑتی ہے جواب رہ گئی یہ بحث کہ اچھا تعزیہ اور ضریح کا بنانا ناجائز سہی مگر تعزیہ و ضریح کی تعظیم کرنا اس کو بوسہ دینا اس سے اظہار خلوص کرنا کہاں تک درست ہے تو اس کے متعلق اتنا کافی ہے کہ جب اس کو نقل ضریح امامؑ مان لیا تو یہی نسبت اس کے قابل تعظیم بنا دیتی ہیں کافی ہے حدیث رسولؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل قبر والدین قابل تعظیم و تقبیل ہے پھر نقل قبر امام حسین کیونکر قابل تعظیم نہ ہوگی چنانچہ کفایہ شعبی اور قتادی غرائب و فتاوی عالمگیری ومطالب مومنین وخزانة الروایہ میں موجود ہے

لا باس بتقبیل قبر والدیه لان رجلا جاء الی النبی صلعم فقال یا رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة وجبهة حور العین فامر ان یقبل رجل الام وجبهة الاب قال یا رسول اللہ ان لم یکن ابوای حیین فقال قبل قبرهما قال فان لم اعرف قبرهما قال اخط خطین انوا حدهما قبر الام والاخر قبر الاب فقبلهما فلا تحنث فی یمینک

نقل یہ ہے کہ ایک شخص رسالت مآب کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ دروازہ جنت کی چوکھٹ اور پیشانی حورالعین پر بوسہ دوں گا آپ نے حکم

دیا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی پر بوسہ دے لے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میرے ابوین زندہ نہ ہوں ماں باپ کی قبر کو بوسہ دے لے۔ اسنے کہا کہ میں ان کی قبر کو نہیں پہچانتا۔ فرمایا دو خط کھینچ ایک کو قصد کرے کہ ماں کی قبر ہے۔ اور ایک کو قصد کرے کہ باپ کی قبر ہے۔ اور ان دونوں کو بوسہ دے لے۔ ایسا نہ ہو کہ تیری قسم رہ جائے اور ادا نہ ہو۔

سبحان اللہ والدین کی قبر کی نقل تو صرف انتساب سے قابل بوسہ ہو جائے اور امام کی نقل قبر قابل تعظیم نہ ہو۔

اس بیان سے بحمد اللہ اس کا ثبوت اچھی طرح ہو گیا کہ تعزیہ اور ضریح کا بنانا اور اس کی تعظیم کرنا یقیناً قابل منع نہیں ہے اسی وجہ سے منصف مزاج علمائے اہل سنت نے تعزیہ اور ضریح کو قابل تعظیم بتلایا ہے اور ان افعال کو جائز کہا ہے دو تین عبارتیں اس مقام پر ہدیۂ ناظرین ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ان کا قول بالکل تعصب پر مبنی ہے۔ مولوی سلامت علی بنارسی تبصرۃ العمل فرماتے ہیں۔

"شک نیست کہ امام باڑہ و نقل تربت شریف بعد مرتب شدن واجب التعظیم است"

اور مولوی عبد الواحد نبیرۂ بحر العلوم مولوی عبد العلی رسالۂ ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ در عہد صحابہ تابعین کتاب اللہ غیرہ معرب شدہ اجماع امت بر آں شد و بتواتر رسید و ہم چناں جمع کردن احادیث و تفسیر و فقہیات و چہار مصلے خانۂ کعبہ و تالیف صرف و نحو و غیرہا و اختراع بر آں گردید ہمچناں

مراسم تعزیہ داری جناب امام حسینؑ از صدہا سال جاری و مروج است و در زمان سلاطین اسلام و نیز بزمن مانند جلال الدین اکبرؒ و جہانگیرؒ و شاہجہانؒ و عالمگیرؒ اورنگ زیب وغیرہم کہ در تمامی ملک خود نافذ الامر کلی بودند۔ مراسم تعزیہ داری بوجہ احسن بتقدیم می رسید و نواب سعید اللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں عالم تبحر و قاضی القضاۃ مستعد خاں کلال .... کہ ہر ایک حنفی المذہب بودند و دیگر علمائے آں زماں اگر مراسم مذکورہ را خلاف شرع می پندا شتند بحضور سلاطین معروض ساختہ در تمامی ملک موقوف میگردانید بود کہ در سرکار بادشاہان اختیار کلی داشتند چہا دشاہان ہم متشرع بودند و یا بادشاہان مذکورین کہ متشرع بودند بذات خود ہا در تمامی ملک تحت حکومت خود ہا موقوف میکردند و در آں عہد عموماً و خصوصاً مروج بود و تا حال جاری است انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت جاری خواہد ماند و کسے از عوام و خواص تا حال انحراف ازاں نکردہ۔ دریں صورت تزویکہ آں با جماع امت نبی ثابت گشت و بتواتر رسید بمفاد حدیث شریف: تجتمع امتی علی الضلالۃ ہر چہ ایشاں بر آں اجماع کنند و اتفاق نمایند سراسر حق بود و پس دریں عصر اگر کسے انکار نماید و ایں مراسم را خلاف شرع و مکروہ داند خلاف اجماع امت و انکار از تواتر است و ایں معنی بموجب اصول فقہ نہایت ممنوع۔

اور ایک جگہ رسالہ میں رقم طراز ہیں و اینجانب از ثقات شنیدہ حضرت مولانا نظام الدین محمد قدس سرہ و مولوی مجید الدین محمد عرف مولوی مدن مرحوم و مولوی انوار الحق و مولوی نور الحق قدس سرہما و دیگر علمائے فرنگی محل و کلکتہ

مدراس وغیرہ از بلاد ہرگاہ تعزیہ شریف امام مظلوم علیہ السلام می دیدند ایستادہ می شدند ہر دو دست بطرف تعزیہ شریف دراز کردہ از بسیار خضوع و خشوع و عجز و انکسار فاتحہ میخواندند و اشد الاستغفار می فرمودند کہ تعظیم و فاتحہ امام مظلوم است زیراکہ تعزیہ شریف موسوم بنام نامی امام مظلوم است۔

اسی طرح ملا عبد الجلیل رازی نے جو بنا بر تصریح بعض اکابر اہل سنت سے تھے اپنی کتاب نقض الفضائح میں اس مطلب پر روشنی ڈالی ہے جس کی عبارت بخوف طول ترک کی جاتی ہے۔ علمائے اہلسنت کی ان عبارتوں سے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ تعزیہ داری کا روکنا صرف تعصب کا نتیجہ ہے۔

مبارک سفر

امسال حیدرآباد سے حج کے مبارک سفر پر جناب شیخ علی حسین صاحب سید اشفاق حسین صاحب اور عالیجناب ڈاکٹر شہنشاہ حسن صاحب زیدی انچارج شعبۂ فزیالوجی لیاقت میڈیکل کالج جامشورہ حیدرآباد تشریف لے گئے ہیں خداوند عالم ان حضرات کے اس فریضہ کو قبول فرماکر بخیر و عافیت واپس لائے۔ ادارہ المعرفۃ اس سعادت عظمیٰ کے حصول پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔ (ادارہ)

تنبیہ ربانی برائے نفس شیطانی

یا ایھا الذین آمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ج ومن یفعل ذالک فاولئک ھم الخسرون ہ وانفقوا مما رزقنٰکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الیٰ اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین ہ

سورہ منافقون

اے ایماندارو دیکھو مال واولاد کی محبت تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کردے (یعنی یہ مت سمجھنا کہ بس مال اولاد ہی تمہارے لئے کافی ہے۔ بلکہ اللہ کی بارگاہ میں پلٹ کر آنا ہے یہ چیزیں تو صرف دنیا کی ہنسی ہیں) جو کچھ تم نے تمکو دے رکھا ہے اس کو تجوریوں اور بنکوں میں بند کرکے مت رکھو بلکہ موت آنے سے پہلے خوب خوب خیرات کرو ایسا نہ ہوکہ مار سر گنج بنتے بیٹھے رہو اور موت کا فرشتہ سامنے دیکھ کر حسرت سے اس دولت کے ڈھیر کو دیکھ کر کہو کہ اے خدا تو مجھے اگر تھوڑی سی مہلت اور دیدے تو میں اس ساری دولت کو تیری راہ میں لٹا کر تیرے بندگان صالحین میں شامل ہوجاؤں مگر یاد رکھو کہ جب موت کا وقت آجاتا ہے تو اس میں کمی بیشی ہرگز ہرگز نہیں ہوتی لہٰذا آج کی فرصت کو غنیمت سمجھ کر اسی دولت سے آخرت کی راہ ہموار کرلو۔

مولا مرا علیؑ ہے

جذبات حضور شیخ المشائخ سیدنا سید علی حسین اشرفی جیلانی

بندہ ہوں میں علیؑ کا مولا مرا علیؑ ہے
ولی مرا علیؑ ہے آقا مرا علےؑ ہے

ہمنام ہے خدا کا محبوب ہے خدا کا
باشان کبریائیؑ نام خدا علیؑ ہے

محبوب حق کا پیارا سلطان مُنذرا
وہ مرتضیٰ علیؑ ہے وہ مرتضیٰ علیؑ ہے

غواص بحر عرفاں خضر راہ ایماں
حق سے ملانے والا ہادی مرا علےؑ ہے

دید علیؑ عبادت ذکر علےؑ عبادت
کیا شان ہے علیؑ کی کیا مرتضیٰ علیؑ ہے

اقطاب و غوث عالم در کے گدا ہیں جس کے
وہ شاہ کشور دیں صدر العلےٰ علیؑ ہے

مضمون لحمک سے یہ راز ہم نے جانا
خود شان مصطفائی اصل علیؑ علیؑ ہے

سیاف شاہ صفدر وہ حامی پیمبرؐ
ہر جنگ میں دلاور شیر خدا علیؑ ہے

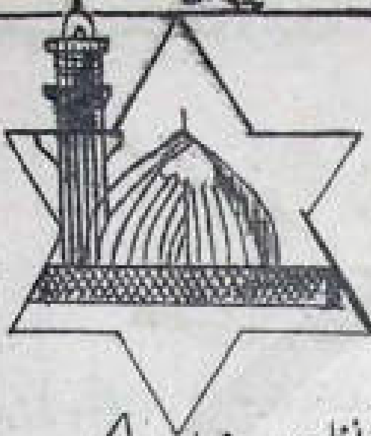
اول میں بھی علیؑ ہے آخر میں بھی علیؑ ہے
ظاہر میں بھی علیؑ ہے سر خفا علیؑ ہے

یعسوب دیں علیؑ ہے عین الیقیں علیؑ ہے
حبل المتیں علیؑ ہے مظہر نما علےؑ ہے

جو پھر گیا علیؑ سے وہ پھر گیا نبیؐ سے
نفس رسولؐ اکرم شان خدا علیؑ ہے

کیوں ہو گیا ہے درماں ہوتے ہوئے دل پریشاں
دارین میں ہمارا حاجت روا علیؑ ہے

نرغہ میں ظالموں کے پھنس کر بھی اشرفیؔ تو
گھبرائیو نہ دل میں حامی ترا علےؑ ہے



حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم

از تکمیل رضوی کشمیری محلہ لکھنؤ

نہیں میں طالب لعل و گہر حبیب خدا
متاع عشق ہے پیش نظر حبیب خدا

میں چاہتا ہوں یونہی زندگی گذر جائے
مری جبیں ہو ترا سنگ در حبیب خدا

زمانہ بھر کی مسرت اسے میسر ہو
کرم کی ڈالدو جس پر نظر حبیب خدا

ظہور آج تمہارے یہاں بھی ہو جائے
اسی لئے تو سجایا ہے گھر حبیب خدا

جہاں بھی نام تمہارا زباں پہ آتا ہے
خلوص دل سے جھکاتا ہوں سر حبیب خدا

ہے التجا یہ سمجھ کر کہ ہو لئے تری دامن
مری طرف بھی کرم کی نظر حبیب خدا

فلک کے آئینہ خانہ میں جس طرف دیکھو
ادھر حبیب خدا ہیں ادھر حبیب خدا

وہ دیکھے جس کی نظر کو ہو معرفت حاصل
ہر ایک جلوے میں ہے جلوہ گر حبیب خدا

مدینہ کس طرح پہنچوں تمہارے تصدق میں
نہیں ہیں پاس مرے بال و پر حبیب خدا

زمانہ کفر در آغوش ہوتا جاتا ہے
نظام دہر ہے زیر و زبر حبیب خدا

جہاں ملیں گے ترے نقش پا کہو تکمیل
میں ڈھونڈتا ہوں وہی رہگذر حبیب خدا

حکیم سید محمود گیلانی

کیا مردے بولتے ہیں؟

•• تکلّمِ موتیٰ کا ایک طبّی، سائنسی اور مذہبی جائزہ!

کے۔ جی۔ لیگان۔ فرانس کے ایک مذہبی رہنما کی لاش تختے پر پڑی ہے لوگوں کا ہجوم اس کے گرد جمع ہے جنازہ اٹھنے کو تیار۔ متوفی کے متعلقین بہت دوست احباب آہ و بکا میں مصروف ہیں۔

ایک نوجوان بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور لاٹ پادری سے کہنے لگا۔ "حضور اجازت ہو تو میں اپنے باپ سے چند باتیں کر لوں؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو" پادری نے پوچھا۔

حضور ایک دستاویز کے متعلق پوچھنا ہے کہ کہاں رکھی ہے آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد بیمار پڑتے ہی بیہوش ہو گئے تھے انھیں آخر دم تک ہوش نہ آسکا اور ہم اس بیش قیمت دستاویز کی نسبت کچھ دریافت نہ کر سکے۔"

نوجوان نے جواب دیا۔

یہ سن کر پادری کسی سوچ میں پڑ گیا کافی تامل کے بعد اس نے کہا۔ مردے کا بولنا ایک غیر یقینی بات ہے تاہم کوشش کر دیکھو ممکن ہے کامیاب ہو جاؤ ہاں بلاؤ اپنے باپ کو کنواری مریم مقدس مسیح اور روح القدس کے نام لے کر بلاؤ۔

اب نوجوان لاش کے قریب تھا اس نے تثلیث کا ورد کر کے اپنے فوت شدہ والد سے یوں خطاب کیا

پیارے باپ! خوب جانتا ہوں کہ مردے بول نہیں سکتے مگر آپ خدا کے لئے اس پاک یسوع کے واسطے سے بولئے جو صلیب پر چڑھ کر مرا۔ مر کر زندہ ہوا اور زندہ ہو کر بولنے لگا۔ آپ مریم اور یسوع اور روح القدس کے نام پر بتائیے کہ وہ دستاویز جو وزیر اعظم نے شہنشاہ فرانس کی طرف سے تم کو دی تھی آپ نے کہاں رکھدی ہے؟ اگر وہ دستیاب نہ ہوئی تو فرانس کی پنچی بھی قوم خطرے میں پڑ جائیگی۔ عیسائیت کو شدید نقصان پہونچے گا اور ہماری عبادت گاہیں محفوظ نہ رہ سکیں گی

ہجوم کی ٹکٹکی لاش پر اور نوجوان پر لگی ہوئی تھی۔ ہر شخص دونوں کو حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے میت کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلنے لگیں ہونٹوں میں جنبش پیدا ہوئی زبان حرکت میں آئی اور یوں جواب ملا

بیٹا کیلنگ! اندیشہ نہ کرو وہ دستاویز چاندی کی ڈبیہ میں بند کر کے ریڈنگ روم میں دفن کی ہوئی ہے اس کے نیچے چند اینٹیں اکھیڑ کر مٹی کو کھودو دستاویز والی ڈبیہ مل جائیگی

اس تجربے کے بعد اتفاقی طور پر لاش کا طبی ملاحظہ لازمی ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے اپنی رپورٹ میں میت کے میڈیکل انسپکشن سے صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ مرنے کے بعد

اس کے جسم میں دوبارہ کوئی قوت یا کوئی روح عود کر آئی تھی جس نے اس میں بولنے کی طاقت پیدا کردی مگر اصل حقیقت خدا ہی جانتا ہے

پروفیسر ٹی الیف ایڈورڈ کی کتاب ٹیلز فرام فرانسس کریٹش مطبوعہ لندن ۱۹۱۲ء میں لکھا ہے۔ (ص ۱۵۱) کا یہ واقعہ کتنا ہی تحیر خیز اور تعجب انگیز ہو اور کتنے ہی انسانوں نے اس حقیقت سے انکار کر دیا ہو اور اس کے ساتھ لاتعداد انسان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ایسے بھی ہیں جو آج تک یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ واقعہ چاہے کیسی ہی پوزیشن میں ہو لیکن میڈیکل سائنس کی جدید تحقیقات اور تازہ ترین تھیوریاں یہ ثابت کرتی ہیں کہ مردہ خاص روحانی اور جسمانی تغیرات کے ماتحت قوت گویائی پا سکتا ہے۔ اس لئے کہ از روئے سائنس یہ نظریہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ انسان مر جاتا ہے۔ مگر اس کی روح زندہ رہتی ہے انسان ختم ہو جاتا ہے مگر اس کا "کلام" ختم نہیں ہوتا ہے انسان کا گوشت پوست ہڈی سب کچھ خاک ہو سکتا ہے لیکن اس کی زندگی کی گفتگوئیں قائم و دائم رہتی ہیں یہاں تک کہ انسان فنا ہو جاتا ہے مگر اس کا نقش اور عکس فضا کے گھیروں میں محفوظ رہتا ہے"!

یہود کا حصار مرصوص۔ قلعۂ قموص، فتح نہیں ہو رہا تھا اسلام کے شہ زور مجاہدین نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا قوت و شجاعت کے لاکھوں جوہر دکھلائے، لیکن ٹوٹنا تو درکنار اس کی دیوار سے چونا بھی نہ اکھڑ سکا، یہ دیکھ کر زبان نبوت نے اعلان فرمایا کل صبح علَم اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا جو قلعہ کو توڑ کر ہی لوٹے گا۔ یہ کہہ کر رسولؐ نے اپنے نائبؑ کو آواز دی "یا علیؑ! آؤ فوراً پہنچو۔ تمہارے بغیر حصار یہود ٹوٹ نہیں سکتا"

ندائے رسالتؐ، آواز کی رفتار سے پیشتر مدینہ پہونچ کے علیؑ چشم بیمار پر دہ گوش سے ٹکرائی۔ مدینہ کتنا ہی دور رہی یہاں بعد و قرب کا سوال نہیں۔ اعجاز محمدیؐ اور کرشمۂ حیدریؑ کا سوال ہے۔ کہ آواز رسولؐ طرفۃ العین سے قبل علیؑ کے پاس پہنچی اور علیؑ چشم زدن سے پہلے خیبر میں پہونچ گئے سائنس نے اور اس کی پرستش کرنے والوں نے یوں کہئے کہ باطل کی پوجا کرنے والوں نے، اس واقعہ کو جھٹلایا اور دونوں ہی باتوں کو ماننے سے انکار کر دیا کہ نہ تو کوئی انسانی آواز برق رفتاری سے کوسوں دور پہنچ سکتی ہے نہ کوئی انسان اتنی مسافت سائنسی آلات کے بغیر طے کر سکتا ہے۔

لیکن وائرلیس اور ریڈیو کی ایجاد نے جہاں سائنس کی کو جھوٹے اور نگے پیرے جھٹلایا۔ وہاں اہل ایمان کے ایقان کو اور بھی مضبوط کیا۔

اور ٹیلی ویژن کی اختراع سے اگر اس کے موجد کے ہر فرد پر ایک اور شیطان سوار ہو گیا تو دین حق کے پرستاروں نے یہ روح پرور نعرہ لگایا کہ:-

"ریڈیو اور وائرلیس میں آواز نبیؐ کی آواز سے پہلے نہیں پہنچ سکتی، اور ٹیلی ویژن میں آنے والے عکس علیؑ کی رفتار سے تیز نہیں ہو سکتے!

اکثر حضرات کو معلوم ہوگا۔ کہ سائنس اب اس سے بھی کئی قدم آگے بڑھ رہی ہے۔ ریڈیو وائرلیس اور ٹیلی ویژن کے موجد اب اس کوشش میں مصروف ہیں کہ آدم تا ایں دم جس قدر انسان دنیا سے گذر چکے ہیں ان سب کی آوازیں اور سب کی شکلیں جو فضا کے بسیط میں موجود ہیں ان کو برقی ایتھری آلات کی مدد سے لہریں پکڑ نے دیکھنے اور سننے

کے تجربے ہو رہے ہیں۔ بلادِ مغرب کے محکمہ ڈیولپمنٹ آف سائنس اینڈ کیمسٹری کے جرائد کے مطالعہ سے اس قسم کے تجربات کرنے والوں کا یہ دعویٰ سامنے آتا ہے کہ سنہ ۲۰۰۰ء تک ایسی مشینیں معرض وجود میں آجائیں گی جن پر مرے ہوئے انسانوں کی گفتگو سنی اور ان کی صورتیں دیکھی جاسکیں گی

ادھر مغرب کی "میڈیکل سائنس" بھی خاموش نہیں رہ گئی یہ اعلان کر رہی ہے کہ۔ آئندہ چند سالوں تک جوہری توانائی، یا دوسری "کیمو سائنٹی ٹک" قوتوں کے ذریعہ کسی تازہ مرے ہوئے آدمی میں حس وحرکت پیدا کر لیا اس سے چند لمحوں کے لئے باتیں کرنا ممکن ہو جائیگا

سترھویں صدی عیسوی کا ایک پرانا واقعہ کہ ایک ملاش نے اپنے بیٹے سے باتیں کی تھیں آپ نے پڑھ لیا اس قسم کے واقعات اور پرانے واقعات اس عہد جدید میں شاید کہ درخور اعتنا نہ ہوں۔ لہٰذا وہ ایک تازہ واقعہ ملاحظہ کیجئے:۔ "سٹیفن نامی ایک شخص مانچسٹر میں اچانک وفات پا گیا وہ بڑی جائیداد کا مالک تھا لیکن مرگ ناگہانی نے اسے وصیت کا موقع نہ دیا اس کے وارث بہت گھبرائے ان میں سے ایک فوراً شاہی ڈاکٹروں کی انجمن کی طرف بھاگا۔ اور کہا کہ سٹیفن کو مرے ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا ہے اور یہ صورت حال ہے۔ اگر کوئی چارہ چلتا ہے تو چلاؤ سب ڈاکٹر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ آخر ڈاکٹر ہربرٹ نے ہامی بھری اس نے فوراً اپنا سامان درست کیا اور اس شخص کے ساتھ متوفی کے گھر جا پہنچا۔ جاتے ہی لاش کی رگ میں ٹیکے کی پچکاری ٹھونس دی اور کوئی دوا جتنی مقدار سے چار گنا زیادہ داخل کر دی۔ کوئی پندرہ منٹ بعد لاش سے ذرا سی حرکت پیدا ہوئی ڈاکٹر نے ایک اور دوا کا حرام مغز میں انجکشن کر دیا مردے نے پہلے تتلاتی ہوئی زبان میں اور پھر صاف الفاظ میں گفتگو کی۔ ڈاکٹر نے کہا جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔ یہ صرف ۲۰ منٹ تک زندہ رہ سکے گا۔ وارثوں نے جائیداد اور دوسری باتوں کے متعلق مر... سے وصیت کرالی۔ یہ میت کوئی آدھ گھنٹہ تک بولنے کے بعد خاموش ہو گئی۔" (رسالہ "کیمیکل جرنل" لندن بابت ماہ مارچ ۱۹۳۵ء بحوالہ مانچسٹر گارجین)

یہ تو بھلا "ٹیکے" کے ذریعہ مردے سے باتیں کرانے کا واقعہ ہے۔ ایک اور لیجئے! پچھلے دنوں بھارت کے کسی قصبہ بنسی پور میں ایک شخص سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہو گی...

اس پر بھارتی اخبارات نے یہ خبر شائع کی

"گوالیار ۸ جولائی قصبہ بنسی پور سے آنے والی ا... خبر میں بتایا گیا ہے کہ وہاں سیتارام نام کا ایک آدمی کچھ بہت ہی زہریلے سانپ کے کاٹنے سے مر گیا۔ اس کے مر... پر اس کے رشتہ داروں کو بلایا گیا۔ چنانچہ اس کی لڑکی... آئی اور اس نے بین کر کر کے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ وہ اپ... باپ کی لاش پر اسی طرح زور شور سے بین کر رہی تھی کہ میت بول اٹھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لاش سے کچھ اس قسم کی آوازیں آنے لگیں۔ میری پیاری بیٹی! چپ کر... شور نہ مچا سب کو ایک دن مرنا ہے افسوس کہ میں اچانک مر گیا اور تیری کچھ سیوا نہ کر سکا جا پچھم والی کو... میں برتنوں کی قطار کے پاس میں نے تین ہزار روپے میں دبا رکھے ہیں۔ ان کو نکال کر اپنے کام میں لا یہ صرف... مال ہے۔"

مردے کو چپ ہونے کے بعد لڑکی نے اس ج... کریدا تو واقعی روپیہ برآمد ہو گیا۔ اس واقعہ سے ا... میں طرح طرح کے چرچے ہو رہے ہیں۔"

(اخبار دیش دہلی ۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء)

اس قسم کے واقعات جب کتابوں، رسالوں اور اخباروں میں چھپتے ہیں تو لوگوں کی اکثریت کسی تعرض کے بغیر ان کو درست مان لیتی اور بلا تحقیق تصدیق ان کی صداقت پر ایمان لے آتی ہے لیکن کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اگر ایسی ہی روایات انبیاء، اولیاء، اور شہداء کے متعلق ملیں کہ وہ بھی ضرورت کے وقت بولتے اور لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں تو صاف انکار کر دیا جاتا ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ اس قسم کی باتیں سنت الٰہی اور آئین ایزدی کے خلاف ہیں۔

اللہ کے حبیبوں اور بزرگوں کے تکلم سے منکر ہونے والے وہی لوگ ہیں جو انہیں مردہ تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ معصومین بھی عام خاکی انسانوں کی طرح مر کر پیوند زمین ہو چکے ہیں اب نہ وہ بول سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں گویا ان کے عقیدہ و خیال میں دوستان خدا تمام روحانی اور جسمانی قوتیں سلب شدہ ہیں اور اب وہ کسی قسم کی طاقت و توانائی نہیں رکھتے! اور انکی تو اس کی "تردید" جیسی سائنس اور علوم جدید کا سہارا لیا جا رہا ہے یہ اور بھی حیرت ناک معاملہ ہے۔ سائنسی علوم' اپنے تجربات و کرشمات" سے جو برقی توانائی کے ذریعہ انسانوں کو چنگی بھر راکھ بننے کو بچنے انہیں دوبارہ زندہ کر سکتے اور چلتے پھرتے بولتے چالتے انسان بنا سکتے ہیں مگر وہ خدا کے محبوبوں کے ہر معجزہ، ہر کرشمہ۔ ہر کرامات پر نفی میں سر ہلاتے ہیں

اور عوام کو اس کے انکار پر مجبور کرتے ہیں۔

کاش! کہ یہ سائنسی علوم اور ان کے ناعاقبت شناس موجدین اور محسنین اپنے پیش رؤں کے احوال اور ان کے انجام و عواقب سے عبرت پکڑتیں۔ تاریخ پر نظر رکھنے والوں سے مخفی نہیں کہ امم قدیمہ میں یونان، مصر اور کلدانیہ (بابل) کے سائنسی علوم اور طبیعاتی فنون انتہائی عروج پر پہنچ چکے تھے وہ بھی انسانوں کو خدا، محبوبان خدا اور دین خدا سے دور رکھنے میں کچھ مدت کے لئے کامیاب ہوئے لیکن آخر خالق اکبر کی غیرت جوش میں آئی اور سائنس اپنے جملہ موجدین سمیت حرف غلط کی طرح مٹ گئی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت۔ اس کے علم و کلام اس کے دین و آئین سے مقابلہ و بغاوت کے بغیر۔ اور آباؤ استکبار، سرتابی اور روگردانی سے کنارہ کش رہ کر اگر انسان ضعیف البیان علوم جدیدہ کی روشنی میں اس کے نوروں کے انوار و تجلیات کو دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کرے تو ریڈیو وائرلیس ٹیلی ویژن سے لیکر ایٹم اور ہائیڈروجن بموں تک انکی زبردست روحانی اور رحمانی قوتوں کی شہادتیں دینے لگے یہ تو بھلا انسانی تخلیقات ہیں عقل و بصیرت تو سمجھنے والے حجر و صخر، اشجار و اثمار، برگ و گل دشت و چمن کوہ و دمن بحر و بر ہر چیز میں اس کے جلوے دیکھتے اور ان سے ایمان و ایقان کو مضبوط بناتے ہیں لیکن وہ باغی و تاغی انسان جو اپنے عصیان و عدوان کی وجہ سے ظلوماً۔ جہولاً۔ کفوراً۔ اپنے خدائی عتاب پا چکا ہے۔ اللہ اور اس کے محبوبوں کی ہر بات کا مذاق اڑاتا ہے اور ذرا خوف نہیں کھاتا کہ اگر خدا کے قہار و جبار اور اس کے دوستان والا تبار کی نگاہیں پھر گئیں تو ایسے انسان کی پوری کی پوری عاقبت دوزخ کے شعلے بن جائیگی

یہ دیکھئے کہ خدائے کریم اور اس کے نوروں کا اعجاز و کرشمہ کہ اغیار و کفار بھی ان کی بے پناہ قوتوں کے معترف ہیں۔ چنانچہ امریکی سائنسدان ڈوونف کہتا ہے کہ خدا کی کچھ برگزیدہ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو خدائی طاقتیں رکھتی ہیں وہ آج اگرچہ دنیا میں ظاہر طور پر موجود نہیں اور عام انسانوں کو نظر نہیں آتے ہیں۔ مگر ان کی روحیں اور قوتیں برابر موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ از روئے سائنس بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عظیم ہستیاں ظاہری موت کے بعد بھی روح اور قوت بدستور رکھتی ہیں۔ سنتی ہیں اور دیکھتی ہیں۔ وہ ہستیاں صرف مریمؑ اور مسیحؑ ہی نہیں کچھ اور بھی ہیں جن کی تخلیق خدا کے نور سے ہوئی ہے۔ (رسالہ انجیل گزٹ شکاگو۔ فروری ۱۹۵۳ء)

حضور معصومین مقدسین علیہم السلام اجمعین کی حیات روح اور حیات جسم کی تفصیل میں پڑنا تحصیل حاصل ہے اس لئے کہ فرمودات خدا میں ارشادات رسولؐ میں اور تعلیمات آئمہؑ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں کہ اولیاء اللہ اور شہداء اللہ ازبسکہ مردہ نہیں زندہ ہیں وہ حیات جاوید کے سرمایہ دار ہیں اسی لئے وہ قوت ناطقہ بھی رکھتے ہیں وہ نہ صرف سلام و صلوٰۃ ہی کا جواب دیتے ہیں بلکہ یعنی حسب منشاء اور حسب ضرورت اشخاص متعلقہ سے گفتگو بھی فرماتے ہیں۔ روضۂ اطہر بارگاہ حیدریؑ اور درگاہ حسینیؑ کے زائرین میں سے کئی خوش نصیبوں نے اللہ کے نوروں کی آوازیں سنی ہیں جس کے شواہد اسوقت بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔

تاریخ اسلام خود ایسے واقعات سے لبریز ہے ابھی حال ہی میں غزوہ احد کے ایک مجاہد مصعب بن عمیر کے حالات اخبار میں چھپے ہیں جس سے شہداء کے تکلم کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

خاتمۂ جنگ پر سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام مصعبؓ کی لاش پر تشریف لائے پھر لاش کو مخاطب کر کے یوں فر[مایا] ہی سے تم کو مکہ میں دیکھا ہے جہاں تم سے کوئی خو[بصورت] اور خوش لباس نہ تھا۔ مصعب! آج کیا ہو گیا ہے [سر] پر گرد پڑی ہے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف [ایک] چادر ہے۔ بے شک اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم شہداء قیامت کے دن جناب الٰہی میں حاضر رہو گے پھر صحا[بہ] سے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ان شہیدوں [کی] زیارت کرو ان پر سلام بھیجو قسم ہے خدا کی قیامت تک جو شخ[ص] سلام بھیجے گا یہ اس کا جواب دیں گے۔ (بحوالہ روزنامہ کوہستان جلد ۷ شمارہ ۳۰۰۳ مورخہ ۴ مارچ ۱۹۶۳ء)

مندرجہ عبارت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) میت کو مخاطب کرنا جائز ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں [کہ] لاش سے خطاب کرنا جائز نہیں۔ رسول اللہ کے ارشاد [سے] اس کی تردید ہو گئی۔ بلکہ یہ جواز بھی مل گیا کہ شہداء کرا[م] کو بھی مخاطب کیا جا سکتا ہے کیونکہ جو شہید ان میں اس[ے] فرما رہے ہیں وہ زندہ ہیں۔ زندہ جاوید!

(۲) شہداء پر سلام بھیجا جائے تو وہ بگوش خود اس کو سنتے ہیں اور نہ صرف خاموشی سے سن ہی لیتے ہیں بلکہ زبان سے اس کا جواب بھی دیتے ہیں اس سے تکلم شہداء ثابت ہوا۔!

اس موقع پر مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا غالباً [قارئین] کرام جانتے ہوں گے کہ یہ گنہگار ۲۵ برس تک مسلک [اہل] حدیث پر کاربند رہا اور ۲۴ سال تو اہل حدیث جرائد [کی] ادارت میرے ہاتھ میں رہی۔ چنانچہ اخبار "[...]" سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ کے مدیر معاون کی حیثیت۔

ف اس کے لئے ایڈیٹوریل شذرات اور دوسرے
گون مضامین لکھتا۔ بلکہ اس کے پہلے صفحہ کے لئے
رس حدیث" بھی التزاماً لکھا کرتا۔ ایک مذکورہ عنوان
نے کوئی حدیث منتخب کرنا تھی اور میں ایک کتاب کی
ق گردانی کر رہا تھا۔ کہ ایک عجیب و غریب حدیث
نے آگئی جس کا مطلب یہ ہے کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فرماتے ہیں جب اس دنیا سے اٹھ جاؤں تو اللہ
اپنے کچھ فرشتوں کو مقرر فرمائیگا۔ اس کام کے لئے !
شخص جہاں کہیں بھی مجھ پر درود و سلام بھیجے گا وہ فرشتے
کا درود و سلام مجھے پہنچائیں گے۔ اور صلوٰۃ و سلام
ھنے والے کے نام، ولدیت و سکونت سے بھی مجھے آگاہ
یں گے۔ اور میں اس کا جواب دوں گا۔ لیکن جو شخص خود
میری قبر پر حاضر ہو کر مجھ پر درود و سلام بھیجے گا وہ
شتوں کا محتاج نہ ہوگا کہ وہ اس کو مجھ تک پہنچائیں بلکہ
درود و سلام میں خود اپنے کانوں سے سنوں گا
ر اس کا اسی وقت جواب بھی دوں گا۔

تو صاحب یہ حدیث پڑھنے کی دیر تھی کہ غیر اختیاری
ر پر میرے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا۔ میں آنکھیں بند کر کے
ھیے پر ہاتھ رکھ کے کسی گہری۔ بہت ہی گہری سوچ میں پڑ
۔ کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ رسول تو میرے عقیدے میں
ھا کی بشر، ایک عام سی انسان۔ جو عام آدمیوں کی طرح
نیا میں پیدا ہوا۔ اپنا فرض ادا کر کے مرگیا۔ اس کی لاش
دستی کھا گئی۔ مگر مرنے اور دفن ہو کر خاک میں مل جانے
ے بعد اس میں یہ طاقت کہاں سے آگئی۔ کہ فرشتوں
ے ذریعہ لوگوں کے درود و سلام سنے۔ اور ان کے
اب دے اب بھی تو نہ وہ مکان رکھتا ہے نہ زبان۔ پھر
ر سننا اور بولنا کس طرح ہے؟ تعجب پہ تعجب یہ کہ دوسرے
مقامات کے لوگوں کے درود و سلام تو اس کو فرشتے پہنچاتے
ہیں لیکن جب مدینہ میں اس رسول کی قبر پر جا کر درود و سلام
پڑھا جائے تو وہ بذات خود اور بگوش خود سنتا اور بزبان
خود اس کا جواب دیتا ہے۔ خداوندا یہ کیا راز ہے؟ جو ایک
مردہ جسم میں سماع و نطق کی قوت کیسے آسکتی ہے۔ پھر اے
میرے مالک! یہ بات تو اور بھی حیران کن ہے۔ کہ ہمارا رسول
درود و سلام تو سن لیتا اور اس کا جواب بھی دیتا ہے مگر
اور کسی قسم کی دعا، فریاد، پکار، نہ سن سکتا ہے نہ جواب دے
سکتا ہے۔ نہ امداد کو پہنچ سکتا ہے اگر اس کے کان ہیں
تو چاہیے کہ ہر قسم کی باتیں سن سکے۔ اگر اس کی زبان
ہے تو لازم ہے کہ وہ دعا، فریاد، چیخ پکار کا جواب دے سکے"

میں بڑی دیر تک اسی سوچ بچار میں پڑا رہا۔ اس
روز میں نے درس میں یہ حدیث نہ لکھی کوئی اور رکھ دی۔

لیکن سچ پوچھئے۔ تو رسول اللہ کی "بشریت" اس حدیث
نے اسی دن توڑ کر رکھ دی۔ اور میں اہلحدیث ہونے کے باوجود
حضورؐ کی نورانیت کا قائل ہو گیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ہمارے پیغمبر اعظم نور
خدا محمد مصطفےٰ کا زندہ اعجاز دیکھئے۔ کہ اس واقعہ کچھ
عرصہ بعد ایک دفعہ میں اپنی علالت کی وجہ سے مضمون نہ لکھ سکا
تو اخبار "اہلحدیث" کے دوسرے ایڈیٹر مولوی حافظ محمد یوسف
نے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث لے کر درس حدیث لکھ دیا۔ یوں
سمجھئے کہ قدرت حق نے رسول کی زندگی۔ سماعت اور گویائی
کا ثبوت ایک اہل حدیث سے لینے کے لئے اس سے لکھوا لیا۔ اس
کا اقتباس آپ بھی پڑھ لیجئے۔

اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنَ مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ (نسائی۔ دارمی)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین

میں چلتے پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ پر پہنچاتے رہتے ہیں۔

تشریح:- یہ فرمان مقدس جناب نبی اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمودہ ہے جو سو فیصدی درست ہے اور اس میں ریب و شک کی ذرہ بھر گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ عقل اور نقل کے عین مطابق ہے۔ ہر حکومت کی پولیس اور ملٹری ہوا کرتی ہے۔ بغیر ان فورسز کے سلطنات چلنے محال ہیں۔ انسانی سلطنتیں لامحالہ ان طاقتوں کی محتاج ہیں۔ خدا کی بھی ایک حکومت ہے اور اتنی زبردست سلطنت کہ دیدنی و شنیدنی سے باہر ہے اور قوت ادراک اس مملکت کے تصور فہم سے بھی عاجز ہے گو خدائے ذوالجلال یگانہ تنہا ہی تمام امور کو سرانجام دے سکتے ہیں اور وہ اعانت و کمک سے بے نیاز اور مستغنی ہیں۔ تاہم انسان ایسی اسباب و ذرائع کی جکڑ بندیوں میں محصور اور محتاج ہستیوں کے ناطے اس نے اپنی ایک غیر مرئی فوج ظفر موج کا انتظام بھی کر رکھا ہے جس کا نام ملائکہ عظام یا فرشتگان کرام ہے۔ خدا نے اپنی تمام افواج میں سے فرشتوں کی فوج کو مختلف امور تفویض فرمائے ہوئے ہیں چنانچہ متنوع اور مفوض امور میں سے ایک ضروری امر یہ ہے جس پر اس فوج کا ایک ڈویژن مقرر ہے کہ روئے زمین میں جو شخص جہاں بھی ان گنتی دستوں کو درود و سلام میں محو اور منہمک نظر آتا ہے تو فرشتے اس کے گفت و فرستادہ ہدیہ درود کو فوراً اخذ کرتے اور بطور امانت مکتوب الیہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ جب وقت یہ ملائکہ درود و سلام لیکر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے راحت کدہ پر پہنچتے ہیں تو اس ہدیہ کے بھیجنے والے کا نام مع ولدیت پیش کرتے ہیں۔

سید الکونین علیہ السلام کے قوی شعور نطق میں حرکت و برکت پیدا ہوتی ہے اور آپ اس محسن کے احسان کا بدلہ چکانے کیلئے اسکے درود و سلام کا جواب دیتے ہیں۔" ابلاغ سلام کا یہ طریقہ ترسیل تو ان خوش بختوں کے لئے ہے جو روئے ارض کے مختلف اقطار و بلاد یا صحرا و امصار میں تشریف فرما ہیں مگر جو بہت سے وسعت افزا و مالی انفاق سے حضور صلعم کی آرام گاہ مدینہ طیبہ پر خود شرف حاضری حاصل کرتے اور ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں انکے لئے ملائکہ کا یہ توسل غیر ضروری ہے حوار اقدس پر پیش کردہ سلام بحکم الٰہی حضور خود سنتے اور جواب عنایت فرماتے ہیں۔

(ملخصاً) ملاحظہ ہو۔ اخبار "الحدیث" مسعودہ ضلع گوجرانوالہ جلد ۱۱ نمبر ۳۲ - بابتہ ۱۸ صفر ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۵۹ء صفحہ اول۔

مذکورہ درس حدیث پڑھنے کے بعد یہ استعجاب بالائے طاق رکھئے کہ جناب سید الانبیاء محبوب خدا صلعم دور کے مقامات کے بسنے والوں کے درود و سلام تو خود نہیں سن سکتے صرف فرشتوں کے توسط سے سنتے اور جواب دیتے ہیں مگر حضور کے روضہ انور پر حاضر ہوکر جو لوگ درود و سلام عرض کرتے ہیں حضور بہ نفس نفیس اس کو سماعت کرتے اور اس کا جواب ارشاد فرما دیتے ہیں۔ اور اس بحر کو بھی ذہن میں رہنے دیجئے کہ جناب رسالت مآب صرف درود و سلام ہی سن سکتے اور اس کا جواب دے سکتے ہیں اور کوئی بات نہ سن سکتے ہیں نہ اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ آپ ایک اہلحدیث کے قلم سے لکھی ہوئی مندرجہ عبارت میں صرف یہ دیکھئے کہ اس میں ایچ پیچ ڈال کر دبی زبان سے یہ اقرار کر لیا گیا ہے کہ:-

(۱) حضور سید الکونین روحاً و جسماً قبر انور میں زندہ ہیں
(۲) آپ شعور نطق رکھتے ہیں، سنتے ہیں اور بولتے ہیں (۳) اور درود و سلام کی خود سماعت فرماتے اور اس کا جواب دیتے ہیں

لیجئے! نور خدا کو خاکی بشر اور عنصری انسان ماننے والوں کے الفاظ نے خود حضورؐ کو "بشریت" سے نکال کر نور میں داخل کر دیا۔ سبحان اللہ! کیسا اعجاز ہے ہمارے پیغمبر اعظمؐ کا کہ نبی کو "مردہ" کہنے والوں کی زبان نے اس کی حیاتِ جاوید کا اقرار کر لیا اور اس کی تمام طاقتیں تسلیم کر لیں۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ؟

اسی طرح صحاح ستہ اور بعض دوسری کتب حدیث میں رسول اللہ کا یہ ارشاد مبارک وارد ہے کہ حضورؐ نے فرمایا راہ خدا میں لڑنے اور مرنے والے مر کر بھی نہیں مرتے ہیں۔ "یہ شہداء زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ وہ فضائے دنیا میں گھومتے پھرتے ہیں۔ دنیا کے حالات دیکھتے ہیں۔ وہ سب کچھ سنتے ہیں اور کلام بھی کرتے ہیں ان کے لئے جنت سے کھانے آتے ہیں جب ان کا جی چاہتا ہے بہشت کی سیر کرتے ہیں۔ کبھی وہ خوبصورت پرندوں کا روپ دھار کر خلد بریں میں چلے جاتے ہیں اور اس کے ثمرات و فواکہات تناول فرماتے ہیں۔ کبھی وہ پھر دنیا میں آجاتے ہیں حق تعالیٰ نے انھیں تمام اختیارات سونپ رکھے ہیں۔ اے مسلمانو! اسی سے معلوم کر لو کہ اللہ کے دربار میں شہداء کا کیا درجہ اور کیا مرتبہ ہے۔

"تکلیم موتیٰ" کے باب میں تاریخ اسلام یہ واقعہ کیسے فراموش کر سکتی ہے کہ جس وقت جناب زہرا بتول بنت رسول مقبول نے رحلت فرمائی، اور آپؑ کو غسل دیا جانے لگا تو یہ دیکھ کر سب کے دانت حیرت سے انگلیاں چبانے لگے کہ جناب بتولؑ اپنے ایک پہلو سے ہاتھ نہیں اٹھاتیں غسل دینے والوں نے لاکھ جتن کئے۔ مگر دست زہراؑ جوں کا توں پہلو سے چپکا رہا آخر فضہ دوڑتی ہوئی خدمت حیدریؑ میں حاضر ہوئیں اور صورت حال سے آگاہ کیا۔

ایک روایت ہے کہ شہزادگان والا تبار خود دربار مرتضویؑ میں پہنچے جناب امیر المومنینؑ تشریف لائے اور شہزادوں سے فرمایا۔ بیٹا! پوچھو اپنی اماں جانؑ سے کہ پہلو سے ہاتھ کیوں جدا نہیں کرتی ہیں۔ امام حسنؑ اور حسینؑ نے عرض کیا اماں جان! آپ نے پہلو سے ہاتھ کیوں چپکا رکھا ہے۔ اسے الگ کیجئے تاکہ غسل مکمل ہو سکے۔ متعدد روایاتِ صادقہ صحیحہ بتاتی ہیں کہ بی بی پاکؑ کے جسد مطہر سے آواز آئی۔ "بیٹو! چپ رہو۔ اور اصرار مت کرو میرے دلبندو! تم اس بھید کو نہیں جانتے ہو اگر میں نے پہلو سے ہاتھ اٹھایا۔ اور زخم برہنہ ہو گیا۔ تو آسمان پھٹ پڑے گا زمین شق ہو جائے گی۔ اور امت پر کوئی بہت بڑی آفت آجائے گی پس یہ زخم ڈھکا رہنے دو اب اسے قیامت میں دربار الٰہی میں دکھایا جائے گا!"

اور وہ کون حب دار حسینؑ ہے؟ جو معصوم کربلا صغیرؑ بے شیرؑ کے حادثہ فاجعہ سے واقف نہیں۔ کہ۔ جب ملعون حرملہ کے دوشاخہ تیر نے گلوئے اصغرؑ کو چھید ا۔ اور اس نے مظلوم باپؑ کے بازوؤں پر دم توڑ دیا۔ تو اس وقت ایک عجیب قسم کی پر اسرار مسکراہٹ معصومؑ کے لبوں پر کھیل رہی تھی اف! عرش و فرش محو گریہ تھے۔ ارض و سما کی ہر شے دھاڑیں مار کر رو رہی تھی مگر اصغرؑ مسکرا رہے تھے ابھی جسم میں ان کے ننھے اور باریک ہونٹوں میں حرکت ہوئی امام مظلومؑ نے اپنا کان ان کے ہونٹوں سے لگا دیا پھول سے نازک شہیدؑ نے باپؑ سے کچھ کہا تو ہی۔ مگر یہ راز نہاں حسینؑ جانے یا اس کا اصغرؑ

اور اسی قسم کے فرمودات خدا اور ارشادات رسولؐ اور تاریخی واقعات سے متاثر ہو کر میڈیکل سائنس کے ایک ماہر ڈاکٹر جی۔ ایم گارڈ نے بھی سر تسلیم خم کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ:

جو لوگ نیکیوں اور اچھائیوں میں زندگی گذارتے ہیں اور جن لوگوں کی ساری عمر پاکیزگی اور قلبی و دماغی صفائی میں

مختصر حالات

عالی جناب سیادت مآب ڈاکٹر سید شہنشاہ حسین صاحب زیدی دام شرفہٗ۔

نسب اور ہندوستان میں آمد

آپ کا سلسلۂ نسب جناب زید شہیدؑ کے ذریعہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد ایران کے مشہور شہر نیشاپور سے علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں وارد ہند ہوئے۔ خلجی خاندان نے آپ کے بزرگوں کے علم وفضل اور شجاعت کے پیش نظر لکھنؤ سے تقریباً پچاس میل دور موضع سونکپور ضلع بارہ بنکی میں ایک بڑی زرعی جاگیر عطا کی جس سے یہ خاندان اس جگہ آباد ہوا۔ یہ جاگیر تو ایک عارضی چیز تھی لیکن اصل وراثت اور جاگیر آپ کے بزرگوں کا ہمیشہ علم وہنر ہی رہا ہے۔ انگریزی دور میں بھی آپ کے بزرگ بڑے عالم۔ فاضل اور کامل تھے چنانچہ زیدی کے دو چچا ۱۹۱۰ء میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے لئے لندن پہنچے جو ۱۹۱۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور قانون کی اعلیٰ ترین ڈگری (بیرسٹری) لیکر وطن واپس آئے۔ علم وفن۔ فضل وکمال کے علاوہ آپ کا خاندان حسب ونسب میں اعلیٰ دین وایمان میں ہمیشہ بالا اور عزاداری کا ہر جگہ اجالا رہا ہے خصوصاً محترم زیدی صاحب کے ماموں عالی جناب چودھری ارشاد حسین صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہ بڑے عبادت گذار۔ سچے عزادار اور پرانی شریفانہ تہذیب کے ایسے وضعدار تھے کہ ہر محفل اور ہر مجلس کی بذات خود ایک مستقل رونق ہوا کرتے تھے آپ نے اپنی کوٹھی واقع زرد وولی میں نہایت خوبصورت اور حسین ترین ایک مسجد اور ایک امام بارگاہ بنوائی تھی جو ہر وقت آباد رہا کرتی تھی اگرچہ آج مرحوم دنیا میں نہیں ہیں مگر ہم کو معلوم ہے کہ چودھری صاحب قبلہ کا جلایا ہوا چراغ عبادت وعزا اب بھی شمع ہدایت بنا ہوا ہے ہندوستان کا کوئی عالم کوئی ذاکر کوئی سوزخواں اور کوئی قصیدہ خواں ایسا نہیں ہے جو چودھری صاحب کی ذات اور آپ کی عادت وسخاوت سے ناواقف و محروم ہو۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے آمین۔ زیدی کے دادا جناب سید ہادی حسین صاحب مرحوم ضلع کے ایسے بااثر رئیس اور آنریری مجسٹریٹ تھے کہ بچہ بچہ آپ کے نام وکام سے واقف تھا نیز آپ کے والد بھی جناب سید راحت حسین صاحب اپنے والد مرحوم کے قدم سے چار قدم آگے ہی تھے۔ بڑے عابد بڑے زاہد۔ خدا ترس باعمل مومن اور بیحد سخی تھے۔ انہیں سید راحت حسین صاحب مرحوم کے چشم وچراغ جناب ڈاکٹر شہنشاہ حسین صاحب ہیں۔

(ابتدائی تعلیم سے ملازمت تک) حسب دستور قدیم آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی سے شروع ہوئی جہاں

آپ نے عربی۔ فارسی۔ اور انگریزی کی اے۔ بی۔ سی۔ ڈی مکمل کی اگست ۱۹۲۵ء میں آپ کو بارہ بنکی ہائی اسکول میں داخل کردیا گیا جہاں آپ ہمیشہ ہر کلاس میں ممتاز حیثیت سے کامیاب ہوتے چلے گئے۔ آخر دسویں کلاس پاس کرنے کے بعد آپ کو کرسچین کالج لکھنؤ (جو لکھنؤ میں بڑی حیثیت کا کالج تھا) میں داخل کردئے گئے۔ آخر اگست ۱۹۳۴ء میں میڈیکل کالج کے داخلے کے امتحان میں شریک ہوئے جہاں آپ سارے طلباء میں اوّل آئے اور آخر تک میڈیکل کالج میں اعزازی وظیفہ لیتے رہے۔ اسی دوران تعلیم میں آپ کو دو سنہری تمغے بھی دئے گئے۔

۱۹۴۱ء میں ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی سند حاصل کرکے اسی میڈیکل کالج میں ۱۹۴۵ء تک مختلف عہدوں پر فائز ہوکر لائق صد آفریں کام انجام دیتے رہے اسی ۱۹۴۵ء میں ڈاکٹری کی اعلیٰ ڈگری۔ ایم۔ ڈی حاصل کرکے اسی میڈیکل کالج میں مستقل ملازمت اختیار کرلی۔ آپ کی اعلیٰ کارکردگی کے پیش نظر ۱۹۴۹ء میں حکومت پاکستان نے ملازمت کی پیش کش کی اور زیدی صاحب موصوف ۳ جولائی ۱۹۴۹ء کو لکھنؤ میڈیکل کالج کی ملازمت سے استعفیٰ دے کر مع اہل و عیال پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں آتے ہی آپکو ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی میں مستقل ملازمت ملی جو ۱۹۵۲ء تک رہی پھر آپ اسی سنہ ۱۹۵۲ء میں لیاقت میڈیکل کالج حیدرآباد منتقل کردئے گئے۔ یہاں دو سال تک آپ نے پرنسپل کے عہدہ پر کام کیا پھر آپ کو لاہور تبدیل کردیا گیا۔ لاہور سے آپ کو بہاولپور بھیجا گیا جہاں آپ تقریباً دو سال رہے آخر پھر آپ کو لیاقت میڈیکل کالج حیدرآباد ہی بلا لیا گیا۔ آج کل جناب زیدی صاحب اسی کالج کے شعبۂ فزیالوجی کے انچارج ہیں اور وقت ضرورت پورے کالج اور اسپتال کا بوجھ بھی آپ کو سنبھالنا پڑتا ہے جس کو آپ بڑی حسن و خوبی سے انجام دیتے ہیں

آپ بڑے خلیق، ملنسار۔ خوش مزاج آبائی وضع کے وضعدار بڑے ہنس مکھ۔ یہاں تو آپ پورے جامشورو ہی میں نہیں بلکہ حیدرآباد کی پوری علمی دنیا میں ڈاکٹر زیدی کے محبوب نام سے یاد کئے جاتے ہیں ہر طبقہ ہر گروہ اور صنف کمال کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ملنا جلنا ہے۔ ڈاکٹری اور پروفیسری کمائی کے لئے نہیں کرتے بلکہ خدمت خلق اور فلاح انسانی کے جذبہ کے تحت نوکری کی ہوئی ہے۔ یہی تمام خوبیاں ہیں کہ ہر شخص آپ سے مل کر بے حد خوش ہوتا ہے۔ بچہ بچہ آپ سے مانوس ہے مگر اللہ نے رعب و داب ایسا دیا ہے کہ ہر کس و ناکس کے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی جس محفل اور جس صحبت میں آپ تشریف فرما ہوتے ہیں وہ محفل و مجلس نہایت سنجیدہ اور متین ہو جاتی ہے۔ سچی بات ہے کہ بھلا کر بھلا ہوگا۔ انہیں بھلائیوں اور نیکیوں کا اثر ہے کہ بلا کسی کد و کاوش کے اس سال اللہ تعالیٰ نے حج جیسے مبارک فریضہ کی ادائیگی کا موقع عنایت فرمایا۔

جناب زیدی صاحب ۷ مارچ ۱۹۶۵ء کو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے مدینہ منورہ ہوتے ہوئے حازم بیت اللہ ہوئے ہیں خداوند عالم موصوف کے حج کو قبول فرماکر باقیات الصالحات میں شمار کرے اور بخیر و عافیت واپس لائے۔ آمین۔ ثم آمین

زیدی صاحب کی اہلیہ محترمہ سادات بارہہ سے ہیں آپ کے خسر جناب سید محمد ہادی صاحب مرحوم اردو۔

فارسی ـ عربی ـ اور انگریزی کے بڑے اچھے ادیب و شاعر ہی نہیں تھے بلکہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے انہیں کمالات کے تحت گورنمنٹ برطانیہ نے آپ کو خان بہادر کا خطاب دیا تھا ـ آپ انگریزی دور میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ پہلے ہندوستانی تھے جنکو کلکٹری کا عہدہ ملا تھا ـ آپ یوپی میں محکمہ زراعت کے ڈائرکٹر بھی رہے ـ

غرضکہ محترم زیدی صاحب ددھیال اور سسرال دونوں طرف سے علم و فضل میں گھرے ہوئے ہیں ـ

اولاد کا تذکرہ

ماشاء اللہ ڈاکٹر زیدی صاحب کے فی الحال حسب ذیل پانچ بیٹے بیٹیاں ہیں خداوند عالم ان سب بچوں کو بزرگوں کی سچی یادگار قرار دے کر دالدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے ـ

صاحبزادگان

زیر تعلیم	عمر	نام
کلاس ششم انگلش	تقریباً ۱۲ سال	۱ ـ سید ہادی سلمہٗ
" سوئم "	" ۵ سال	۲ ـ سید راحت حسین سلمہٗ
" بے ـ جی "	" ۳ "	۳ ـ سید ارشاد حسین سلمہٗ

دختران

زیر تعلیم	عمر	نام
کلاس ششم انگلش	تقریباً ۱۱ سال	۱ ـ رفعت النساء سلمہا
کے ـ جی کلاس انگلش	" ۶ سال	۲ ـ زہرہ ثروت سلمہا

نماز دین کا ستون ہے

خصوصی اعلان

جو حضرات اپریل سے المعرفت کے خریدار ہیں ـ وہ مہربانی فرما کر اپنا سالانہ چندہ اپریل سے پہلے ارسال فرما کر ممنون فرمائیں ورنہ مجبوراً مئی کا پرچہ بذریعہ وی پی روانہ کیا جائے گا ـ جس کا چھڑانا خریدار حضرات کا اخلاقی فرض ہوگا ـ

یا بصورت دیگر دفتر کو مطلع کر دیا جائے تاکہ پرچہ ان کے نام بند کر دیا جائے

منیجر

ضروری گذارش

مضمون نگار حضرات سے گذارش ہے کہ اپنے مضامین خوشخط اور کاغذ کے ایک طرف لکھے ہونے چاہئیں ـ گندے اور بدخط مضامین ادارہ شائع کرنے سے قاصر رہیگا ـ

(منیجر)

جناب الیاس صاحب دہولپوری

ثنا الیاس کو لکھنی ہے یارب ضرب حیدر کی
ضرورت ہے قلم کے واسطے جبریل کے پر کی

تمنا کیوں ہو اس کو حور و غلماں خلد و کوثر کی
سند مل جائے جسکو مدحت آل پیمبر کی

قلم سے ذوالفقاری دیکھئے خط لکھا سا حیدر نے
پر جبریل پر تاریخ لکھ دی فتح خیبر کی

زمانہ جانتا ہے تھا یہی مکہ صنم خانہ
طہارت دست حیدر سے ہوئی اللہ کے گھر کی

زمانے میں علی کی ذات کیا ہے اک معمہ ہے
کہیں انسان کی صورت کہیں ہے شان داور کی

کہیں گویا شب معراج پردے میں اسے پایا
شب ہجرت کبھی زینت بنا احمد کے بستر کی

کبھی جھولے میں چیرا اژدھا چھ ماہ کے سن میں
جوانی میں کبھی چولیں ہلا دیں باب خیبر کی

کبھی نان جویں اور بوریہ دیکھو فقیرانہ
کبھی بزم نصیری میں بنا تصویر داور کی

کبھی دیکھا شجاعت کا گلا ہم نے رسن بستہ
اجنہ سے کبھی العلم میں جنگ حق سر کی

جو پہچانا تو بس انکو خدا والوں نے پہچانا
نہ سمجھا اور کوئی شان سہید علم کے در کی

لکھی اک بیت جس نے خلد میں گھر مل گیا اس کو
وہ نا جب ہے ثنا کی جسنے داماد پیمبر کی

گل مدحت کا گلدستہ ہے نذرانہ امانت کا
نوازش ہے یہ سب الیاس مولائے قنبر کی



جناب نثار صاحب بیانوی

ضرورآمد ہے یہ اک صاحبِ قرآں کے ہمسر کی
کہ دیوار حرم بھی چھوڑ کر اپنی جگہ سرکی

علیؑ بعد محمدؐ ہے وہ صنعت آئینہ گر کی
کہ جس کی ہر ضیا نے اس کی یکتائی اجاگر کی

نہ ہے تشکیل ہمنام خدا و نفس پیمبر کی
کہ قرآں نے ہر اک صورت علیؑ کی حفظ ازبر کی

کمالِ انبیاء۔ علم محمدؐ۔ شانِ داور کی
یہ سب مل کر نمایاں ہوں تو ہو تصویر حیدرؑ کی

بہم توریت و انجیل و زبور آئے مع قرآں
نبیؐ کی گود میں آکر بنی تب شکل حیدر کی

لسان اللہ عین اللہ وجہ اللہ سراپا
تو راز حق "تو ناز حق" تو ہے تسبیح داور کی

ہے تیرا نام۔ نام حق۔ ہے تیرا ذکر۔ ذکرِ حق
تجھے چاہا تو حق کی یاد گویا زندگی بھر کی

ترا عرفاں ہے عرفانِ نبیؐ و خالق و قرآن
تری طاعت سراپا بندگی خلاق اکبر کی

تو والی ہے، تو والا ہے، تو عالی ہے تو اعلیٰ ہے
تو مولا ہے، تو اولیٰ ہے، تو عظمت ہے پیمبر کی

وصی ہے تو، ولی ہے تو، خفی ہے تو، جلی ہے تو
علیؑ ہے تو، ترے قربان خدائی ربِّ اکبر کی

تو احسان ہے تو عرفاں ہے تو ایماں ہے، تو قرآں ہے،
ترا نقشِ کفِ پا مہر ہے دوشِ پیمبر کی

تو قبلہ ہے، تو کعبہ ہے، تو مبدا ہے، تو ماویٰ ہے
تو رمزِ کن فکاں ہے جان ہے اللہ اکبر کی

خبر بھی مبتدا بھی۔ حسن بھی حسنِ نظر بھی۔ تو
ادھر بھی تو، ادھر بھی تو۔ خدائی ہے ترے گھر کی

امامت کا تو مصدر ہے۔ نبوت کا برادر ہے،
تو حیدر ہے، تو صفدر ہے، تو کنجی ہے مقدر کی

نبیؐ کے علم کا در۔ اور نادر ہے۔ دُرِ یکتا
بہادر ہے تو قادر ہے اجل کفار و اژدر کی

ملک خادم ہے جس کا۔ مُلکِ جنت مِلکِ امرِ حق
ملائک اور ممالک کیا ہیں سب املاک حیدر کی

تو آئینہ ہے وحدت کا نبوت کا امامت کا
تو ہے مشکلکشائے دو جہان میزان محشر کی

تری تخلیق شاہد ہے کہ وہ ہے قادرِ مطلق
کہ جس نے خلقتِ حسنِ نبی ؐ کی ۔ اور مکرر کی

نثار ساقیِ کوثر ہوں ۔ ہے خود آگہی مشرب
جہاں میں منتخب میں نے شراب حب حیدر کی

جناب طالب صاحب اجمیری

یہ بجلی سی جھلک ہے حسن داماد پیمبر کی
فضائے عالم انسانیت جس نے منور کی

امامِ دو جہاں شیر خدا جان شہ بطحیٰ
ہے کتنی مستند مولائیت دنیا میں حیدر کی

مبارک تشنہ کامان محبت کو مبارک ہو
ہے آمد میکدہ میں ساقیِ تسنیم و کوثر کی

کھلیں کلیاں فضا جھکی بہار جاوداں آئی
سویرا ہو گیا چمکی کرن چہرہ منور کی

تجلیٔ رخ حیدر کی رہنمائی کا کیا کہنا
نمایاں ہے ہر اک خوبی کمال آئینہ گر کی

وہ جس کے عزم پر شانِ شجاعت ناز کرتی ہے
وہ جس کی تیغ نے برہم بساطِ کفر خود سر کی

حنین و بدر و خندق فتح مکہ غزوۂ خیبر
رہ ذوق وفا میں جو بھی آگہی سر کی

صداقت میں شجاعت میں سخاوت میں مروت میں
علی ہیں ہو بہو تصویر اوصاف پیمبر کی

ہوئی کافور ظلمت کفر کی روئے منور سے
ولادت نے علی کی عظمت کعبہ اجاگر کی

تصدق عظمت سلطانیت اس کے مقدر پر
میسر ہے جسے مولا گدائی آپ کے در کی

ان آنکھوں پر تصدق عظمت کونین اے طالب
جن آنکھوں میں تجلی ریز ہے تصویر حیدر کی

دیکھو نظر اٹھاؤ پوچھو نہ کیا علی ہیں
مشکلکشائے عالم مشکل کشا علی ہیں

یہ سرِ عارفاں ہے یہ رمزِ عاشقاں ہے
ہر ابتدا علی ہیں ہر انتہا علی ہیں

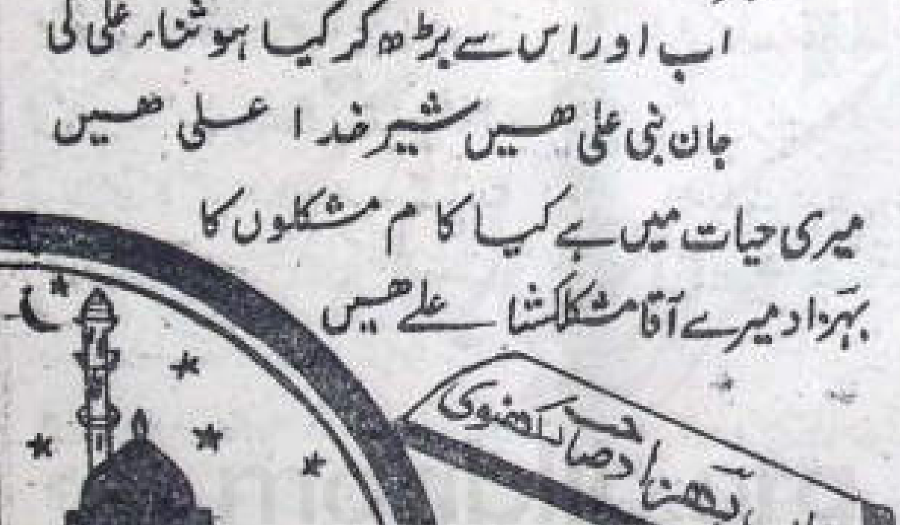
جن کی نظر رسا ہے وہ اسکو جانتے ہیں
صبح کرم علی ہیں۔ شام عطا علی ہیں

بدرِ سپہرِ ایماں، تاجِ ربِ ولایت
خضرِ رہِ طریقت آقائے ما علی ہیں

صدقہ میں راہ ہستی طے ہو رہی ہے جنکی
وہ راہبر علی ہیں وہ رہنما علی ہیں

اب اور اس سے بڑھ کر کیا ہو شمار علی کی
جانِ نبی علی ہیں شیرِ خدا علی ہیں

میری حیات میں ہے کیا کام مشکلوں کا
بہزاد میرے آقا مشکلکشا علی ہیں



حضرت شبنم صاحب بدایونی

شجاعت پر گواہی کون دے خندق کی خیبر کی
بتائے کون وزن درس و تدریس ولی حق
علی جیسے حقیقت آشنا سجا کے سجدے
برہنہ فرق سے کی پردہ پوشی امت جد کی
وہ ایمانی مدارج اور لقب محبوب سبحانی
زہے تبلیغ وحدت کی خوشا عظمت پیمبر کی
رؤف بالعباد اللہ کا فرمان عالی ہے
مصیبت میں ہوا جب بھی کبھی احساس تنہائی
علیؑ تکمیل دین حق۔ علی تفصیل قول حق
علیؑ تنویر عرفانی۔ علیؑ برہان یزدانی
علیؑ عشق کے مہ تاباں۔ علیؑ شمع رہ عرفاں
زبان حق کا نغمہ تذکرہ حیدر کے بازو کا
علیؑ کی الفتیں ہیں حق رسی آنکھوں بہشتوں کی
مذاق عبدیت کو کتنا ارفع کر دیا مولا
علیؑ ہیں ماورائے فہم انسانی وہ اک ہستی
علیؑ والوں کی ہر چوکھٹ پہ سجدے کرتا پھرتا ہوں
شہنشاہوں کی چوکھٹ در گدائے مستقل شبنم

شہادت مستقل ہے رحمت عالم کے بستر کی
زباں بخشی گئی ہے کس کو پیکٹ ب اکبر کی
تعالی التّو عظمت فاطمہ زہراؑ کی چادر کی
یہ رونق کامیابی ہے ولی حق کی دختر کی
یہ وہی عظمتیں ہیں سلمان و ابو ذر کی
پھر اس پہ برمحل تصدیق اول حرف حیدرؑ کی
یہ شان حرف حق کی یہ ذات پاک حیدرؑ کی
تصور میں دم میں پہ آ گئی تصویر حیدر کی
علیؑ توقیر افلا کی۔ علی تزئین ممبر کی
علیؑ تائید حقانی۔ علی تشریح داور کی
علی سرمایۂ دوراں۔ علی عظمت پیمبر کی
عبادت دونوں عالم کی زیارت روئے حیدر کی
علی کی گفتگو میں زینتیں ہر چار دفتر کی
جہاں چاہا بدل دی خود صلاحیت مقدر کی
خرد عاجز ہے ان کے باب میں ہر بحر کی بر کی
لئے پھرتی ہے ہر در پر تمنا آپ کے در کی
سنے گا کوئی تو فریاد اس کے قلب مضطر کی

ماہ ذی الحجۃ الحرام سنہ ۱۳۸۴ھ

نیک تاریخیں

۱ - ۲ - ۳ - ۶ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۲
۱۴ - ۱۵ - ۱۷ - ۱۸
۱۹ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۴
۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۹

تاریخہائے بد

۴ - ۵ - ۷ - ۸ - ۹
۱۳ - ۱۶ - ۲۰ - ۲۱
۲۸

خوشی کی تاریخیں

۱:- عقد معصومہ علیہ السلام
۱:- عید قرباں
۱.:- عید غدیر
۲۴:- عید مباہلہ
۲۵:- فتح خیبر و نزول ہل اتی

غم کی تاریخیں

۷۔ شہادت امام پنجم ۹ شہادت حضرت مسلم

قمر در عقرب

۱۵ر ذی الحجہ طلوع آفتاب سے فروع ۱۷ر ذی الحجہ بعد زوال آفتاب ختم

انجمن حسینیہ (رجسٹرڈ)

رجسٹریشن نمبر ۷۳ ۶ سنہ ۱۹۶۳-۶۴ء نواب شاہ
نمبر ۵/۸/۸ - مورخہ ۲۳/۲/۲۳

انجمن حسینیہ رجسٹرڈ نواب شاہ کا انتخاب

صدر سید غلام عباس شاہ صاحب نائب صدر مولا بخش صاحب۔ جنرل سکریٹری سید ظفر حسین ظفر زیدی۔ جوائنٹ سکریٹری سید جعفر مہدی صاحب زیدی - پروپیگنڈہ سکریٹری سید محمد اقبال صاحب نقوی۔ خازن۔ سید محمد شبر صاحب نقوی۔ نائب خازن سید ضیاء الحسن صاحب کاظمی۔ سالار اعلیٰ - جناب نذر حسین صاحب نائب سالار اعلیٰ - سید آل محمد صاحب نقوی

علاوہ ازیں بورڈ منبع العلوم کیلئے مندرجہ ذیل انتخاب عمل میں آیا - صدر سید صغیر حسین صاحب زیدی سکریٹری سید ناصر حسین صاحب نقوی۔ رکن سید محمد حسین صاحب زیدی - رکن سید کرار حسین صاحب زیدی۔

ظفر حسین۔ ظفر زیدی۔ جنرل سکریٹری انجمن حسینیہ رجسٹرڈ نواب شاہ)

سوال و جواب

کافی عرصے سے احباب کا مطالبہ تھا اور ہمارا بھی جی چاہتا تھا کہ المعرفت میں سوال و جواب کا سلسلہ شروع کیا جائے مگر ابتدائی حالات کی کمی تھی اور پھر سال سے قبل ہی خصوصی نمبر کی تیاری کی وجہ سے ہم مجبور رہے لیکن اب دوسرے سال کے پہلے ہی مہینے سے اس باب کا اضافہ کیا جا رہا ہے لہٰذا قارئین کرام اس نئے سلسلے سے فائدہ اٹھائیں اور جن حضرات کو اسلامی نظریات کے تحت کوئی شک و شبہ محسوس ہو تو اس کے دور کرنے کے لئے ہمارے خدمات بسر و چشم حاضر ہیں۔

سوال۔ موجودہ دور کی رہنما قوت اسلام ہے یا عیسائیت؟

اس سوال کے کچھ اجزاء ہیں جن کو الگ الگ کرکے سمجھ لیجئے۔ پہلا جزو۔ کہ اگر عیسائیت یہ ہے کہ جس کو آج حضرت عیسیٰ کے ماننے والے بڑے فخر و ناز سے پیش کرتے ہیں (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سب سے بڑی خصوصیت اور خوبی یہ تھی کہ ہمیشہ عبادت گزار رہتے اور ایسے اللہ والے تھے کہ زندگی بھر نہ شادی کی اور نہ مکان بنایا) تو یہ ایک ایسا نظریہ ہے کہ جس کی بنیاد ریت کے ذروں پر ہے، اس لئے کہ جب تعلیم کا بنیادی اصول ہی انسانی نسل کشی ہو تو اس تعلیم میں آگے بڑھنے کا سوال ہی غلط ہے کیونکہ جب شادی بیاہ نہیں ہے تو انسان پہلی ہی منزل پر ختم اور جب انسان ختم تو تمدن و تہذیب ختم لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ایسے نظریات ایسے ہی لوگوں کے لئے مفید و کارآمد ہو سکتے ہیں جو عقل سے عاری ہوں برخلاف اس کے اسلامی تعلیمات پہلے نسل انسانی کو بڑھانے کی زبانی تعلیم کے علاوہ عملی تعلیم بھی دیتے ہیں کہ شادی کرو۔ اولاد بڑھاؤ اور نسل انسانی کو پھیلنے کے اسباب فراہم کرو۔ اس سے معاشرہ قائم ہوگا۔ پروان چڑھے گا اور تمدن و تہذیب کو فروغ ہوگا۔

دوسرا جزو۔ کہ اگر عیسائیت سے مراد وہ جو موجودہ بائبل کے ذریعہ پیش کی جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے

اس دور میں جہاں علم و فن کو عروج حاصل ہوا ہے وہاں مذہبیت کو بھی خوب خوب فروغ ہوا ہے۔ اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ملی جلی زندگی اور اس زندگی کا ترقی و کمال بغیر اخلاقی اقدار کو اجاگر و روشن کئے ہوئے ممکن نہیں ہے۔ جوا۔ چوری۔ شراب زنا۔ بزدلی۔ بخل۔ جہالت۔ قتل و غارتگری اور ظلم و جور ہر معاشرہ کے لئے لعنت ہے۔ چاہے مذہبی زندگی ہو یا غیر مذہبی۔ اچھے اخلاق و عادات انسان کے ایسے ہی ہیں جیسے موتی کے لئے آب۔ پھول کے لئے مہک

اور سورج کے لئے چمک۔ جس موتی میں آب نہ ہو وہ
خزف ہے جس پھول میں خوشبو نہ ہو وہ ہاتھ لگانے
کے قابل نہیں اور اگر سورج میں چمک نہ ہو تو گہن ہے جس سے
دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ دنیا میں اندھیر ہے بس انسانی معاشرہ
کیلئے ایک انسان جس میں اخلاق جوہر نہ ہوں وہ
چاہے سورج ہی سمجھا جائے انسانی دنیا کے لئے گہن
ہے گہن اور جس تعلیم کی بنیاد بد اخلاقی۔ بد تہذیبی
اور انتہائی کمینہ پن ہو الہی کہ اپنے انبیاء و پیغمبر تک کی
بد کرداری کو بڑے فخر سے یہ کہکر پیش کیا جائے کہ یہ اللہ
کی تعلیم ہے تو آپ ہی سوچئے کہ انسان کیا سے کیا ہو جائے
گا اور یہ تعلیم کسی جاہل سے جاہل انسان کے لئے بھی
مفید ہو سکتی ہے۔

ملاحظہ ہو۔ لوط صغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا۔ اور
اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں۔ وہ (لوط)
اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے
تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے
اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق
ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور
اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں سو
انھوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور
پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی
دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ
دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی
آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس
سے ہم آغوش ہو تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں
سو اس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی
اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پیدائش باب ۱۹

روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت
کی حضرت ۱۸ (یعنی اپنی ماں سے زنا کیا۔ یہ ہے عیسائی مذہب
کی آسمانی کتاب مقدس)

لیاہ کی بیٹی دینہ جو یعقوب سے اسکے پیدا ہوئی
تھی اس ملک کی لڑکیوں کو دیکھنے کو باہر گئی تب اس
ملک کے امیر حوی حمور کے بیٹے سکم نے دیکھی اور اسے لے
جا کر اس کے ساتھ مباشرت کی۔ ف ۳۵

نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک
انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی اور اسے
نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا

(العیاذ باللہ)

یہ ہے موجودہ بائبل کے انبیاء اور حکام کا اخلاق
شراب زنا وغیرہ اب آپ انصاف کریں کہ جہاں۔
انسانیت اس طرح دم توڑ چکی ہو اس تعلیم میں ترقی
کا تصور ہی محال ہے یا نہیں "

جس تعلیم کے رہبر۔ رہنما۔ نبی اور پیغمبر معاذ اللہ خود
شرابی اور زانی اور ... معلوم کیا کیا ہوں وہ عفت و
عصمت اور عقل و شعور کی رہنمائی کیا کر سکتے ہیں اور

۸ اسلام وہ مذہب ہے جو توحید و نبوت سے پہلے۔
اخلاقی بنیاد کو سب سے پہلے مضبوط کرتا ہے۔ کہ حکم دیا گیا ہے تخلقوا
باخلاق اللہ اللہ جیسی عادتیں سیکھو اللہ جھوٹا
نہیں لہذا تم بھی جھوٹ نہ بولنا۔ اللہ کو ظلم پسند نہیں
لہذا تم بھی ظلم و جور سے باز رہنا وغیرہ وغیرہ۔ یہی
نہیں کہ اسلام صرف گفتار کی حد تک ہی ہو نہیں اس کا کردار
اتنا بلند ہے کہ صرف دوستوں کی نظروں میں نہیں ماننے
والوں کے عقیدہ میں نہیں (بلکہ ماننے والوں سے پہلے)
دشمنوں کے اندر صادق و امین جیسے صفات سے متصف

اور عادتیں ایسی روشن ہیں تو یقیناً اس کی تعلیم بھی بڑی منور ہوگی ایسے تعلیمات کے حامل معاشرہ میں جھوٹے کا کوئی مقام نہ ہوگا زانی کو یقیناً سزا ملے گی بزدل کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی شرابی ہر جگہ مطعون رہے گا

تیسرا جزء انسانی عقل و شعور کا پھلنا پھولنا اور پروان چڑھنا نہایت ضروری ہے تاکہ علوم و فنون کی روشنیاں زیادہ سے زیادہ انسان کو ایسا منور کریں کہ یہ انسان ہر اندھیرے کا اجالا ہو جائے۔ لیکن یہ عیسائیت جہاں عقل و خرد کی کوئی جگہ نہ ہو وہ انسانی ترقی کی رہنما تو نہ کیسے ہو سکتی ہے خصوصاً اس دور میں جبکہ علمی و فنی دور ہے ملاحظہ کیجئے۔ عیسائیت کی تعلیم ہے۔ تین ایک ہے اور ایک تین ہے۔

بڑی سے بڑی عقل والا انسان اور اعلیٰ سے اعلیٰ حساب دان بھی ان بھول بھلیوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ نکلنے کا راستہ نہیں ملتا یہاں عقل ماؤف، شعور بیکار اور تدبر و تفکر بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور جس تعلیم میں عقل و خرد، شعور، سمجھ اور تعقل و تفکر کو کوئی مقام حاصل نہ ہو اس تعلیم میں اس دور کے لئے تو موت ہی موت ہے ترقی کیسی۔ برعکس اسلام کے کہ جس کی تعلیم کی بنیاد ہی عقل و خرد سے شروع ہوتی ہے یقیناً یہاں انسان ترقی کرے گا۔ آگے بڑھے گا۔ اور پروان چڑھے گا اس لئے کہ جب تک انسان ناسمجھی اور بچپنے کی منزلوں میں رہتا ہے اس سے اسلام کا تعلق نہیں اور جب باشعور ہوا اور اس منزل میں قدم رکھا کہ جہاں سے عقل و خرد کی دنیا شروع ہوتی ہے تو اسلام اس کو تدبر و تفکر کی پوری دعوت دیتا ہے کہ پہلے اپنے آپ کو پہچان۔ پھر زمین و آسمان اور اشیائے کائنات میں عقل کی روشنی سے کام لے کر آگے بڑھ۔ اور ہادی برحق نبی رحمت سرکار دو عالم ﷺ نے جب لوگوں کو دعوت خیر دی تو بار بار خدا سے یہی دعا کرتے تھے۔ اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ پہچانتے نہیں ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ مجھے مانتے نہیں، تو جس مذہب اسلام کی ابتدا ہی علم شعور سے ہوتی ہو وہ عیسائیت جیسے انسانیت کش مذہب سے اچھا ہی نہیں بلکہ انسانی فلاح کے دور کے لئے اس سے بہتر کوئی دین ہو ہی نہیں سکتا۔

چوتھا جزء۔ اگر عیسائیت سے مراد وہ نظام زندگی ہو ہے کہ جس کا ڈھانچہ عیسائی پادریوں نے بنا رکھا ہے تو اس عیسائیت کا حال تو اتنا بدتر ہے کہ خود یورپ (جو عیسائیت کا علمبردار ہے) احیائے علوم کی دور جدید کی نئی تحریک شروع ہوتے ہی خود اپنی موت ایسا مرا کہ مغربی قوموں نے اس کے بعد جتنی بھی مادی ترقی کی ہے وہ عیسائیت کی رہنمائی سے آزاد ہو کر کی ہے۔ لیکن اسلام ہر اس قسم کی تحریک کو خوش آمدید ہی نہیں کہتا ہے بلکہ اس کا داعی بنکر علم و حکمت اور ہنر و فن کی روشنی کا بلند ترین منارہ ہے اور ایک ایسا مرکز نور ہے کہ جس کی شعاعیں چہار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔

نماز

ذریعہ نجات ہے

میں گذرتی ہے اور پھر جو لوگ خدا کی رضا اور اپنے مذہب کی بقا کیلئے جان دیدیتے ہیں وہ مر کر بھی فنا نہیں ہوتے ہیں طب اور سائنس نے بھی یہ ریسرچ کی ہے کہ ایسے بے عیب اور بے گناہ لوگوں کے جسم بھی متغیر اور متعفن نہیں ہوتے اور موت آنے کے بعد بھی ان کی روحانی اور جسمانی قوتیں فنا نہیں ہوتیں بلکہ انکی بصارت، سماعت اور تکلم وغیرہ کی جملہ طاقتیں بالکل برقرار رہتی ہیں از بسکہ جراثیم اور مواد فاسدہ کی طرح عیوب و جرائم بھی جسمانی کیفیات پر اثر انداز ہوتے ہیں اسلئے جو شخص عیبی عاصی ہو اس کا بدن تمام قویٰ سے خالی ہو کر مرنے کے بعد بہت جلد گل سڑ جاتا اور خاک میں ملکر خاک ہو جاتا ہے لیکن جس انسان کے وجود میں کوئی گناہوں کی پلیدی اور رذایا کی نہیں ہوتی اور اس کی پوری زندگی اپنے خالق کی خوشنودی میں گذرتی ہے اس کا جسم جوں کا توں محفوظ رہتا ہے اور اسے کوئی قوت برباد نہیں ہو سکتی۔"

(ماہنامہ سلطنتِ اینڈ ٹیمپی" لندن جلد ۵ نمبر ۹ بابت ستمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۸-۱۹

اس سے یہ واضح ہوا کہ اسلام اور اہل اسلام میں یہ جو اللہ کے معصوموں اور محبوبوں کو زندۂ جاوید مانا اور اولیاء اللہ شہداء اللہ کی نسبت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ مردہ نہیں ہیں زندہ ہیں تمام قوتیں رکھتے ہیں دیکھتے سنتے اور بولتے ہیں تو یہ محض "خوش عقیدگی" کے باعث نہیں بلکہ عقلی۔ نقلی۔ طبی اور سائنسی نظریات کے ماتحت بھی درست اور قابل تسلیم ہے"

ہدیہ تشکر

بجانب مبلغ اسلام مولا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ لکھنوی میا لوالی۔ برادر معظم جناب مولانا مرزا ضامن حسین صاحب قبلہ مرحوم طیب اللہ رمسہ کی وفات حسرت آیات کے سلسلہ میں حضرات علماء اعلام۔ مومنین کرام و رؤسائے عظام نے تعزیت کے اس کثرت سے خطوط ارسال فرمائے ہیں کہ فرداً فرداً جواب دینا میرے بس کی بات نہیں اس لئے میں ان جملہ حضرات سے معذرت خواہ ہوں۔ اور ان کی اس مخلصانہ محبت کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب حضرات کو ہر آفت ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے۔

ان تمام حضرات کی کرم نوازی سے متوقع ہوں کہ میری مجبوری کے پیش نظر دامن عفو میں جگہ دیں گے۔

العذر عند کرام الناس مقبول ع

نہ معلوم کیا ہو گیا ہے، قوم کا خون بیچا اور بدترین کردار کے سلطان بھی بچا رہ گئے
غداری کے کسی نا قفیت برتتے ۔ قوم فروشی کرے اور محراب
ممبر کو بنئے کی دوکان سمجھے پھر بھی قبلہ و کعبہ ۔ آخر یہ
تجھے ہو کیا گیا ہے تو لٹنے لگے پر اپنے ہی ہاتھ سے چھری
کیوں پھیرے ہے ۔ یہ تو نے خواب غفلت کا لبادہ کیوں
اوڑھ رکھا ہے، اب غافل رہنے، خواب گراں اور
مدہوش ہونے کا وقت نہیں ہے

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر پائیں

ہوش میں آجا، اور گہری نیند سے آنکھیں کھول، دیکھ تو سہی دعوی معمولی قافلے تجھ سے پیچھے تھے وہ اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ تا حد نظر دکھائی نہیں دیتے ۔ ان رہزنوں کو چھوڑ، ان بازیگروں سے دامن بچا، اور سچے ہمدردوں کو پہچان، ان کا دامن پکڑ تو تیری ساری مشکلیں حل ہو جائیں گی ۔ تیرے سارے مطالبات خود بخود منظور ہو جائیں گے جن کی نظروں میں ظالم و مظلوم میں کوئی فرق نہ ہو، جن کے نزدیک غدار و وفا شعار میں کوئی امتیاز نہ ہو ۔ جو قوم فروش اور قوم پرور دوش کو برابر سمجھیں ان سے تجھے ذلت ۔ رسوائی ناکامیابی و نامرادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا ۔ اے گروہ حیدری، علم کو پرکھ، عمل کو جانچ، شہداقت چلنا حقیقت ابو تنا اور تولنا سب برابر رکھنے والے افراد کی تیرے یہاں کمی نہیں مگر ذرا ہمت کر اور ان بھیڑیوں سے دامن بچاتے ہوئے

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

قومی جرأت کا فقدان

تاریخ پاکستان میں کراچی کے بدترین حادثہ کے متعلق قومی اسمبلی میں آواز بلند ہوئی اور ہونا بھی چاہیے تھی؟ لیکن اس پاکستان میں اب سے دو سال قبل تھیڑی میں جو قتل عام ہوا اور جس بیدردی سے بھوکے پیاسے عزادار مارے گئے اس کی کوئی آواز کہیں بلند نہیں ہوئی کیوں؟ کیا یہ لوگ پاکستان کے وفادار ترین شہری باشندے نہیں تھے؟ کیا ان کا گناہ سوائے اس کے اور کچھ تھا کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے شہید کربلا کے غم میں سینہ زنی کرتے تھے؟ تو کیا ماتمدار حسینؑ ہونا قانون پاکستان کی خلاف ورزی ہے؟ جبکہ قانون یہ کہتا ہے کہ ہر فرقہ کو اس کے رواسم مذہبی کی ادائیگی میں مکمل آزادی ہے تو پھر آپ ایسا سنگین حادثہ ایسا شرمناک و افسوسناک واقعہ ہوا مگر افسوس کہ پیچ معاملے بر نخواست ہکو اور کسی سے کوئی گلہ نہیں لیکن ہمارے قومی اسمبلی کے ممبران جناب سید مرید حسین شاہ صاحب آف سیال کوٹ ۔ جناب سید اصغر علی شاہ صاحب آف راولپنڈی ۔ کیا ان کو خبر نہیں کہ تھیڑی میں کیا ہوا؟ خبر تھی اور ضرور تھی لیکن افسوس کہ ہم قومی اسٹیج پر بڑے بہادر شیر نر ہیں مگر اس سے ہٹ کر ہم میں قومی جرأت اور قومی ہمت کا فقدان ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری کوئی آواز نہیں اور ہماری کوئی قدر و قیمت نہیں ۔ اے خدا تو ہمارے ہر فرد کو شبیر جیسی جرأت، ابوذر غفاری کی ہمت، اور رشید ہجری کی غیرت عطا کر دے

انقلاب حکومت اسلام

قسط دوم

حضرت مورخ یگانہ جناب مولانا
سید محمد باقر صاحب قبلہ شمس لکھنوی
کراچی

مولد اسلام قبل اسلام

حجاز اور اس کا جغرافیہ

جزیرہ نمائے عرب میں شام اور بحر ہند کے درمیان دو بڑے کاروانی راستے تھے۔ ایک بحرین سے خلیج فارس کے کنارے ہوتا ہوا عمو ڈنگ چلا گیا تھا اس کے وسط میں کنعان (فلسطین) قافلوں کے ٹھہرنے کا اہم مقام تھا۔ دوسرا بحر احمر کے کنارے کی پہاڑی چٹانوں سے بچتا صحرائے نجد و حجر کو چیرتا ہوا شمال گیا تھا اس کے بیچ میں مکہ بہت بڑا کاروانی پڑاؤ تھا

ابراہیم خلیل اللہ نے اسلام کی تبلیغ کے لئے اس کاروانی پڑاؤ کو موزوں تر مقام سمجھا اور بابل سے ہجرت کر کے وہاں قیام کیا اور ایک قربان گاہ بنائی۔

جب ان کے ہاں حضرت اسحق پیدا ہوئے تو وہ اسمٰعیل کو دوسرے کاروانی راستے کے مرکزی مقام پر لے گئے اور یہاں کعبہ تعمیر کیا اس طرح اسلام کی تبلیغ کے دو اہم مرکز قائم ہوئے

سرزمین اسمٰعیل جزیرہ نمائے عرب کا ایک مستطیل حصہ رقبہ میں تین لاکھ مربع میل ہے جس کے مغرب میں نجد۔ مشرق میں بحر احمر۔ شمال میں شام و عراق۔ جنوب میں عسیر اور شمالاً جنوباً کوہ سروات کا سلسلہ ہے جس کی ایک چوٹی ۵ ہزار فٹ اونچی ہے اس پہاڑی سلسلہ میں چشمے، آبادیاں۔ باغ کھیتیاں اور جنگل ہیں دامن کوہ نسبتاً یہی حالت ہے۔ اس کے علاوہ سب ریگستان ہے جہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہوتی۔ اسی وادی غیر ذی زرع میں تیس کیلومیٹر لمبا ڈیڑھ کیلومیٹر چوڑا ایک قطعہ زمین چاروں طرف قدرتی پہاڑوں سے گھرا جنگلی درختوں سے بھرا ابتدائی دنیا کے بیچ میں آج تمدنی کا مرکز بنا ہوا ہے "مکہ" ہے۔ جس کا عرض البلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ طول البلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ پر واقع اور سطح سمندر سے ۳۳۰ میٹر بلند ہے۔ اس کے اطراف میں جدہ۔ ینبوع ساحل سمندر، مدینہ۔ طائف۔ تیما بڑے شہر فدک اور عوالی مشہور قصبے ہیں۔

آب و ہوا گرم خشک ہے دن کو سخت گرمی پڑتی ہے راتیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ پہاڑی مقامات صحت افزا اور پر بہار ہیں ملک بھر میں کوئی دریا نہیں برساتی نالے ہیں

پیداوار رطب یہاں کی خاص چیز ہے آم کی طرح اس کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ یہ غذا کی ضرورت

پوری کرتا ہے۔ اس کی گٹھلی اونٹ کی غذا ہے۔ اس کے علاوہ سیب انار۔ انگور۔ پرتقال زردآلو۔ انجیر۔ بادام۔ خربوزہ۔ تربوز۔ سیم تمباکو۔ روئی۔ جو۔ گیہوں۔ باجرہ۔ چنا۔ باقلا ملک کے مختلف حصوں میں ہوتا ہے۔ سنا۔ بلسان مُر۔ کندر۔ اقاقیا۔ املتاس۔ کچ۔ تیزپات لوبان قہوہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں یہاں کے لوگ دوردست ممالک میں تجارت کے لئے لے جاتے ہیں۔

پالتو جانوروں میں گدھے۔ خچر گائے بھینس۔ بھیڑ بکری اور دنبے ہوتے ہیں۔

اونٹ قناعت کم خوراکی بھوک۔ پیاس کی شدت برداشت کر لے۔ منوں کا بوجھ اٹھانے کوسوں کا دھاوا مارنے میں شہرت رکھتا ہے اس ریگستان میں قدرت نے اس جانور کو پیدا کر کے انسانی زندگی کو آسان بنا دیا ہے۔ اس کا دودھ پینے۔ گوشت کھانے۔ کھال پہنے۔ بال کپڑے مینگنیاں جلانے کے کام آتی ہیں اور مالیت کا اندازہ اونٹوں سے ہوتا ہے

گھوڑا۔ جسمانی اعتبار سے خوبصورت۔ سڈول کشادہ نتھنے۔ کھڑی کنوتیاں۔ درازسی بلند گردن پتلی کمر۔ لمبا پٹھا۔ ابھری دم۔ پتلے پیر قوی حساس زود فہم۔ چست۔ چالاک۔ جری کم خوراک تیز رفتار۔ مطیع وفادار ذہلے آزاد ہوتے ہیں اور ان اوصاف کی بدولت تمام دنیا کے گھوڑوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

جنگلی جانوروں میں گیدڑ۔ لومڑی۔ اور بجو بکثرت ہوتے ہیں بجو کا شکار بہت دلچسپ ہوتا ہے۔

حشرات الارض میں سانپ۔ بچھو۔ گوہ۔ گرگٹ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ٹڈیاں بڑی خطرناک ہوتی ہیں مگر بعض موقعوں پر غذا کا کام دیتی ہیں۔ شتر مرغ بھی ہوتے ہیں اور ان کے انڈے بہت شوق سے کھائے جاتے ہیں۔

پرندوں میں مرغ۔ بٹیر۔ تیتر۔ کبوتر۔ فاختہ باز۔ شکرا۔ ہدہد۔ چیل۔ کوا گدھ سب ہی ہوتے ہیں:۔ ظہور اسلام کے وقت سامی نسل کی مختلف شاخیں بدوی قبیلوں کی صورت میں آباد تھیں شہر کے رہنے والے حضری اور بادیہ نشین بدوی اور بدو۔

بدو رگوں اور پٹھوں سے کھنچا ہوا ہڈیوں کا ڈھانچا ہے جس میں کہیں کہیں گوشت کی ہلکی سی تہ دی ہوئی ہو گورا رنگ۔ پتلی ناک تیز نگاہ جسم میں لمبا کرتا سر پر رومال اس پر رسی لپٹی ہوئی کاندھے پر عبا مکان خیمہ جہاں پانی اور چشمہ نظر آئے وطن۔ کھجور اور دودھ غذا شکار لوٹ مار پیشہ بھیڑ اور بکری اونٹ۔ گھوڑا جائیداد اور سرمایہ۔

قبیلہ بندی اس کے معاشرے کی بنیاد ہے اپنے قبیلہ کی حمایت اس کا دین و آئین ہے اس کا بھائی کتنی ہی غلطی پر کیوں نہ ہو اس کی حمایت فرض ہے۔

قبیلہ کا ممتاز آدمی سردار ہوتا ہے اس کا مشورہ اور اطاعت ضروری ہے لیکن مساوات کے ساتھ ہر بدو کی بیویاں ہوتی ہیں اور وہ اس کی اطاعت گذار لکڑیاں چننا۔ کپڑے بننا۔ پانی لانا کھانا پکانا۔ تنگ باندھنا ان کے فرائض میں داخل ہے شوہر کی بدسلوکی پر وہ طلاق بھی لے سکتی ہیں۔

غارت گری و مہمان نوازی۔ بے رحمی دکش وہ دلی ان کے متضاد اوصاف ہیں

حضری :۔ جسمانی ساخت میں وہ بدو سے زیادہ ممتاز نہیں، لیکن لباس میں قبا۔ جبا۔ عبا۔ عمامہ۔ زیر جامہ تہبند۔ موزہ۔ اور جوتے سے وہ مہذب اور متمدن معلوم ہوتا ہے۔ اس کی غذا میں دودھ اور کھجور کے علاوہ سبزی گوشت، پنیر۔ روغن زیتون۔ اور سرکہ بھی ہوتا ہے۔ چاء۔ قہوہ اور پھل بھی کثرت سے استعمال کرتا ہے۔ کچے یا پکے مکان میں رہتا اور کسی خاص جگہ اس کا وطن ہے۔ شکار، اس کی تفریح، شاعری اس کا امتیاز۔ تجارت پیشہ شراب وکباب مشغلہ عیاش وضع موقعے سے لوٹ مار بھی کر لیتا ہے۔

مشترک خصوصیات :۔

قبیلہ بندی اور قبائلی عصبیت۔ جوش انتقام۔ حمیت مہمان نوازی سپہ گری میں اس کا شریک ساوی اور لوٹ مار میں اس کا چھوٹا بھائی ہے

تمام مورخین اب تک بلا استثنیٰ حضری اور بدوی دونوں کو جاہل اور وحشی کہتے ہیں لیکن یہ عمومی حیثیت سے صحیح نہیں شہر تہذیب و تمدن سے وجود میں آتے ہیں اور شہری زندگی ہی کا تمدن ہے مکہ مدینہ اور طائف اس زمانے کے اچھے شہر تھے

مکہ حضرت ابراہیم کے زمانے سے آباد شہر تھا قدیم یونانی شہروں کے دو حصے تھے۔ پولس اور استو (پست و بلند) مکہ بھی دو حصوں میں منقسم تھا محلات اور مشغلہ اور یہ تقسیم آج تک باقی ہے۔ معزز لوگ محلات میں بستے تھے۔ شہر پناہ اور اسکی دیواریں زمانہ اسلام تک موجود تھیں۔ حضرت ابراہیم کے زمانے سے حج کیوجہ سے اس کی رونق اور بڑھی ایرانی۔ رومی اور حبشی سلطنتیں اس پر قبضہ کرنے کی خواہشمند ہوئیں ابن قتیبہ لکھتا ہے کہ رومیوں کی مدد سے قصی نے مکہ پر قبضہ کیا۔ لیکن بعد میں قصی نے خود مختاری برتی اور رومیوں کے اثر کو قبول نہیں کیا۔ پھر ایک مدت کے بعد جب عثمان بن حویرث اسدی نے عیسائیت قبول کر لی تو قیصر نے اس کو تاج اور فرمان دے کے چاہا کہ اہل مکہ اسے بادشاہ تسلیم کر لیں لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہاں کے آزاد باشندے بادشاہت قبول نہیں کر سکتے۔ چنانچہ قیصر روم نے خفا ہو کر اپنے یہاں ان کا داخلہ اور تجارت بند کر دی۔ مدینہ دوسری صدی عیسوی سے یہود کا مرکز اور تہذیب میں ایک خاص درجہ کا مالک تھا طائف اپنی دلکشی کی وجہ سے ہمیشہ سے حجاز کی جنت ہے اور مجموعی طور پر پورے حجاز کو تہذیب و تمدن کے لحاظ سے اپنے حلقے میں لے ہوئے ہے۔ یمن صنعاء ہے جو شاہان یمن کا پایہ تخت رہا ہے اسی میں حمدان کا مشہور محل ہے۔ اسی میں شہر مآرب ہے جو قوم سبا کا مسکن تھا عدن کی قدیمی بندرگاہ یہیں ہے یہاں کی زمین زرخیزی۔ جواہرات کی کانوں اور تہذیب و تمدن علم و فن میں مشہور تھی۔ اسی سے ملی ہوئی روم کی سرحد پر عیسائیوں کی حکومت تھی جو اصلاً یمنی تھے انکی سلطنت حوران۔ بلقاء تک تھی۔ رومی۔ اور یونانی تہذیب نے انھیں سنوارا تھا۔ عرب کے تمام شعرا نابغہ ذبیانی۔ مرقش اکبر علقمۃ الفحل اور سب سے آخر میں حسان بن ثابت ان کے دربار میں جاتے اور انعام و اکرام سے مالامال ہوتے۔ اسی کا اثر ہے جو عربی ادب غسانیوں کے

ذکر سے بھر اٹھے ہیں۔ حسان بن ثابت کا بیان ہے کہ میں زمانہ جاہلیت میں ایک رات جبلہ بن ایہم کا مہمان تھا وہاں میں نے دس گانے والیاں دیکھیں پانچ تھیں جو رومی بربطوں پر گاتی تھیں اور پانچ اہل حیرہ کے گانے گاتی تھیں۔ جبلہ کی محفل میں پھولوں کا فرش ہوتا تھا۔ جس پر چاندی سونے کی انگیٹھیاں رکھی جاتی تھیں۔ ... میں جاڑوں میں عود اور گرمیوں میں عنبر جلایا جاتا تھا اور چاروں طرف برف کی سلیں رکھی جاتی تھیں وہ خود اور اس کے تمام گرمیوں میں ریشمی کپڑے پہنتے تھے۔ اور جاڑوں میں سمور کی پوستین وہ روزانہ اپنا خلعت مجھے یا کسی ندیم کو عطا کر دیتا تھا اگر کوئی جہالت کی بات کر بیٹھتا تو وہ بردباری سے اس کو پی جاتا تھا اور ہنستا رہتا بے مانگے دیتا تھا وجیہ اور حسین بادشاہ تھا میں نے اس سے کبھی کوئی بچھوڑی بات نہیں سنی۔ اس سے وہاں کے تمدن کے عروج کا اندازہ کیجئے اور یہ کہ اہل حجاز تمدن کی ان آفتوں سے اجنبی نہ تھے۔

یمن کی ایرانی سرحد پر حیرہ تھا عربوں نے لکھنا پڑھنا یہیں سے سیکھا تھا حیرہ بمہ ابرش اور زباء کی کہانیاں خورنق و سدیر کے گانے نعمان کے جنگی کارنامے عربی ادب پر چھائے ہوئے ہیں۔

مشرق میں ایران کی عظیم شہنشاہی تھی جہاں کے لوگ بوقلموں لباس پہنتے تھے اور جشن نوروز میں وہ کچھ کرتے تھے جس کی رنگینیوں سے شعر آج تک آب و رنگ حاصل کرتے ہیں کے و جم کا پایہ تخت یہیں تھا جنہوں نے دنیا کو جہانبانی کے طریقے اور تمدن کے آئین سکھائے جندیشاہ پور فلسفہ اور طب یونانی کا مرکز تھا جہاں سے یونانی طب ساری دنیا میں پھیلی۔ شمال میں شام کا ملک ہے جو انبیائے کرام کا مسکن تھا آسمانی صحیفے یہیں نازل ہوئے فینقی، کلدانی، عبرانی، یونانی اور رومی تہذیب اور علمی سرمایہ اس کے چپہ چپہ پر پھیلا ہوا تھا۔ عبرانیوں نے الٰہیات یونانیوں نے فلسفہ روم نے فقہی نظریات پھیلائے یہ عربوں کی تجارت کی بہت بڑی منڈی تھا۔

شمال مشرق میں "مصر" زراعت کا دار السلطنت تھا جسے اپنی تہذیب پر ناز تھا جنہیں اسکندریہ تمام علوم فنون کا مرکز تھا لیکن سراپیوم کی عظیم الشان عمارت تھی جس میں کبھی سراپیس کا مندر تھا یہیں سینٹ مارکس کا خوبصورت گرجا تھا جو کسی زمانہ میں سیزر کا معبد تھا

۱؎ خوزستان کے صوبہ میں شاہ پور اول نے یہ شہر آباد کیا تھا شاپور ثانی نے چوتھی صدی کے آغاز میں اس کو پایۂ تخت بنایا جس سے یہ بہت بارونق شہر ہو گیا اسی نے یونان سے ایک عیسائی طبیب تھیوڈورس کو اپنے علاج کے لئے بلایا اور صحت یاب ہونے کے بعد اسے روک لیا اس نے یہاں طب یونانی کو رواج دیا تھا کتابیں تصنیف کیں اور سینکڑوں طبیب پیدا کئے بیمارستان قائم کئے سلاطین کے زمانے میں اموی اور عباسی خلفا اپنے علاج کے لئے یہیں سے اطباء کو بلواتے تھے ہارون کے زمانے میں جبریل بختیشوع بغداد گیا اور اسے طب یونانی کا مرکز بنا دیا اور پھر وہاں سے مغلوں کے زمانہ میں ہندوستان اس کا مرکز بنا اب صرف ہندوستان میں اس کا نام باقی رہ گیا ہے

قلوپطرہ نے اسے جولیس سیزر کے اعزاز میں بنوایا
تھا اور آگسٹس نے مکمل کیا اس کے پس منظر میں
بڑے بڑے مینار تھے جو دن کو سورج کی کرنیں
اور رات کو آگ سے چمکتے تھے اور دنیا کے عجائبات
میں تھے۔ اسکندریہ ایسا عظیم الشان شہر تھا
جسمیں چار ہزار محلے چار ہزار حمام اور شاہی
تفریح گاہیں تھیں مغرب میں عراق تھا جس کی
زمین سرسبز فضا معتدل اور تہذیب و تمدن
میں تمام روئے زمین پر سبقت رکھتا تھا تین ہزار
سال قبل مسیح سے یہاں بابلی۔ اشوری۔ کلدانی
ایرانی۔ اور یونانی ایسی متمدن قومیں حکمران تھیں
جن میں ہر ایک کی تحریک کا ایک خاص انداز تھا اور
ہر ایک ایک منارۂ نور تھی جس کی روشنی نے آس
پاس کے ملکوں کی تاریکی میں نور پیدا کیا تھا۔

مکہ قدیم الایام سے بین الاقوامی گذرگاہ کے
سنگم پر واقع تھا جہاں دور دراز ممالک کے
تجارتی قافلے ٹھہرا کرتے تھے ان قافلوں کے آنے
جانے اور اہل مکہ سے روزانہ ملاقات ہوتے رہنے کی وجہ
سے ناممکن تھا کہ ان مہذب شہریوں سے یہاں کے
لوگ متاثر نہ ہوتے ہوں۔

مشہور مورخ اولیری کی رائے ہے کہ روم کی
تجارت کی بڑی منڈی تھا روم میں ریشم اور خوشبو
وغیرہ سامان تعیش یہیں سے جاتا تھا خود یہاں
قریش خوشبو کی تجارت میں مشہور اور متولی حرم ہونے
کی وجہ سے مقدس و محترم تھے یہ بے خوف و
خطر سفر کرتے اور کوئی انھیں لوٹنے کی ہمت نہ کرتا۔
عرب عموماً ہوشیار اور ذہین ہوتے ہیں ایسے
لوگوں کا مہذب ممالک میں جانا وہاں امراء و سلاطین
سے ملنا تجارت و معاملت کرنا ایسی باتیں نہ تھیں جن سے
وہ ان ممالک کے تہذیب و تمدن سے اجنبی رہ گئے
ہوں علامہ احمد امین کی رائے ان کے بارے میں یہ ہے
عادتاً عصبی مزاج کے لوگوں میں ذکاوت اور ذہانت
کافی پائی جاتی ہے واقعہ بھی یہی ہے کہ عرب بہت ذہین
و فطین تھے ان کی ذکاوت ان کی زبان کے مطالعہ سے
معلوم ہو سکتی ہے کہ باریک سے باریک اور بعید تر اشارات
بھی ان کی آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتے تھے۔ ساتھ
ہی ان کی ذکاوت کا مظاہرہ ان کی حاضر دماغی سے
کیا جا سکتا ہے ــــــ عرب قدیم زمانہ سے ان
تہذیبوں (ایرانی۔ مصری۔ شامی۔ عراقی) سے لگاؤ
رکھتے چلے آرہے تھے چنانچہ قفطی نے اخبار الحکماء میں
بیان کیا ہے کہ حارث بن کلاہ جو قبیلہ بنی ثقیف سے
تھا اور طائف کا رہنے والا تھا سرزمین ایران میں گیا
اور ایران کے شہروں میں رہ کر اس نے طب حاصل کی
خصوصیت کے ساتھ جندیشاپور میں اس نے طب پڑھی
یہ واقعہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کا ہے فن طب
میں وہ بڑا ماہر ہو گیا تھا اور عرصہ تک ایران میں
مطب اور علاج کرتا رہا اہل ایران میں جن لوگوں
نے اسے دیکھا ہے اس کی شہادت دی کہ اس کی طبی مہارت
عربوں میں کافی مشہور رہی (فجر الاسلام صہ ۴)

ان کے قصے اور کہانیاں جو وہ جاہلیت میں
چاندنی راتوں میں کہا کرتے تھے اگر آپ پڑھیں تو
اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ وہ سیرت و کردار کی بلندیوں
کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ
ان کے قصے یونانی اور رومی کہانیوں سے ماخوذ ہیں

جنھیں انھوں نے اپنے ناموں پر ڈھال لیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو ثابت ہوگیا کہ وہ یونان و روم کے ادب و اخلاقی اقدار سے آشنا تھے جب یونانیوں نے ان قصوں کو اپنے اوپر چسپاں کیا۔

خود عرب میں حجازی عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا یہ ایک سرسبز و شاداب خطہ تھا جہاں تجارت ہوتی تھی ریشمی کپڑے بنے جاتے تھے اسلحہ سازی کے کارخانے تھے کھالوں کی تجارت کی منڈی تھی

تیما۔ فدک۔ خیبر وادی القریٰ اور یثرب یہود کے مراکز تیسری صدی عیسوی میں قائم تھے۔

یہود علم زراعت اور معدنی صنعتوں کے ماہر تھے ان کی دولت کی بھی انتہا نہ تھی انھوں نے مدرسے کھول رکھے تھے جن میں اوس و خزرج کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ ملیح بن باعور ایک مشہور یہودی گذرا ہے جس کے حکیمانہ اقوال امام مالک نے موطا میں بکثرت نقل کئے ہیں۔

سوید بن صامت۔ بہادر۔ شریف صاحب نسب اور اپنے قبیلہ کامل کے لقب سے مشہور تھے جب وہ مکہ آئے تو آنحضرت نے ان سے ملاقات کرکے دعوت اسلام دی انھوں نے کہا شاید آپ کے پاس بھی کوئی ایسی چیز ہے جیسی میرے پاس ہے آنحضرت نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا میرے پاس لقمان کا صحیفہ ہے حضرت نے فرمایا مجھے بھی دکھاؤ سوید نے وہ صحیفہ آپ کو دکھایا آپ نے فرمایا میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے خدا نے مجھ پر قرآن نازل کیا ہے جو ہدایت اور نور ہے اور چند آیتیں پڑھ کر سنائیں جس سے وہ ایمان لے آیا۔ علامہ احمد امین فجر الاسلام میں طبقات الاطباء کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ نضر بن حارث نبی صلعم کا خالہ زاد بھائی فلسفہ اور طب میں کمال رکھتا تھا۔ اس کا باپ حارث اپنے وقت کا مشہور طبیب تھا۔ لوگوں کا خیال تھا نضر اپنے فضائل و کمالات سے نبوت کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

خاص مکہ میں قیس بن ساعدہ۔ عثمان الحویرث ورقہ بن نوفل بلند پایہ عالم تھے۔ عامر بن الظرب حکیم عرب کہے جاتے تھے اکثم بن صیفی فلسفی مشہور تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا "ممن تعلمت الحکمۃ والریاسۃ والحلم والسیادۃ"۔ آپ نے حکمت و ریاست اور حلم و سرداری کس سے سیکھی قال۔ حلیف الحلم والادب سید العجم والعرب ابی طالب بن عبدالمطلب اس نے حلیف حلم و ادب سید العرب ابوطالب سے۔ مدینۃ الاجاب۔ ص ۲۵

عربوں کی فصاحت کے آگے دنیا گنگ تھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:-

کوئی زبان اپنے محاورات اور ادبی کمالات میں اس وقت ترقی کرتی ہے جب اس کے بولنے والوں کا تمدن عروج پر ہو ــــــ اگر اس معیار پر اسلام سے عین پہلے کی زبان کو جانچا جائے تو ہم زبان کی لغات کی کثرت قواعد صرف و نحو کے استحکام اور عام بلند معیار نظم و نثر کے ذخیرے کے باعث حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مشہور عربی زبان زمانۂ جاہلیت کی سمجھی جاتی ہے۔ ــــــ اسلام سے پہلے عربی زبان جس پختگی اور درستی سے بہرہ ور ہوچکی تھی وہ یقیناً اس بات کے بغیر ممکن نہیں کہ اس سے پہلے اس زبان کے بولنے والوں میں ادبیات کی بڑی صلاحیتیں اور چرچے رہے ہوں ــــــ وہ تمدنی

ر کا باشندہ تھا اس نے زمانہ جاہلیت میں توراۃ
انجیل کو عربی میں منتقل کیا تھا غیلان بن سلمہ ثقفی کے
علق بیان کیا جاتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن علمی
منعقد کرتا تھا جس میں نظمیں پڑھی جاتی تھیں اور ان
تنقید ہوتی تھی۔ عہد نبوی کا نظم حکمرانی ص ۲۰۱

مشہور مستشرق نکلسن لکھتا ہے

وہ اشعار جو اسلام کے پہلے کے ہم تک
نچے ہیں وہ اسلام سے قبل کی (صدی از ۵۰۰ء تا
۶۲۲ء) کے ہیں لیکن ان کی سجی سجائی شکل و صورت
سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا امکان بھی نہیں کہ
بی اشعار کی اولین جولانیاں ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ
حیح ہوگا کہ ایلیڈ اور اوڈیسی کی طرح اس عصر کا عربی
عر ایک بہت ہی مکمل فن کا نتیجہ ہے جو کسی طرح اس وقت
وجود میں نہیں آسکتا جب تک فن شاعری کو
مدت مدید کی مشق کے بعد اس بلند مقام
پہنچا دیا گیا ہو۔

لٹریری ہسٹری آف عربز طبع ۱۹۶۵ء کیمبرج یونیورسٹی ص ۱۳

سید العلما مولانا علی نقی صاحب مجتہد لکھتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت کی شاعری جو ادب کا بہترین نمونہ
ہے ان کے اخلاقیات کا ایک دفتر ہے اور اس سے
پتہ چلتا ہے کہ وہ شرافت کا کافی عنصر رکھتے تھے

ابو عمرو بن العلا کا قول ہے کہ۔

عربوں نے جتنا کچھ کہا ہے تم تک اس کا
بہت تھوڑا حصہ پہنچا ہے اگر وہ سب مل جاتا تو علم اور
شعر کا بڑا ذخیرہ حاصل ہوتا۔

علوم و فنون :-

بہت سے علوم و فنون عرب میں کمال کے
درجے تک پہنچے ہوئے تھے

علم الانواء :- بارش اور اس کے نچھتروں کا حال
اس کا حساب اور قاعدے انھیں اچھی طرح معلوم تھے

نجوم :- ستاروں کی چال اور ان کے اثر سے
وہ نہایت صحیح احکام نکالتے تھے۔ شمسی اور قمری سال کے
فرق سے واقف تھے ہر تیسرے سال ایک تیرہواں
مہینہ قائم کر کے سال پورا کرتے تھے جسے نسی کہتے تھے
یہ کام قبیلہ بنی فقیم سے متعلق تھا اور جو شخص نسی کا حساب
لگاتا تھا اسے قلمس یا قلمس کہتے تھے بعض کا خیال ہے
کہ جس نے سب سے پہلے اسے وضع کیا اس کا نام حذیفہ بن عبد
قلمس تھا۔

کہانت :- گنڈے تعویذ اور جھاڑ پھونک میں
ان کو کمال حاصل تھا۔

عرافت :- پیش گوئی کے فن میں بھی ان کو بڑی
دستگاہ حاصل تھی مشہور کاہن سطیح نے آنحضرت
کی ولادت اور ورقہ بن نوفل نے نبوت کی پیش گوئی کی تھی یمن
میں شیخ ازدی بھی اس میں شہرت رکھتے تھے۔

زجر :- جانوروں کی آوازوں سے شگون لینے اور
اس سے نتائج اخذ کرنے میں ان کو بڑی مہارت
تھی۔

تعبیر خواب :-

خواب کی تعبیر وہ بہت اچھی بتاتے تھے تاریخ
میں ایسے واقعات بکثرت موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا
ہے کہ ان کی بتائی ہوئی تعبیریں صحیح نکلیں مثلاً جنگ بدر
سے پہلے مکہ میں جو خواب دیکھا گیا تھا اس کی جو تعبیر
بتائی گئی تھی وہ حرف بحرف صحیح نکلی۔

قیافہ :- صورت شکل قد و قامت اور خال و
خط سے وہ انسان کے عادات و خصائل بتا دیتے تھے

تمام علوم وفنون برسوں کے غور و فکر تجربے اور مشقت کے بعد مدون ہوتے ہیں ہندوستان میں فراست الید اور جادو نے کسی زمانہ میں بڑی ترقی کی تھی۔ یورپ میں فراست الید کو آج بھی اہمیت حاصل ہے جغرافیہ سے انھیں خاص لگاؤ تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس کے مجدد قرار پائے یاقوت حموی اور ابن حوقل ایسے لوگ پیدا ہوئے جو دنیا میں استاد مانے جاتے ہیں۔

علم الانساب :- عربوں کا خاص فن تھا پشتوں کے نام اور ان کے کارنامے انھیں حفظ تھے اسی نے ترقی کر کے علم رجال و تاریخ کی صورت اختیار کی اور دیوزری۔ طبری۔ ابن خلدون ایسے مورخ پیدا ہوئے۔

فنون لطیفہ :-

رقص و موسیقی سے وہ اچھی طرح واقف تھے ان کا ناچ اچھل کود اور گانا گلے بازی نہ تھا بلکہ وہ ماہر فن کی حیثیت سے گاتے تھے جس میں ساز و آہنگ کے زیر و بم سے حرکات کی ہمنوائی ضروری ہے جو آلات طرب کے فنکارانہ استعمال کے بغیر ممکن نہیں

عود و الاوتار :-

تاروں سے بجنے والا باجا اس کی آواز کو شلشلہ کہتے ہیں یہی وہ ساز ہے جس کی آواز پر مطرب اور اس کا لشکر رقص کرتا ہے۔

بربط :- اس کی آواز کا نام نغرات ہے۔ نغر عہد جاہلیت کا مشہور بربط نواز تھا۔

مزمار :- یہ وہی ہے جسے ایران میں اور ہندوستان میں بانسری کہتے ہیں اس کا بڑا رواج تھا۔ مختلف طبقے کی بانسریاں الگ الگ تھیں ایک قسم کی بانسری فاحشہ عورتیں بجاتی تھیں۔ ان عورتوں کو زامرہ اور زنتارہ کہتے تھے ایک مزمار سار بانوں سے مخصوص تھی یہ زمارۃ الراعی اور شبابہ ہے اسے ہندوستان میں الغوزہ اور ایران میں تونک کہتے ہیں۔

دف :- دف وغیرہ معمولی باجے تھے جنہیں سب ہی بجانا جانتے تھے جنگی باجوں میں طبل نقارہ، کرنا، سرنا، جلاجل میدان جنگ میں بہادروں کا دل بڑھاتے تھے۔

شاعری :- میں ان کی برتری ساری دنیا پر مسلم ہے نازک تشبیہوں لطیف استعاروں بلیغ کنایوں کے ساتھ زور بیان اور حقیقت نگاری ان کا طرۂ امتیاز ہے

مصوری :-

مصوری میں انھیں اتنا کمال تھا۔ کہ وہ رطب اور حلوے تک کے بت بناتے تھے۔ حرم کے گرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے جن میں ود، سواع یغوث، نسر، لات اور عزیٰ کے مجسمے بہت بڑے تھے۔ یہی غرانیق العلا تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی ان کے علاوہ حرم کی دیواروں پر تصویریں بھی تھیں جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون۔

فن عمارت :- میں انھیں اتنا کمال تھا کہ ناقابل تسخیر قلعے تعمیر کرتے تھے قموص کا قلعہ مشہور تھا جس سے لشکر اسلام نے کئی مرتبہ ٹکرا کر شکست کھائی اور آخر میں علی ابن ابی طالب کی تلوار سے فتح ہوا

R.S.NO.2584
رجسٹرڈ ایس نمبر ۲۵۸۴

R.S. No. 2584

رجسٹرڈ ایس نمبر ۲۵۸۴